امام بیہقی کی کتاب "حیات الانبیا" کی مثالی شرح

مصنف: محدثِ کبیر مناظر اسلام حضرت علامہ مفتی عباس صاحب رضوی مدظلہ العالی

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام بیہقی کی کتاب (حیات الانبیاء) کی مثالی شرح

آپ ﷺ زندہ ہیں واللہ

محدث کبیر مناظر اسلام محقق دوراں

حضرت علامہ مفتی محمد عباس صاحب رضوی مدظلہ العالی

ناشر:

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف

سلسلۂ اشاعت: .... (۱۱)

نام کتاب .... آپ ﷺ زندہ ہیں واللہ

تالیف: .... محدث کبیر علامہ محمد عباس رضوی

پروف ریڈنگ: .... حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی

کمپوزنگ: .... محمد شمس الدین برکاتی

ایڈیشن: .... باراول ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

قیمت: ....

ملنے کے پتے

کتب خانہ امجدیہ مٹیا محل جامع مسجد دہلی

فاروقیہ بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی

رضوی کتاب گھر مٹیا محل جامع مسجد دہلی

اسلامک پبلشر مٹیا محل جامع مسجد دہلی

اعلیٰ حضرت دار الکتب نومحلّہ مسجد بریلی شریف

قادری کتاب گھر نومحلّہ مسجد بریلی شریف

برکاتی بک ڈپو نومحلّہ مسجد بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ طالب علمی میں حضرت امام بیہقی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مختصر اور جامع رسالہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام پڑھ کی دلی مسرت ہوئی اور بعض احباب کے حکم پر اس کی مختصر سی شرح لکھ دی۔ اس کے بعد دیگر مصروفیات میں ایسا کھویا کہ اس کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اب جبکہ دوبارہ بعض احباب کے فرمانے پر اس کی اشاعت کی طرف توجہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس میں بہت ساری جگہوں پر تفصیل اور ترمیم کی ضرورت ہے۔ لہذا اس پر جب نظر ثانی شروع کی تو مضمون توقع کے بالکل برعکس طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا اور بالآخر اس مضمون کو پہلی جلد کے نام سے شائع کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اس کتاب میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ مضمون تحقیقی ہو اور زبان عام فہم اور نرم رہے۔ میری یہ بھی کوشش رہی ہے کہ مسئلہ حیات الانبیاء کو دیگر مسائل یعنی سماع موتی حیات شہداء اولیاء اور ردّ روح وغیرہ سے گڈ مڈ نہ کیا جائے حالانکہ ان مسائل کو نفس مسئلہ کے ساتھ بڑی مناسبت ہے اور اپنی دانست پر منکرین و معاندین کی طرف سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کے جوابات عقلی و نقلی لحاظ سے دیئے گئے ہیں۔ میں اپنی ان کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس کا فیصلہ تو قارئین حضرات ہی کریں گے، میری التجا صرف یہ ہے کہ حضرات علماء کرام جہاں کہیں اس کتاب میں کوئی علمی غلطی یا تسامح ملاحظہ فرمائیں میری راہنمائی فرما کر مشکور ہوں۔

اس کتاب کے اس حصہ میں صرف اپنے دلائل اور ان پر اعتراضات یا شبہات کے جوابات کا مدلل بیان کیا گیا ہے اور منکرین حیات الانبیا کے دلائل کو قصداً نظر انداز کر دیا گیا ہے، اگر اللہ نے توفیق عنایت فرمائی تو اس پر دوسری جلد میں کلام کیا جائے گا۔

اب جبکہ اس کتاب کی پہلی جلد مکمل ہو چکی ہے تو بڑی ناشکری کی بات ہوگی، اگر ان مشفق ہستیوں اور تعاون کرنے والے حضرات کا ذکر نہ کیا جائے کہ جن کی دعاؤں اور کوششوں سے میں اس مقام تک پہنچ سکا۔ سب سے زیادہ میرے شکریہ کے مستحق میرے آقائے نعمت

سیدی وسندی حضرت علامہ مولانا الحاج ابو داؤد محمد صادق صاحب امیر جماعت رضائے مصطفے ہیں کہ جن کے فیض و نظر کرم کے صدقے میں آج اس مقام پر کھڑا ہوں کہ جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے۔ آپ کے بعد حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور کہ جنھوں نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی فرمائی اور وقتاً فوقتاً اپنا قیمتی وقت نکال کر میری راہنمائی فرماتے رہے۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب مہتمم جامعہ نظامیہ لاہور اور حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور اور حضرت مولانا علامہ ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی صاحب گوجرانوالہ کا بھی جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ جنھوں نے اس سلسلہ میں میرے ساتھ بہت شفقتیں فرمائیں اور میرے ساتھ بڑا تعاون فرمایا بالخصوص حضرت علامہ مفتی محمد رضاء المصطفی ظریف القادری اور حضرت علامہ مولانا نورالحسن تنویر چشتی بھیروی صاحب اللہ تعالیٰ ان کے علوم و فیوض سے مجھے مزید بہرہ مند فرمائے۔ (آمین) ان کے ساتھ ساتھ اپنے ان دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے محروم نہ رکھا۔ بالخصوص حضرت مولانا علامہ غلام مصطفے حنیف صاحب مدرس جامعہ امینیہ گوجرانوالہ، حضرت علامہ پروفیسر حسین ساقی، علامہ محمد رفیق احمد مجددی، مولانا محمد سرور قادری صاحب گوندالانوالہ اور حضرت مولانا سجاد حسین حنیف وغیرہم۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جو دوست فکر مند تھے اور انھوں نے مالی تعاون کے سلسلہ میں بڑا کام کیا وہ ہیں ہمارے نہایت ہی عزیز دوست جناب محمد ارشد قادری صاحب کہ ان کی وساطت سے جناب عبدالرحمٰن صاحب ڈارمون سٹیل ٹریڈرز گوندالانولہ روڈ گوجرانوالہ نے سب سے زیادہ مالی تعاون فرمایا ان کے ساتھ ساتھ حافظ محمد اقبال اس کار میں شامل ہیں اور میں جناب شفیق شہزاد ایم، اے صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے کتاب اور مراجع و ماخذ کی فہرست میں میرے ساتھ بڑی محنت فرمائی اور ان کے علاوہ جتنے بھی دوست احباب کہ جنھوں نے میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون فرمایا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دنیا و آخرت میں عزت عطا فرمائے۔ تمام حضرات سے التماس ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر میرے والد صاحب مرحوم کہ جو اس کتاب کی تصنیف کے دوران مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے کی بخشش کے لئے دعا فرمائیں اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کی مغفرت کے لئے بھی دعا فرمائیں۔

محمد عباس رضوی

محرم ۱۴۱۹ھ

شیخ الاتقیاء نمونۃ السلف ، حجۃ الخلف ، مجاہد حق گو صادق الاقوال والاحوال مخزن محاسن الاخلاق نباض قوم پاسبان مسلک رضا

حضرت مولانا الحاج ابوداؤد محمد صادق صاحب دامت برکاتہم العالیہ

امیر جماعت رضائے مصطفیٰ پاکستان (گوجرانوالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلى على رسوله الكريم و على آله و صحبه اجمعين .

امابعد:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات بعد الوصال خصوصا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بحیات حقیقی وزندہ ہونا اجماعی واتفاقی عقیدہ مبارکہ ہے جس پر اکابر علمائے امت وبزرگان دین کی بکثرت متفرق تصریحات کے علاوہ مستقل تصانیف شاہد عدل ہیں، مگر منکرین شان رسالت نجدی، وہابی ٹولہ بالخصوص دیوبندیوں کی مماتی پارٹی حیات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شدید گستاخ وباغی ہے۔ ایسے ہی بدمذہبوں، بے دینوں پر اتمام حجت اور اہل ایمان کے عقائد حقہ کے تحفظ کے لئے العزیز الفاضل مولانا علامہ محمد عباس رضوی (زید عمرہ وعلمہ) نے بڑی محنت شاقہ کے ساتھ اپنی یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ جو علمی وتحقیقی خزانہ اور دلائل وبراہین کا ذخیرہ ہے اور ماشاء اللہ مصنف کے علم وفضل اور ان کے تبحر علمی ووسیع النظری کا منہ بولتا ثبوت ہے اور خود فاضل مصنف کی آخرت کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے جو عوام وخواص اور خود منکرین کے لئے بہت معلومات افزا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ بوسیلۂ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء مناظر اہلسنت مولانا محمد عباس رضوی کی اس عظیم دینی خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں خدمت دین وتحفظ شان رسالت اور اہل سنت کی پاسداری کی مزید توفیق بخشے اور تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین ثم آمین

ابوداؤد محمد صادق

تقریظ

بحر العلوم، المحدث الکامل، المحقق النبیل صاحب الرائے الصائب جامع العلوم النقلیہ والفنون العقلیہ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ ازلی ابدی حی وقیوم ہے وہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس کی صفات بھی ازلی وابدی ہیں۔ اس کی ذات وصفات کے علاوہ جو بھی موجود ہوا اسے اپنے مقرر وقت پر موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت کے بعد روح تو ہر کسی کی زندہ رہتی ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر، لیکن شہداء کی زندگی اور انہیں رزق کا ملنا نص قطعی سے ثابت ہے۔ انبیائے کرام کی حیات تو ان سے بھی بلند وبالا ہے کیونکہ شہداء کو یہ مقام انبیائے کرام علیہم السلام کے صدقے میں اور ان کی پیروی کی بدولت ملا ہے تو کیا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ مقام نہیں ملے گا؟

شہید باوجودیکہ زندہ ہے، لیکن اس پر اموات کے بعض احکام جاری ہوتے ہیں مثلاً اس کی بیوی عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اس کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے آقا ومولا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہ تو ترکہ تقسیم کیا گیا اور نہ ہی آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے زندگی بھر کسی سے نکاح کرنا جائز تھا، ماننا پڑے گا کہ آپ کی حیات مبارکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ دلیل کتنے عمدہ پیرائے میں بیان کی ہے؟ فرماتے ہیں:

اس کی ازواج کو جائز ہے نکاح — اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے
یہ ہیں حی ابدی ان کو رضا — صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

تمام انبیائے کرام خصوصاً حبیب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زندگی پر امت مسلمہ کا اجماع رہا ہے جسے آپ پیش نظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ البتہ ماضی قریب میں کچھ لوگوں نے اس مسئلے کو بھی اختلافی بنادیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف

منسوب کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ ''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں'' حالانکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے۔

نامور محدث امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مختصر رسالہ 'حیاۃ الانبیا' لکھا جس میں پیش کردہ حدیثوں سے بعد کے تمام اہل علم استدلال کرتے رہے، نو پیدا منکرین نے ان پر جرح کرنا بھی ضروری سمجھا، ورنہ احادیث کی موجودگی میں ان کی بات سن کر کون فتنے کا شکار ہوتا؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے فاضل دوست، مناظر اہلسنت مولانا محمد عباس رضوی حیاہ اللہ تعالیٰ (گوجرانوالہ) کو کہ انہوں نے امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالۂ مبارکہ کی شرح کا بیڑا اٹھایا اور مبسوط شرح لکھ دی جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں انہوں نے امام بیہقی کی پیش کردہ احادیث کے شواہد بھی پیش کئے ہیں اور اس موضوع پر مخالفین کے جتنے اعتراضات سامنے آئے ہیں ان کے اصول حدیث کی روشنی میں محدثانہ انداز میں مسکت جوابات دیئے ہیں۔ کتاب کے سرسری جائزہ سے ان کے مطالعہ کی حیرت انگیز وسعت سامنے آتی ہے اور مخالفین کے بڑے بڑے محدث اور حدیث دانی کا دعویٰ کرنے والے بونے نظر آتے ہیں، وہ ایک ایک حدیث پر بیس پچیس بلکہ بعض اوقات چالیس تک حوالے پیش کر جاتے ہیں۔

اگر میری آواز اہلسنت و جماعت کے زعماء اور ارباب ثروت تک پہنچ کر ان کے دل و ضمیر پر دستک دے سکے تو میں عرض کرونگا کہ مسلک اہلسنت کا درد رکھنے والے ایسے وسیع النظر عدیم النظیر فاضل محدث کا تقرر کسی ایسے ادارے میں کیا جائے جہاں وہ اپنا تمام وقت مطالعہ اور تصنیف و تحقیق میں صرف کریں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ اسکول ٹیچر کی حیثیت سے اپنا وقت گزار رہے ہیں اور اپنی ذاتی کوشش سے قائم کردہ حدیث و اصول حدیث اور اسماء رجال کی کتابوں کی عظیم لائبریری میں فارغ اوقات میں مطالعہ و تحقیق میں منہمک رہتے ہیں۔

ان کی پیش نظر کتاب اس لائق ہے کہ اس کا عربی میں ترجمہ شائع کیا جائے اور مسلک

....

۱ احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ج ۲ ص ۶۵

اہلسنت کی حقانیت کو عالم آشکار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فاضل علامہ مولانا محمد عباس رضوی اکرمہ اللہ تعالیٰ کے علم، عمر، تحقیق اور لگن میں برکتیں عطا فرمائے اور امت مسلمہ کی طرف سے انہیں اجر جمیل عطا فرمائے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ ۲۷/ ستمبر ۱۹۹۶ء

صاحب الفہم الباہر والرشد الزاہر والبصیرۃ التامۃ الملکۃ الراسخۃ فقیہ الامت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

چونکہ افعال وتصرفات کا مدار حیات ہے اس لئے جس پایہ کی حیات ہوگی اسی پایہ کے تصرفات ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی حیات ازلی ابدی اور من کل الوجوہ کامل ہے، اس لئے اس کے تصرفات وصفات بھی ازلی اور کامل ہیں جو کہ انسانی عقل وفہم سے ماوراء ہیں جبکہ انسان اپنے خالق کی معرفت کا مکلّف ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ جلّ مجدہ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی صفات کاملہ کا مظہر بنایا تاکہ انسان ان مظاہر کے ذریعہ اس کی صفات وتصرفات کاملہ کی معرفت حاصل کرسکے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات وتصرفات سے ہی انسان کو اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی ذات وصفات کی معرفت ہوئی، جس سے وہ مرتبہ ایمان پر فائز ہوا۔ لہذا ایمان کا تقاضہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مافوق العادت تصرفات کو دیکھ کر ان کی حیات مبارکہ کو بھی مافوق العادت تصور کرے۔ ایسی حقیقت کے پیش نظر اسلاف امت انبیا علیہم السلام کی حیات کے متجسس ہوئے اور اس حقیقت پر متفق ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات عام انسانوں کی حیات سے ممتاز وماوراء ہے۔ اس موضوع پر محدث شہیر علامہ ابوبکر محمد بن حسین المعروف امام بیہقی نے بھی اپنی تحقیق میں بائیس مسند احادیث کی تخریج فرمائی جن کی سندات کو قابل اعتماد قرار دیا، لیکن اس پُرفتن دور میں اس مسلمہ حقیقت کو بھی معاف نہ کیا اور اس میں تشکیک پیدا کرنے کے لئے حیاۃ الانبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کے راویوں پر تنقید شروع کردی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ باطل پر ذہوق وارد فرماتے ہوئے بطور حجت حق کو ظاہر فرماتا ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فاضل نوجوان علامہ مولانا محمد عباس رضوی کو توفیق فرمائی کہ وہ اس غبار کو ہٹا کر امت مسلمہ کے اجماعی مسئلہ کو واضح کریں تاکہ رفعت

انبیاء علیہم السلام ولـلآخرۃ خیر لک من الاولی، کا اعلان باری تعالیٰ روشن اور چمکتا رہے، چنانچہ علامہ موصوف نے امام بیہقی علیہ الرحمہ کی پیش کردہ احادیث کے ترجمہ اور شرح میں انہوں نے اس موضوع کو تقریبا ساڑھے تین صد کتب کی عبارات سے مؤید کیا اور مذکورہ احادیث کے راویوں پر مخالفین کی جرح وتنقید کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ہزار کے قریب اہم شخصیات کے اقوال نقل کرکے راویوں کی ثقاہت کو واضح کیا۔ ناظرین کی سہولت کے لئے فاضل محقق نے موضوع سے متعلق تمام ابحاث اور کتب مآخذ بمع مصنفین کو علیحدہ علیحدہ بطور فہرست پیش کیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ الکریم مولانا علامہ محمد عباس رضوی کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور فن حدیث اور نقد رجال کی تحقیق میں ان کے ذوق کو دوبالا فرمائے اور جس طرح انہوں نے اسلاف کی کثیر کتب پر تحقیقی کام کیا ہے، تحقیقات کا یہ سلسلہ جاری وساری رہے اور مولانا کے تحقیقی کام کی اشاعت کے لئے اسباب پیدا فرمائے۔

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری رضوی

جامعہ نظامیہ لاہور/شیخوپورہ

مصنف کے بارے میں

نام ونسب: کنیت ابوبکر اور نام احمد بن الحسین بن علی عبداللہ بن موسیٰ بیہقی کی نسبت بیہق کی طرف ہے اور بیہق ایک گاؤں کا نام ہے جو نیشاپور سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے

آپ کی ولادت و پرورش:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہ شعبان المعظم ۳۸۴ بیہق میں پیدا ہوئے۔ علامہ ابن عساکر نے کہا ''میری طرف ابوالحسن فارسی نے لکھا (جو بیہقی کے نام سے مشہور ہیں) وہ حافظ اصول اور دین کے بارے میں پایہ کے فقیہ، حفظ، یادداشت میں یکتائے زمانہ، ضبط اور اتقان میں کمال رکھنے والے ہیں، آپ نے اپنے بچپن سے جوانی کے دور تک کتب حدیث لکھنا اور حفظ کرنا شروع کیں، اس میں بڑا درک اور تفقہ حاصل کیا۔ اصول میں علم شروع کیا اور عراق اور حجاز کی طرف علم حدیث کے لئے سفر کیا پھر کتابوں کے لکھنے میں مصروف ہوگئے اور آپ نے اس قدر ذخیرہ کتب لکھا کہ تعداد میں جو تقریباً ایک ہزار کے قریب ہے جو آج تک اس سے پہلے کسی نے نہ لکھیں، آپ نے اپنی تصانیف میں علم حدیث اور علم فقہ کو جمع کیا۔ علل حدیث، صحیح و سقیم کا بیان، احادیث کے درمیان جمع کی وجوہات بیان کیں پھر فقہ اور اصول بیان کئے۔

تعلیم:

آپ نے حاکم، ابوطاہر، ابن فورک (متکلم اصولی) ابوعلی روذباری صوفی اور ابوعبد الرحمٰن سلمی صوفی سے علم حاصل کیا اور بغداد، خراسان، کوفہ حجاز اور دوسری اسلامی آبادیوں میں گشت کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں بڑی برکت اور فہم میں کامل قوت عطا فرمائی تھی۔ ان کی یادگار میں ایسی ایسی عجیب تصانیف موجودہ ہیں جو ان سے پہلے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔

ان کی چیدہ چیدہ اور نافع تصانیف میں سے درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب الاسماء والصفات
۲۔ دلائل النبوۃ

۳۔ السنن الکبریٰ
۴۔ کتاب الاعتقاد
۵۔ شعب الایمان
۶۔ مناقب الشافعی
۷۔ الدعوات الکبیر
۸۔ کتاب الخلافیات
۹۔ مناقب الامام احمد
۱۰۔ معرفۃ السنن والاثار
۱۱۔ الدعوات الصغیر
۱۲۔ اثبات الرویۃ
۱۳۔ کتاب البعث والنشور
۱۴۔ الزہد الکبیر
۱۵۔ کتاب الآداب
۱۶۔ کتاب الاسریٰ
۱۷۔ الاربعین
۱۸۔ حیات الانبیاء
۱۹۔ السنن الصغیر
۲۰۔ فضائل الاوقات
۲۱۔ اثباب عذاب القبر

علامہ سبکی کہتے ہیں کہ مجھ کو کتاب الاسماء والصفات کی نظیر نہیں ملی۔

خصائل:

آپ تورع و زہد میں وہی خصائل رکھتے تھے جو علمائے ربانیین میں ہونے چاہئیں۔

امام الحرمین (امام جوینی) نے ان کے بارے میں فرمایا: ''دنیا میں سوائے بیہقی کے اور کسی شافعی کا احسان امام شافعی کی گردن پر نہیں ہے''۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تصانیف میں امام شافعی کے مذہب کی نصرت و تائید کی ہے اور اسی وجہ سے اس مذہب کا رواج دوبالا ہوگیا۔ امام بیہقی فقہ اور فن حدیث و علل حدیث میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کا خوب ملکہ عطا فرمایا تھا۔

ایک دوسرے فقیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ جامع مسجد میں ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں: ''آج میں نے کتاب فقیہ احمد یعنی بیہقی سے فلاں فلاں حدیث کا استفادہ کیا ہے''۔

محمد بن عبدالعزیز جو مشہور فقیہ ہیں فرماتے ہیں کہ ''ایک روز میں نے خواب میں دیکھا

کہ ایک صندوق زمین سے آسمان کی طرف اڑا جا رہا ہے اور اس کے ارد گرد ایک ایسا چمکتا ہوا نور ہے جو آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے۔ میں نے دریافت کیا یہ کیا چیز ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ ''بیہقی کی تصنیفات کا صندوق ہے جو بارگاہ کبریا میں مقبول ہو گیا ہے''۔

وفات:

ہفتے کے دن ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو شہر نیشاپور میں بیہقی کا انتقال ہوا۔ ان کو تابوت میں رکھ کر بیہق میں لائے اور خسروجرد میں دفن کیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کے شیوخ:

۱۔ ابوالحسن محمد بن الحسین العلوی الحسنی المتوفی (۴۰۱)
۲۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الطہمانی النیسابوری المتوفی (۴۰۵)
۳۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی محمد بن الحسین بن موسیٰ الازدی (المتوفی ۴۱۲)
۴۔ ابوبکر بن فورک محمد بن الحسن اصبہانی (المتوفی ۴۰۶)
۵۔ ابومحمد الجوینی عبداللہ بن یوسف (المتوفی ۴۳۸)
۶۔ ابوالحسین محمد بن الحسین القطان البغدادی (المتوفی ۴۱۵)
۷۔ ابوعبداللہ الحلیمی الحسین بن الحسن بن محمد الشافعی (المتوفی ۴۳۰)

تلامذہ:

۱۔ ابوالمعالی محمد بن اسماعیل الفاسی نیساپوری (المتوفی ۵۳۰)
۲۔ الحافظ ابوزکریا یحیی بن عبدالوہاب بن مندہ (المتوفی ۵۱۱)
۳۔ القاضی اسماعیل بن احمد بن الحسین البیہقی (المتوفی ۵۰۷) (امام بیہقی کے فرزند
۴۔ ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن احمد البیہقی (المتوفی ۵۲۳) (امام بیہقی کے پوتے)
۵۔ زین الاسلام ابونصر عبدالرحیم بن عبدالکریم بن ہوازن القشیری (المتوفی ۵۱۴ھ)

حررہ ابرار حسین ساقی ایم اے، ایم ایڈ
گورنمنٹ اسلامیہ اقبال کالج سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تعارف مؤلف:

مصنف کتاب ہذا علامہ محمد عباس رضوی زید مجدہ بمقام کھوتڑے تھانہ واہنڈ ضلع گوجرانوالہ ۱۹۵۹ء کو ایک متوسط گھرانے میں متولد ہوئے۔ سکول کی ابتدائی تعلیم (میٹرک ۱۹۷۵ء) میں پاس کیا۔

بفیضان **(من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین)**
(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے)
طبعی رجحان علم دین متین کی طرف ہو گیا۔ لہذا متعدد مقامات کی طرف حصول علم دین کی خاطر سفر کیا جن میں سے خاص طور پر جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم گوجرانوالہ اور مدینۃ الاسلام متصل جامع نقشبندیہ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ قابل ذکر ہیں، عرصہ تقریباً ایک سال مرکزی دارالعلوم اہلسنت و جماعت ریاض المدینہ میں حصول علم کے لئے گذارا علاوہ ازیں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
"International Islamic Univercily Islamabad"
اور جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد کا سفر بھی اختیار فرمایا۔

دریں اثناء متعدد اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا جن میں سے مناظر اسلام سید مراتب علی شاہ مفکر اسلام افتخار علی چشتی، عظیم مذہبی اسکالر محمد نواز ظفر اور سید ظفر علی شاہ بخاری فاضل بھیرہ شریف کے علاوہ خصوصی توجہ کا شرف محمد نور الحسن تنویر چشتی اور علامہ مفتی محمد رضاء المصطفےٰ ظریف القادری سے حاصل ہوا، پاسبان مسلک رضا پیر طریقت الحاج ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی دامت برکاتہ القدسیہ سے روحانی تربیت کی سعادت حاصل ہوئی اور دوران تعلیم خطیب العصر الحاج محمد سعید احمد نوری سے بھی خصوصی رہنمائی کا شرف حاصل رہا۔

بحمداللہ علامہ موصوف نے فاضل عربی، فارسی، اردو کے علاوہ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد سے فاضل دورہ حدیث شریف کی سند فراغت حاصل کی اور ۱۹۸۵ء میں فاضل تنظیم المدارس ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات) (الشہادۃ العالمیہ) کی سند حاصل کی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے بھی چند کورسز کئے اور اسناد حاصل کیں۔

علامہ مذکور شبانہ روز محنت کے باعث نصابی کتب متداولہ کے علاوہ وسیع وعمیق مطالعہ رکھتے ہیں اور ناسازگار حالات کے باجود علمی ذوق کی بنا پر آپ کی ذاتی لائبریری میں کتب کا وسیع ذخیرہ ہے جو آپ نے اندرون و بیرون ملک سے بڑی مشقت سے جمع کیا ہے، کتب بینی کے شوق اور تحقیق کی لگن سے رات بھر جاگنا آپ کا معمول ہے۔

"من طلب العلی سھر اللیالی"
جس نے بلند مقام چاہا وہ راتوں کو جاگا۔
اوران تھک مطالعہ کے باعث۔
"من جدّ وجد" جس نے کوشش کی اس نے پالیا۔

آپ مسائل فقہ اور علم حدیث میں خاصی مہارت رکھتے ہیں بالخصوص علم اسماء الرجال میں اپنے معاصرین میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جس پر ماضی قریب میں فرق باطلہ سے آپ کے تہلکہ خیز مناظرے شاہد و عادل ہیں اور غیر مقلدین کے ردّ میں تو آپ لاثانی حیثیت کے مالک ہیں۔

علامہ موصوف اپنی بے بساطی کے باوجود اپنے وسائل کے مطابق سخاوت و دوست پروری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت الامام الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل آگاہی رکھنے کے ساتھ اسی کو اوڑھنا بچھونا جانتے ہیں، آپ ایک عاشق رسول ہیں اور اسی عشق کی بدولت معاشی ناہمواری کے باوجود زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

آپ ایک خندہ مزاج اور وسیع الظرف انسان ہیں، مخصوص صوفیاء وعلماء سے روحانی

وابستگی کے باوجود تمام سلاسل کے اکابرین کا یکساں نظر سے احترام کرتے ہیں۔ آپ سادہ اور بے تکلف زندگی کے عادی، درویش اور صوفی منش عالم کے رنگ میں عوام میں گمنام مگر خواص کے بقول "قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری (سونے کی قدر سنار جانتا ہے، ہیرے کی قیمت جوہری جانتا ہے) کے مصداق ہیں۔

تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ نے بکثرت خدمات انجام دی ہیں۔ مثلاً کشف الرین فی مسئلہ رفع الیدین (ترجمہ حاشیہ وتتمہ) فضائل امام اعظم (مقدمہ وحاشیہ) فصل الصلوۃ علی النبی۔ رفع المنارہ فی تخریج احادیث الزیارہ "الجوہر المنظم فی زیارت قبر النبی المکرّم المعظم" (ترجمہ) اسی طرح کتاب الاثار الامام محمد شرح اردو اور تعارض بین الاحادیث ورفعہ اور صحیح بخاری کی تخریج کے علاوہ متعدد تحقیقی اشتہارات جیسے (رفع الیدین، فاتحہ خلف الامام، آہستہ آمین، آہستہ بسم اللہ، دعا بعد نماز فرض، تین وتر کے ساتھ ساتھ متعدد مضامین ومختلف رسائل زیر ترتیب وتسوید ہیں جو کہ تا حال قلت وسائل کے سبب زیور طباعت سے آراستہ تو نہیں ہو سکے مگر آپ کے تحقیقی ذوق کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ زندہ ہیں واللہ:

زیر نظر کتاب بھی مصنف مذکور کا ایک علمی وتحقیقی شہہ پارہ ہے جو مخالفین اہلسنت کے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے شمار اعتراضات کے تحقیقی رد اور مُسکت جوابات سے بھرپور ہے۔

استدعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ مصنف موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما کر ذریعہ نجات وکفارۂ سیئات اور باعث بلندی درجات اور موجب ہدایت خواص وعام بنائے۔

آمین بجاہ نبیہ العظیم علیہ الصلوۃ والتسلیم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ جولائی ۱۹۹۷ء

الراقم: **ابوالمطیع غلام مصطفےٰ حنیف**

مدرس جامعہ نقشبندیہ امینیہ ۱۷۷/A ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

مزید تعارف مؤلف

بفضلہٖ تعالیٰ جیسا کہ حضرت علامہ مولانا غلام مصطفےٰ حنیف صاحب مدظلہ العالی نے رقم فرمایا کہ آپ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ بندہ ناچیز اس بات کو تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہے کہ میرے حضور وسیدی واستاذی محدث کبیر ایسے عشق رسالت مآب کا پیکر ہیں کہ جو انسان بھی چند لمحات آپ کے ساتھ بسر کرتا ہے وہ اس بات کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بندہ ناچیز اس بات کا شاہد ہے کہ قبلہ کے سامنے جب بھی ذکر خیر الوریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعت کی شکل میں کیا جاتا ہے تو آپ کی آنکھیں برسات کی برکھا کی طرح عشق ومحبت سے برسنے لگتی ہیں اور جیسا کہ علامہ حنیف صاحب نے بیان فرمایا کہ اسی عشق کی بدولت معاشی ناہمواری کے باوجود دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل فرما چکے ہیں۔ لیکن اب بفضلہٖ تعالیٰ جنوری ۲۰۰۴ء تک چار بار اس سعادت سے مستفیض ہو چکے ہیں اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں یورپ کا دورہ بھی فرما چکے ہیں اور اب آپ بطور ریسرچ آفیسر دوبئ محکمہ اوقاف میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں، اور انٹرنیٹ کی دنیا میں تو ایسے مقبول ہیں کہ اکثر تمام رومز سے آپ کا روم ٹاپ ہوتا ہے اور انٹرنیٹ پر بھی روافض وخوارج کو مناظروں میں شکست وذلت دے چکے ہیں اور اب تو بفضلہٖ تعالیٰ امسال ماہ رمضان المبارک میں پورا ماہ سڈنی اور انگلینڈ ریڈیو پر آپ کا درس قرآن اور سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہا اور ساتھ ساتھ ہفتے میں تین روز QTV پر بھی تبلیغ دین کے سلسلے میں درس قرآن اور سوالات کے جواب بھی ارشاد فرما رہے ہیں۔ اور مزید کئی کتب بھی تالیف فرما چکے ہیں۔ بندہ ناچیز انشاء اللہ العزیز آپ کی جلد شائع ہونے والی کتب میں سے کسی میں تفصیلاً آپ کا تعارف پیش کرے گا۔ اللہ رب العزت سے التجا ہے کہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور آپ کی تمام کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین

خادم مناظر اسلام

قاری محمد ارشد مسعود اشرف چشتی

حدیث نمبر:۱

اخبرنا ابو سعيد احمد بن محمد بن الخليل الصوفي قال انبأنا ابو احمد عبد الله بن عدى الحافظ قال ثنا قسطنطين بن عبد الله الرومي قال ثنا الحسين بن عرفة قال حدثني الحسن بن قتيبه المدائني قال ثنا المستلم بن سعيد الثقفي عن الحجاج بن الاسود عن ثابت البنائي عن انس رضى الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الانبيآء احياء في قبورهم يصلون. هذا حديث يُعدّ(۱) في افراد الحسن بن قتيبة المدائني وقد روى عن يحيى بن ابى بكر عن المستلم بن سعيد.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

(یہ روایت حسن بن قتیبہ کے مفردات میں شمار کی گئی ہے) اور یہ یحییٰ ابن ابوبکر عن مستلم بن سعید کی سند سے بھی روایت کی گئی ہے۔ سوائے حسن بن قتیبہ المدائنی کے اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس کے بارے میں محدثین کی اکثریت اچھی رائے نہیں رکھتی۔ لیکن امام ابن عدی اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: **قال الشيخ و للحسن بن قتيبه هذه احاديث عن ابيه حسان و ارجو انه لا باس به .** (الکامل فی الضعفاء ۲/۲۳۹)

اور حسن بن قتیبہ کی یہ احادیث حسن ہیں اور امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

تو اگر چہ یہ راوی بہت زیادہ ثقہ نہیں لیکن چونکہ آئندہ آنے والی احادیث میں ثقہ رواۃ اس راوی کے مؤید ومتابع ہیں اس لئے یہ حدیث دیگر اسناد کے ساتھ بالکل صحیح ہے

....

۱؎ یہ لفظ یہاں مبنی للمجہول ہے گویا کہ امام بیہقی فرماتے ہیں: کچھ لوگوں نے حدیث ہذا کو حسن بن قتیبہ کے مفردات میں شمار کیا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ اس کے متابع موجود ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

حدیث نمبر۲:

و ھو فیما اخبرنا الثقۃ من اھل العلم قال انبا ابو عمرو بن حمد ان قال انبا ابو یعلی الموصلی قال ثنا ابو الجھم الازرق بن علی ثنا یحییٰ بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالک قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

یہ روایت بالکل صحیح ہے۔اس کو امام ابو یعلی نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنا ابو الجھیم الازرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی بکیر حدثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنائی عن انس بن مالک قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: الانبیآء فی قبورھم یصلّون.

(مسند ابی یعلی الموصلی ۶: ۱۴۷ بتحقیق حسین سلیم اسد مطبوعہ بیروت وبتحقیق ارشاد الحق الاثری ۳: ۳۷۹ موسسہ علوم القرآن، بیروت)

حدیث مذکور کا محدثین کے ہاں مقام:

متعدد محدثین وعلماء کرام نے اس روایت کے صحیح ہونے پر تصریح کی ہے۔ان میں سے بعض کا تذکرہ ملاحظہ کیجئے:

۱۔امام ہیثمی فرماتے ہیں:

رواہ ابو یعلی والبزار و رجال ابی یعلی ثقات.

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۸: ۲۱۱)

اس کو ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور ابو یعلی کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۲۔علامہ مناوی فرماتے ہیں:

و ھو حدیث صحیح . (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۳: ۱۸۴)

یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۔علامہ علی بن احمد العزیزی فرماتے ہیں:

و ھو حدیث صحیح.

(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ۲: ۳۵۶ مکتبۃ الایمان السمانیۃ۔المدینۃ المنورہ)

یہ حدیث صحیح ہے۔

۴۔علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

و صححہ البیھقی. (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۶: ۹۳۵۲)

امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۵۔ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

صحۃ خبر الانبیاء احیاءً فی قبورھم . (مرقات: ۳: ۲۴۱)

''انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں'' یہ حدیث صحیح ہے۔

۶۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

ابو یعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالک آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ۱۸۰،۱۸۳ مدارج النبوت ۲: ۴۴۷)

ابو یعلی ثقہ راویوں کے واسطہ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۷۔امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی فرماتے ہیں:

(قلت) منھا حدیث انس الانبیآء احیاء فی قبورھم یصلون اخرجہ من

طرق و صححه من بعضها. (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ۱:۳۳۵)

میں کہتا ہوں کہ ان احادیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث بھی ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اس کی کئی سندیں ہیں اور ان میں سے بعض سندیں صحیح ہیں۔

۸۔ ابو احمد عبدالقادر فرماتے ہیں:

و قد صح ان الانبياء احياء في قبورهم . (الجماعۃ التبلیغیہ ص۱۰)

یہ حدیث صحیح ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

۹۔ علامہ شوکانی نے تحریر فرمایا:

و قد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذری و صححه البيهقي. (نیل الاوطار ۳:۲۴۸)

اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اسے منذری نے روایت کیا اور امام بیہقی نے اس کو صحیح فرمایا۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

لانه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حي في قبره و روحه لاتفارقه لما صح: ان الانبيآء احيآء في قبورهم كذا قال ابن الملقن وغيره. (تحفۃ الذاکرین شرح الحصن والحصین ۲۸)

کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی روح مبارک آپ سے جدا نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں جیسا کہ محدث ابن الملقن وغیرہ نے کہا ہے۔

۱۰۔ الشیخ نورالدین علی بن احمد السمہودی فرماتے ہیں:

و رواه ابويعلى برجال ثقات. (وفاء الوفا باخبار دار المصطفی ۴:۱۳۵۲)

ابویعلیٰ نے اس کو ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ شیخ فقیر اللہ فرماتے ہیں:

ورد في كثير من الاحاديث الصحيحة الصريحة بانهم احياء في قبورهم. (قطب الارشاد ص۳۷۶)

اور بہت ساری صحیح صریح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

۱۲۔ حاجی دوست محمد قندھاری نقشبندی فرماتے ہیں:

این حدیث است کہ ابویعلیٰ بنقل ثقات از روایت ابن مالک می آرد۔ (مکتوبات حاجی دوست محمد قندھاری ص۸۶)

یہ روایت ابویعلی نے ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے۔

۱۳۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

و بالحديث الصحيح الانبياء احياء في قبورهم يصلون. (الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرّم المعظم ص۲۲)

اور ''انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں'' صحیح حدیث ہے۔

اور امام بیہقی نے صحیح حدیث الانبياء احياء في قبورهم سے استدلال کیا ہے۔

۱۴۔ امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبياء احياء في قبورهم يصلون. (فتاوی رضویہ ۶:۱۳۶)

انبیائے کرام اپنے مزارات طیبات میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۱۵۔ علامہ داؤد بن سلیمان نقشبندی الخالدی فرماتے ہیں:

وروى البيقهي وغيره بالاسانيد الصحيحة عنه صلى الله تعالىٰ عليه

وسلم انه قال الانبياء احياء فی قبورهم يصلون. (المنحۃ الوہبیۃ فی ردعلی الوہابیۃ ص ۵)

امام بیہقی اور دیگر محدثین نے صحیح اسناد کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۱۶۔امام ابوعبداللہ بن عدی الجرجانی فرماتے ہیں:

و للحسن بن قتيبة هذا احاديث من ابيه حسان. (الکامل ۲:۷۳۹)

کہ حسن بن قتیبہ کی یہ احادیث ''انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں'' حسن ہیں۔

۱۷۔امام محمد یوسف اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

و بالحديث الصحيح الانبياء احياء فی قبورهم يصلون.

(سعادۃ الدارین ص ۱۸۰)

اور حدیث صحیح کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۱۸۔امام سخاوی فرماتے ہیں:

الانبياء احياء فی قبورهم يصلون.....و صححه البيهقی.

(القول البدیع ۱۶۷)

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۱۹۔امام محمد بن علوی مالکی فرماتے ہیں:

وبالحديث الصحيح الأنبياء احياء فی قبورهم يصلون

(شفاء الفؤاد بزیارۃ خیر العباد ص ۱۴۰)

امام بیہقی نے اس حدیث صحیح سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۲۰۔امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

و صح انه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال الانبياء احياء فی قبورهم يصلون. (کتاب الاعلام بحکم عیسی علیہ السلام فی الحاوی الفتاوی ۲:۱۶۳)

یہ روایت صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

۲۱۔مولوی ارشاد الحق اثری نے لکھا ہے:

اخرجه البيهقی فی حياة الانبياء من طريق ابی يعلی و ابونعيم فی ''اخبار اصبهان''. (ص ۸۳: ج ۲) واسناده جيد.

(حاشیہ مسند ابی یعلی ۳:۳۷۹)

اس کو امام بیہقی نے حیاۃ الانبیاء میں ابویعلی کی سند سے اور ابونعیم نے اخبار اصبہان میں روایت کیا ہے اور اس کی سند جیّد ہے۔

۲۲۔جناب حسین سلیم اسد نے کہا:

اسناده صحيح. (حاشیہ مسند ابی یعلی ۶:۱۴۷)

اس کی سند صحیح ہے۔

علمائے کرام اور محدثین عظام جنہوں نے اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہوئے اس سے استدلال فرمایا:

امام شامی حنفی فرماتے ہیں:

ان الانبیاء علیهم الصلوة والسلام احیاء فی قبورهم.

(ردالمحتار علی درالمختار المعروف شامی شریف ۴:۱۵۱ کتاب الجهاد)

انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

حیاة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی قبره هو و سائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک و تواترت به الاخبار الدالة علی ذلک. (الحاوی للفتاویٰ ۲:۱۴۷)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی علم کے ساتھ ثابت ہے۔ کیونکہ اس پر ہمارے پاس دلائل قائم ہیں اور متواتر احادیث موجود ہیں جو کہ اس (حیاۃ الانبیاء) پر دلالت کرتی ہیں۔

علامہ سیوطی مزید فرماتے ہیں:

باب حیاته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی قبره و صلاته فیه و توکیل ملک یبلغه السلام علیه و رده علی من سلم علیه.

اس باب میں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ایک فرشتہ آپ کی قبر پر مؤکل ہے جو کہ لوگوں کا سلام آپ کو پہنچاتا ہے اور ہر سلام کرنے والے کو آپ جواب دیتے ہیں۔

حضرت امام شامی دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

ان الانبیآء احیاء فی قبورهم.

(رسائل ابن عابدین ۲:۲۰۲ رسالہ الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم)

انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت علامہ امام سمہودی فرماتے ہیں:

لا شک فی حیاته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعد وفاته و کذا سائر الانبیآء علیهم الصلاة والسلام احیاء فی قبورهم. (وفاء الوفا ۴:۱۳۵۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاۃ بعد الوفات میں کسی قسم کا شک نہیں اور اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام بھی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت علامہ امام داؤد بن سلیمان بغدادی فرماتے ہیں:

والحاصل ان حیاة الانبیاء ثابتةبالاجماع. (المنحۃ الوہبیۃ ص ۶)

حاصل کلام یہ کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیاۃ پر اجماع امت ہے۔

حضرت امام شعرانی فرماتے ہیں:

و هو حی فی قبره یصلی فیه باذان و اقامة و کذالک الانبیآء.

(کشف الغمہ عن جمیع الامۃ ۱:۶۷)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اسی طرح دوسرے انبیاء۔

حضرت امام زرقانی فرماتے ہیں:

لحیاته فی قبره یصلی فیه باذان و اقامة. (زرقانی علی المواہب ۶:۱۶۹)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

ان حیاة الانبیاء ثابتة معلومة مستمرة ثابتة فی الاستمرار .... ان تکون حیاته اکمل و اتم من حیات سائر الانبیاء.

بے شک حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاۃ معلومہ اور ثابت شدہ ہے اور ہمیشگی

کے ساتھ ثابت ہے۔لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیائے کرام سے اکمل واتم ہونی چاہئے۔

حضرت شیخ احمد بن دحلان مکی فرماتے ہیں:

وحیاۃ الانبیاء علیهم الصلوۃ والسلام فی قبورهم ثابتة عند اهل سنة بادلة کثیرۃ......... و حدیث ان الانبیاء یحجون ویلبّون و کل هذه الاحادیث الصحیحة لا مطعن فیها فلا حاجة الی الاطالة بذکره.

(الدررالسنیۃ فی الردعلی الوہابیۃ ص۱۳،۱۴)

اور انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونا یہ اہل سنت کے نزدیک بہت سے دلائل سے ثابت ہے اوروہ حدیث کہ انبیائے کرام علیہم السلام حج کرتے اور تلبیہ پڑھتے ہیں تو یہ تمام احادیث صحیح ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی طعن نہیں ہے تو ان کے ذکر کو طول دینے کی حاجت نہیں ہے۔

مولانا احمداللہ صاحب داجوی فاضل سہارنپور فرماتے ہیں:

فانظر الی هذا الذائغ کیف انکر عن الحیوٰۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم .... فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حی یرزق .

(البصائر لمنکری التوسل باہل المقابر ص۹۹)

اس گمراہ کو دیکھ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاۃ کا کس طرح انکار کر رہا ہے.........پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔

یہی صاحب فرماتے ہیں:

وان کان المراد من ایراده نفی الحیوٰۃ البرزخیة کما هو مذعوم الفتنة المنکرۃ فذالک باطل لان الاحادیث الصحیحة دالة علی حیاۃ الانبیاء علیهم الصلوۃ والسلام. (البصائر:۱۶۲)

اور اگر اس کی مراد اس ایراد سے حیات برزخیہ کا انکار ہے جیسا کہ اس منکر فرقہ

(نجدیہ) کا زعم ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام زندہ ہیں۔

اورمزید فرماتے ہیں: و الحاصل ان مسئلة الحیوٰۃ البرزخیة للانبیاء علیهم الصلوۃ والسلام مما تلقتها الامة بالقبول سلفا وخلفا او لاو آخراً والفرقة المنکرۃ تنکرها. (البصائر ص۱۶۳)

اور حاصل کلام یہ کہ برزخ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاۃ کا مسئلہ تو اس کو سلف و خلف اول وآخر ساری امت سے تلقی بالقبول کا درجہ مل چکا ہے۔اور فرقہ ضالہ (نجدیہ) اس کا منکر ہے۔

شیخ مصطفیٰ ابو یوسف الحمامی المصری الازہری تحریر فرماتے ہیں:

و یزید بصیرتک فی حیاۃ الانبیاء فی قبورهم قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الانبیآء احیاء فی قبورهم یصلون. رواه ابویعلی والبیهقی وهذا حدیث لم یقتصر علی حیاته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بل تعدی الی جمیع الانبیاء یحکم علیهم بانهم احیاء فی قبورهم یفعلون فعل الاحیاء فی الدنیا و هو الصلوۃ ذات الرکوع والسجود والقیام والقعود و ذکر اللہ تعالیٰ و هی اعمال لو شک فی حیاۃ فاعلها لکان شاکا فی حیاۃ نفسه.

(غوث العباد بیان الرشاد ص۱۷۶)

اور تیری بصیرت زیادت ہو انبیائے کرام کی زندگی ان کی قبروں میں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔اس کو ابویعلی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ہی نہیں بلکہ یہ حدیث تمام انبیائے کرام کی حیاۃ فی قبورہم کے اثبات پر حکم کرتی ہے کہ تمام انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور تمام افعال بجالاتے ہیں جو کہ دنیا کی زندگی میں بجالاتے تھے اور وہ افعال ہیں نماز رکوع وسجود اور قیام وقعود اور قرأت کے ساتھ اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اگر کوئی

شک کرے تو وہ اپنی حیات میں ہی شک کرنے والا ہے۔

حضرت امام عبدالغنی المقدسی الحنبلی صاحب ''العمدہ'' فرماتے ہیں:

فان ثبت هذا فاعلم ان الانبیآء احیاء فی قبورهم.

(بحوالہ سبل الہدی والرشاد ۱۲/۳۶۰)

جب یہ ثابت ہوگیا تو یقین رکھ کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی فرماتے ہیں:

فقد تبین لک رحمک الله من الاحادیث السابقة النبی صلی الله تعالیٰ علیه حییٌ وسلم و سائر الانبیاء صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و قد قال الله سبحانه و تعالیٰ فی الشهداء (و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتاًبل احیآء عندربهم یرزقون) و الانبیاء اولی بذلک فهم اجل و اعظم و قل نبی الاوقد جمع مع النبوة و صف الشهادة فیدخلون فی عموم لفظ الآیة فثبت کونه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حی فی قبره بنص القرآن اما من عموم اللفظ واما من مفهوم الموافقة.

(سبل الہدی والرشاد ۱۲:۳۶۲)

اللہ تجھ پر رحم فرمائے جب تیرے لیے سابقہ احادیث سے ظاہر ہو چکا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہدا کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ گمان بھی نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور انبیائے کرام ان سے زیادہ حق دار ہیں اور اعظم واجل ہیں اور نبی کے ساتھ وصف شہادت بھی ملا ہوتا ہے تو وہ اس لفظ کی عمومیت میں داخل ہیں تو ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنص قرآن اپنی قبر میں زندہ ہیں یا تو عموم لفظ کی وجہ سے یا پھر مفہوم موافقت کی وجہ سے۔

حضرت امام علامہ زاہد کوثری مصری حنفی فرماتے ہیں:

والانبیآء احیاء فی قبورهم (محقق التقول فی مسئلة التوسل) .

(المقالات الکوثری ص ۳۸۷)

حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت امام المحققین سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی ارشاد فرماتے ہیں:

و اعلم ان حرمة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعد موته و توقیره و تعظیمه بعد وفاته لازم علی کل مسلم کما کان حال حیاته لانه الأن حی یرزق فی علو درجاته و رفعة حالاته. (المنتقد المعتقد مع تعلیقات المعتمد ص ۱۴۹)

اور جان تو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت انتقال کے بعد اور ان کی توقیر و تعظیم وفات کے بعد ہر مسلمان پر لازم وضروری ہے جیسا کہ ظاہری حیات میں تھا کیونکہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور اپنے درجات کی بلندیوں اور حالات کی رفعتوں میں رزق دیئے جاتے ہیں۔

امام ابوعبداللہ بن احمد القرطبی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں:

ان الموت لیس بعدم محض و انما هو انتقال من حال الی حال و یدل علی ذلک ان الشهداء بعدقتلهم و موتهم احیاء عند ربهم یرزقون فرحین مستبشرین و هذه صفة الاحیاء فی الدنیا واذا کان هذا فی الشهداء کان الانبیاء بذلک احق و اولی مع انه قد صح عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیآء .... وقد اخبرنا النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقتضی ان الله تبارک و تعالیٰ یرد علیه روحه حتی یرد السلام علی کل من یسلم علیه الی غیرذلک مما یحصل من جملة القطع بان موت الانبیاء انما هو راجع الی ان غیبوا عنابحیث لاندرکهم و ان کانوا موجودین احیاء و ذلک کا لحال فی الملائکة فانهم موجودین احیاء و لا یراهم احد.

(التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ص ۶۹ للقرطبی)

موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ یہ تو ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا ہے۔ اور اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ شہداء قتل ہونے اور فوت ہونے کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ

ہیں، روزی دیئے جاتے ہیں اور یہ صفت دنیا میں زندوں کی ہے اور جب یہ بات شہداء کے لئے
ثابت ہے تو پھر انبیائے کرام تو ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور وہ اولیٰ ہیں کہ وہ زندہ ہوں۔ اس
کے ساتھ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرات
انبیائے کرام کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے
جو کہ اس کی مقتضی ہے کہ اللہ جل مجدہ الکریم نے آپ کی روح کو آپ کی طرف لوٹا دیا ہے حتیٰ کہ
آپ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ تو اس سے یہ قطعی طور پر حاصل
ہوا کہ انبیائے کرام کی موت صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہیں ہم ادراک نہیں کر سکتے اگرچہ
وہ موجود ہیں اور زندہ ہیں اور وہ اس میں فرشتوں کے مثل ہیں کہ وہ بھی زندہ ہیں اور موجود ہیں
لیکن کوئی بھی ان کو دیکھتا نہیں ہے۔

سید عمر بن سعید فوتی کردی طوری نقل فرماتے ہیں:

و ذلک لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر الانبیاء احیاء ردت
الیھم ارواحھم بعدما قبضوا. (رماح حزب الرحیم علی نحور حزب الرجیم، ۱:۲۲۸)

اور یہ اس لئے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام زندہ ہیں اور
ان کی ارواح قبض کرنے کے بعد ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں۔

یہی حضرت عمر بن سعید صاحب نقل کرتے ہیں:

فحصل من مجموع ھذہ النقول و الاحادیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم حی بجسدہ. (۱:۲۳۹)

ان تمام نقول اور احادیث سے حاصل ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے
مبارک جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔

امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی فرماتے ہیں:

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم حی بعد وفاتہ و انہ یسر بطاعات امتہ و یحزن بمعاصی العصاۃ منھم و

انہ تبلغہ صلاۃ من یصلی علیہ من امتہ و قال ان الانبیآء لا یبلون و لا تاکل
الارض منھم شیئا. (فتاوی عبد القاہر و بحوالہ الحاوی للفتاوی ۲/۱۴۹، ۲/۲۶۳)

ہمارے اصحاب (شوافع) میں سے محققین متکلمین نے کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور امت کے نیک لوگوں کے صالح اعمال پر خوش ہوتے اور
گنہگاروں کے گناہوں پر غمگین ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی صلوۃ پڑھے وہ آپ کو پہنچائی جاتی ہے
اور کہا کہ بیشک انبیاء کے اجسام نہ تو بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی زمین ان کو کھاتی ہے۔

و اذا صح لنا ھذا الاصل قلنا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد
صار حیا بعد وفاتہ و ھو علی نبوتہ. (سبل الہدیٰ والرشاد للشامی ۱۲:۳۵۵)

جب ہمارے نزدیک یہ اصل صحیح ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی نبوت پر قائم ہیں۔

شیخ سیدی عفیف الدین یافعی فرماتے ہیں:

الاولیاء ترد علیھم احوال یشاھدون فیھا ملکوت السمٰوٰت و الارض
وینظرون الانبیآء احیاء غیر اموات کما نظر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
الیٰ موسی علیہ السلام فی قبرہ و قد تقرر ان ما جاز للانبیاء معجزۃ جاز
للاولیآء کرامۃ.

(الروض الریاحین ۴۲۴ مطبوعہ قبرص وسبل الہدیٰ والرشاد للشامی ۱۲/۳۵۶ والفظ لہ)

اولیائے کرام پر ان کے احوال پیش کئے جاتے ہیں اور وہ ملکوت آسمان و زمین میں جو
کچھ ہے اس کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور حضرات انبیاء کو زندہ دیکھتے ہیں وہ مردہ نہیں ہیں جیسا کہ نبی
اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا اور یہ طے شدہ بات
ہے کہ جو انبیاء کے لئے بطور معجزہ جائز ہے وہ اولیاء کے لئے بطور کرامت جائز ہے۔

حضرت علامہ جمال الدین محمود بن جملہ فرماتے ہیں:

نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احیاہ اللہ تعالیٰ بعد موتہ حیاۃ تامۃ و

استمرت تلک الحیاۃ الی الآن وھی مستمرۃ الی یوم القیامۃ و لیس ھذا خاصاً بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بل یشارکہ الانبیآء صلوات اللہ و سلامہ علیھم اجمعین. (سبل الہدیٰ والرشاد،۱۲/۳۶۰)

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندہ فرمادیا ہے اور آپ کی یہ حیات مکمل اور ہمیشہ اب تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گی اور یہ صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دیگر تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اس میں آپ کے شریک ہیں۔

امام بارزی نے فرمایا:

و سئل البارزی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل ھو حی بعد وفاتہ؟ فاجاب انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی . (الحاوی للفتاویٰ ۲:۱۴۹)

امام بارزی سے سوال ہوا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

حضرت شاہ احمد دہلوی ثم مدنی نقشبندی نقل فرماتے ہیں:

وقد اتفق العلماء علی انہ علیہ السلام حی فی قبرہ الشریف یعلم بزائرہ. (تحقیق الحق المبین فی اجوبۃ مسائل اربعین ص۴۰)

اور تحقیق علمائے کرام اس پر متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منور میں زندہ ہیں اور زائر کو جانتے ہیں۔

حضرت علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی تحریر فرماتے ہیں:

و لما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ و العبادات غیر انہ حجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات. (نور الایضاح ۱۸۹ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اور محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور آپ کو

رزق دیا جاتا ہے اور آپ عبادات سے لذت اٹھاتے ہیں ہاں یہ بات ہے کہ وہ ان آنکھوں سے پردے میں ہیں جو ان مقدس مقامات تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی فرماتے ہیں:

''انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے، کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ تحقیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر بدستور زندہ ہیں۔ (بہار شریعت ۱:۱۷)

حضرت حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:

''یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی حیات پر ہیں اور سب کا درود وسلام سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں''

(تفسیر نور العرفان حاشیہ کنز الایمان سورۂ احزاب)

حضرت سلطان العارفین باہو فرماتے ہیں:

''اور یاد رہے کہ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کو مردہ جانے اس کا ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے''۔ (عین الفقر ص۸۲، ناشر اللہ والے لاہور)

آپ مزید فرماتے ہیں:

''جو شخص حیات نبوی کو حیات نہیں مانتا بلکہ ممات کہتا ہے وہ شخص دین میں سست اور جھوٹا ہے کیونکہ جو حیات نبی کا قائل نہیں وہ بے دین اور بے یقین ہے۔ جو بے یقین ہے وہ منافق ہے اور شیطان لعین کا تابع ہے۔''

(مفتاح العارفین ص۲۹، از قبلہ سلطان باہو)

ولی کامل قطب وقت حضرت میاں محمد بخش عارف کھڑی شریف فرماتے ہیں:

دیئے جواب سلام ہمیشہ دائم زندہ ہویا
اے منکر کیوں سمجھیں ناہیں ہے دل تیرا مویا

امت نوں اعلام پچائے ایسی حدیث نی دی
ہوئی ثبوت حیاتی وائم لیند ے خبر سبھی دی
جدوں سلام ہمیشہ جھلد اواجب جانن زندہ
صحت کامل لازم ہوئی زندہ ہے پائندہ
(ہدایت المسلمین للمیاں محمد بخش ص ۶۵)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اوہ محبوب قبول میرے درجو چاہے ہیں دیندار
امت کارن وچہ قبر دے استغفار کریندا
اوہ زندہ پائندہ بیٹھا اپنی وچ قبر دے
بخشش بہت اونان جھیڑے جا زیارت کردے
(ہدایت المسلمین ص ۴۲)

حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زندہ در قبر است بہر امت او مستغفرت۔ (نجوم الشہابیہ رجوم للوہابیہ ص ۴۵)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں اور امت کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر مکی حنبلی م ۹۸۲ھ فرماتے ہیں:

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی کسائر الانبیاء فی قبرہ یراہ ویجب الاحترام مالہ قبل الموت و منہ عدم رفع الصوت بحضرتہ....... فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسمعہ وان سر و یراہ و ان بعد.

(حسن التوسل آداب زیارۃ افضل الرسل ص ۱۰۱،۱۰۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں اور دیکھ رہے ہیں اور آپ کا اسی طرح احترام واجب ہے جو کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھا۔ اور اسی ادب میں سے ہے کہ آپ کی بارگاہ میں آواز پست رکھے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی

بات سن رہے ہیں اگرچہ وہ آہستہ ہی کیوں نہ بولے اور اس کو دیکھ رہے ہیں اگرچہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو۔

اس عبارت میں ''فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسمعہ وان سر ویراہ و ان بعد''۔ کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں اگرچہ کوئی شخص کتنا ہی آہستہ کیوں نہ بولے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھتے ہیں، امتیوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں یعنی نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دور ونزدیک کا کوئی فرق نہیں۔ فافہم

حضرت امام تقی الدین سبکی تحریر فرماتے ہیں:

فھذہ نبذۃ من الاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علی حیاۃ الانبیآء و الکتاب العزیز یدل علیہ ذلک ایضاً ...... قال تعالیٰ ولا تحسبن الذین .....الآیۃ و اذا ثبت ذلک فی الشھداء ثبت فی حق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

(شفاء السقام ۱۸۷)

پس یہ صحیح احادیث کا مجموعہ حیاۃ الانبیاء پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ...اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ گمان بھی نہ کرو۔ جب یہ شہید کے لئے ثابت ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کئی وجوہ سے یہ ثابت ہے۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدنا وامامنا شاہ احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

فانھم صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیھم طیبون طاھرون احیاء و امواتا بل لاموت لھم الا انیا تصدیقا للوعد ثم ھم احیاء ابداً بحیاۃ دنیاویۃ روحانیۃ جسمانیۃ کما ھو معتقد اھل السنۃ و الجماعۃو لذا لا یورثون و یمتنع تزوج نسائھم صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیھم بخلاف الشھداء الذین نص الکتاب العزیز انھم احیاء و نھی ان یقال لھم اموات.

(العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ۳/۴۰۳، ۴۰۷ طبع جدید)

حضرت انبیائے کرام علیہم صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم ۔حیات وممات ہر حالت میں طاہر وطیب ہیں بلکہ ان کے لئے موت محض تصدیق اور وعدہ الٰہیہ کے بموجب ایک آن کے لئے آتی ہے پھر وہ ہمیشہ کے لئے حیات حقیقی دنیاوی روحانی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے اسی لئے ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔اور ان کی عورتوں سے کسی کا نکاح کرنا منع ہے بخلاف شہداء کے جن کے بارے میں قرآن مجید نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے (مگر ان کی میراث تقسیم ہوگی اور ان کی عورتوں سے نکاح ثانی کرنا جائز ہے)

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی دنیاوی وروحانی و جسمانی سے زندہ ہیں اپنے مزارات طیبہ میں نمازیں پڑھتے ہیں،روزی دیئے جاتے ہیں،جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں،زمین وآسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔

(فتاوی رضویہ ۶:۱۵۶ طبع قدیم)

حضرت امام نجم الدین غیطی (استاذ شاہ ولی اللہ) فرماتے ہیں:

بانهم كالشهداء بل افضل منهم احياء فی قبورهم فيصلون و يحجون كما ورد فی الحديث الآخر. (المعراج الكبير ص ٦٧)

بے شک وہ (انبیائے کرام) شہدا کی طرح ہیں بلکہ ان سے بہت افضل ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہے۔

ابن تیمیہ نے لکھا:

والانبياء احياء فی قبورهم و قد يصلون.

(مختصر الفتاوی المصریہ لابن تیمیہ ص ۱۷۰)

اور انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

شیخ حسن العدوی المصری مالکی م ۱۳۰۳ھ فرماتے ہیں:

و لا شک ان حياة الانبياء عليهم الصلوة و السلام ثابتة معلومة مشتهرة و نبينا افضلهم و قال : و اذا كان كذلك فينبغی ان تكون حياته صلى الله تعالیٰ عليه وسلم اكمل و اتم. (مشارق الانوار بحوالہ شواہد الحق ص ۱۰)

اور بلا شک حیات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام ثابت ومعلوم اور مشہور ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب انبیاء سے افضل ہیں جب ایسا ہے تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات بھی اکمل واتم ہے۔

حضرت علامہ امام محمد شوبری مصری الشافعی فرماتے ہیں:

اما الانبياء عليهم الصلاة و السلام فلا نهم احياء فی قبورهم يصلون و يحجون كما وردت به الاخبار و تكون الاغاثة منهم معجزة لهم.

(شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق ص ۱۱۸)

اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا احادیث میں وارد ہے اور ان کا مدد فرمانا ان کا معجزہ ہے۔

حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

قد حرم الله جسده على الارض و حياته فی قبره كسائر الانبياء عليهم السلام . (نسیم الریاض ۱:۳۱۲)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسد اقدس کو زمین پر حرام کر دیا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر مبارکہ میں دیگر انبیائے کرام کی طرح حیات حاصل ہے۔

مزید فرماتے ہیں: وفيه دليل على انه صلى الله تعالیٰ عليه وسلم حی حياة مستمرة و قد ثبت بالاحاديث الصحيحة انه صلى الله تعالیٰ عليه وسلم و سائر الانبياء احياء حياة حقيقية. (نسیم الریاض ۳:۴۹۹)

اور اس میں دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور آپ کی حیات ہمیشگی والی ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام حقیقی

حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں:لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ یسمع دعا زائرہ و من جاء عظیما لرجاء شفاعتہ لہ لا شک فی انہ یتوجہ الیہ بقلبہ و قالبہ. (نسیم الریاض۳:۳۹۸)

کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور زائر کی دعا سنتے ہیں اور جو آپ کی شفاعت کی امید لے کر آیا تو بلا شبہ آپ اس کی طرف دل وجسم وجان کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔

علامہ صاوی المالکی فرماتے ہیں:

مثل الشھداء الانبیاء بل حیاۃ الانبیاء اجل و اعلیٰ.

(تفسیر الصاوی علی الجلالین ۱:۱۶۸)

شہداء کی مثل انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں بلکہ انبیاء کی حیات زیادہ عزت وجلال والی اور بلندتر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ان الانبیاء لا یموتون وانھم یصلون ویحجون فی قبورھم .

(فیوض الحرمین ص۸۰ مترجم ص۳۱)

حضرت شیخ شہاب الدین رملی فرماتے ہیں:

اما الانبیاء فانھم احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما وردت بہ الاخبار. (بحوالہ شواہد الحق ص۱۴۱)

اور بہرحال انبیائے کرام تو وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔

حضرت علامہ احمد علی سہارنپوری فرماتے ہیں:

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یتعقبھا بل یستمر حیاتہ و الانبیاء احیاء فی قبورھم . (حاشیہ بخاری ۱:۵۱۷)

اور بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات کو موت نہیں پاسکتی بلکہ آپ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں اور دیگر انبیائے کرام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت علامہ اقبال شاعر مشرق فرماتے ہیں:

''میرا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہوسکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام ہوا کرتے تھے۔لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں پر ناگوار ہوگا۔اس واسطے خاموش رہتا ہوں''۔ (بحوالہ فتراک رسول ص۷)

حضرت امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری م۴۶۵ھ فرماتے ہیں:

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال الامۃ و یبلغ الصلوۃ و السلام علیہ علی مابینا.

(شکایۃ اہل السنۃ فی (مسائل القشیریہ ص۲۷)

ہمارے (اہل سنت) کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو حس اور علم حاصل ہے اور آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہم بیان کرچکے کہ آپ کو امت کا درود وسلام پہنچایا جاتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فالحی لا بد ان یکون عالما او جاھلا و لایجوز ان یکون النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاھلا. (ایضاً)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ یا تو عالم ہوگا یا جاہل اور یہ جائز نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاہل ہوں۔

اس عبارت میں حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ ظاہر ہوا اور الحمد للہ یہ عقیدہ تمام اہل سنت کا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور امت کے حالات وواقعات سے واقف اور عالم ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل کہے (جیسا کہ آج کل کے نجدی وغیرہ کہتے ہیں) وہ خود جاہل وگمراہ اور بدعتی ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

و عندهم محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حي في قبره. (ایضا)

اور اشاعرہ کے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اقدس میں زندہ ہیں۔

حضرت ملاّ علی قاری فرماتے ہیں:

اى لانه حي يرزق في علو درجاته و رفعة حالته.

(شرح شفا ۳:۳۹۶ حاشیہ نسیم الریاض طبع بیروت ۲۰۷)

یعنی کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ بلند درجوں میں اور عظیم بلند حالت میں۔

علامہ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

قال ابو عبد الله وقال شيخنا احمد بن عمرو : الذي يزيح هذا الاشكال ان شاء الله تعالىٰ : ان الموت ليس بعدم محض و انما هو انتقال من حال الى حال و يدل على ذلك ان الشهداء بعد قتلهم و موتهم احياء عند ربهم يرزقون فرحين مستبشرين وهذه صفة الاحياء في الدنيا واذا كان هذا في الشهدآء كان الانبيآء اولىٰ به ..وقد اخبر به بانه ما من مسلم يسلم على الارد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام . الى غير ذلك مما يحصل من جملته القطع ان موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم و ان كانوا موجودين احياء و ذلك كالحال في الملائكة فانهم احياء موجودين و لا نراهم. (کتاب الروح ص ۵۷، ۵۸)

ابوعبداللہ نے کہا کہ ہمارے شیخ احمد بن عمرو نے کہا جس سے یہ اشکال رفع ہو جاتا ہے موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا نام ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شہدا قتل ہوتے اور انتقال کے بعد رب کے ہاں زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں اور خوش ہیں اور بشارتیں دیتے ہیں اور دنیا میں زندوں کی یہی صفات ہیں۔ لہذا جب شہدا کا یہ حال ہے تو پھر انبیاء بدرجہ اولیٰ اس کے حق دار ہیں اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ زمین انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی اور آپ نے خبر دی کہ جو کوئی بھی آپ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو آپ کی طرف لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ آپ اس کے سلام کا جوب مرحمت فرماتے ہیں۔ یہ اور اس جیسی دیگر احادیث سے یہ قطعی طور پر علم حاصل ہوا کہ انبیائے کرام کی وفات کا معنی صرف یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں کہ ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے اگر چہ وہ زندہ موجود ہیں ان کا حال فرشتوں کا سا ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں اور موجود ہیں مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

علامہ ابن القیم وہابیہ کے نزدیک بہت معتبر اور مسلّم عالم ہیں۔ دیکھیں وہ کس طرح حیاۃ الانبیاء کے اثبات کے ساتھ ساتھ ان کے حاضر وموجود ہونے کی تصریح بھی فرما رہے ہیں۔ فافهم وتدبر

حضرت شیخ تاج الدین فاکہانی مالکی فرماتے ہیں:

يوخذ من هذا الحديث ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حي على الدوام. (الحاوی للفتاوی ۲:۱۵۱)

اس حدیث شریف سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔

قاضی ابوبکر بن عربی مالکی:

و لا یمتنع رؤیہ ذاته الشریفة بجسده و روحة وذلک لانه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وسائر الانبیآء احیاء ردت علیهم ارواحهم بعد ما قبضوا.

(الحاوی للفتاوی ۲:۳۶۳)

اور آپ کی ذات شریفہ کی زیارت روح اور جسد اقدس سمیت ممتنع نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں اوران کی ارواح قبض کرنے کے بعد واپس ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں۔

حضرت الشیخ علامہ یوسف الدجوی مصری فرماتے ہیں:

ان الانبیاء وکثیرا من صالحیی المسلمین الذین لیسوا بشهداء کاکابر الصحابة افضل من الشهداء بلا شک، فاذا ثبتت الحیاة للشهداء فثبوتها لمن هو افضل منهم اولیٰ علی ان حیاة الانبیاء مصرح بها فی الاحادیث الصحیحة.

(مقالات العلامۃ الدجوی فی الرد علی التیمیین بحوالہ التوسل بالنبی و بالصالحین ۲۷۷ للعلامۃ ابی حامد بن مرزوق مصری مطبوعۃ ترکی ۱۹۸۴ء)

بے شک انبیائے کرام اور بہت سارے صالحین مسلمان جو کہ شہیدوں میں سے نہیں جیسے کہ اکابر صحابہ کرام ہیں جب شہداء کے لئے حیات ثابت ہے تو جو ان سے افضل ہیں ان کے لئے تو بدرجہ اولیٰ حیات ثابت ہونی چاہئے اور پھر حیات انبیاء میں تو صراحت کے ساتھ صحیح احادیث مروی ہیں۔

حضرت علامہ ابی حامد بن مرزوق فرماتے ہیں:

واما حیاة الانبیآء فاعلی واکمل واتم من الجمیع لانها للروح والجسم علی الدوام علی ما کان فی الدنیا علی ما تقدم عن جماعة من العلمآء.

(التوسل بالنبی وبالصالحین ص ۲۱۳)

اور حیاۃ الانبیاء تو وہ سب (شہداء اولیا و مسلمین) سے اعلیٰ اور اکمل ہے کیونکہ ان کی روح و جسد ہمیشہ اسی طرح ہے جیسے کہ دنیا میں تھا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کا موقف پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت علامہ جمیل آفندی زحاوی فرماتے ہیں:

علی انهم احیاء فی قبورهم.

(الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق ص ۶۱ ترکی ۱۹۷۷ء)

کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت محمد احمد الشوبری الشافعی فرماتے ہیں:

و کرامات الاولیاء لا تنقطع بموتهم اما الانبیاء فلانهم احیاء فی قبورهم یصلون و یحجون کما وردت به الاخبار وتکون الاغاثة منهم معجزة لهم والشهداء احیاء عند ربهم ایضاً .

(فتویٰ کرامات اولیاء صفحہ الشیخ الشوبری ملحق الدرر السنیۃ مطبوعۃ ترکی ۱۹۸۱ء نقل عنہ الشیخ النبھانی فی الشواہد ص ۱۱۸)

اور اولیاء کی کرامات ان کی موت کے ساتھ منقطع نہیں ہوتی اور بہر حال انبیائے کرام تو وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا کہ احادیث اس سلسلہ میں وارد ہیں اوران کے سامنے استغاثہ پیش کرنا ان کا معجزہ ہے اور شہدا بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

شیخ احمد بن شہاب الدین محمد اسجاعی شافعی م ۱۱۹۷ فرماتے ہیں:

و هم علیهم الصلاة والسلام احیاء فی قبورهم بلا خلاف.

(رسالۃ فی اثبات کرامات الاولیاء ص ۷ للشیخ السجاعی مطبوعہ ترکی ۱۹۱ء ملحق الدرر السنیۃ)

اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اوراس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔

سید محسن الامین مصری لکھتے ہیں:

بانا متفقون علی انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حیی فی قبره یعلم زائره. (کشف الارتیاب فی اتباع محمد بن عبدالوہاب ص ۲۶۱)

ہم اس پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منور میں زندہ ہیں اور زائرین کو جانتے ہیں۔

سید محسن الامین مزید فرماتے ہیں:

و دلت الآیات و الاخبار علی حیاتهم بعد الموت. (ایضاً ص ۲۳۸)

آیات واحادیث انبیائے کرام کے وصال کے بعد ان کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم فرماتے ہیں:

الانبیاء والاولیاء یصلون فی قبورهم کما یصلون فی بیوتهم.

(سرالاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار ص ۱۰۴)

انبیاء واولیاء اپنی قبروں میں اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ اپنے گھروں میں۔

الشیخ عبدالکریم محمد مدرس بغدادی فرماتے ہیں:

فقد ثبت ان الانبیاء احیاء فی قبورهم و ان الارض لا تاکل اجسادهم.

(نورالاسلام من ارادالفوز بالمرام ص ۲۲۶ مطبوعہ ترکی)

تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور زمین ان کے اجسام طاہرہ کو نہیں کھا سکتی۔

مولانا ابومیمونہ کرالوی فرماتے ہیں:

و بحیاة الانبیاء اجزم فی القبر لهم تصرف الی یوم الحشر فی خبر المعراج والاسراء لقاء النبی بموسی وبالانبیآء.

(التحزیر الابداع عن تحبیر الابتداع ص ۷ الملحق سبیل النجاۃ ترکی ۱۹۸۹ء)

اور حیاۃ الانبیاء فی القبر یہ ضرور ثابت ہے اور ان کو قیامت تک تصرف حاصل ہے اور

معراج واسراء کی حدیث میں حضرت موسیٰ اور انبیائے کرام کی ملاقات کا ذکر اسی پر دلالت کرتا ہے۔

مولانا سعیدالرحمٰن تیراہی فرماتے ہیں:

یجوز التوسل بالنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کذلک یجوز بقبر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم والا فلیس النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بمیت فی الحقیقة بل هو حیی یرزق.

(الحبل المتین فی اتباع السلف الصالحین ص ۱۶ طبع استنبول، ۱۹۸۷ء)

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسّل جائز ہے اسی طرح آپ کی قبر منور سے بھی جائز ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقت میں مردہ نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔

حضرت علامہ فضل اللہ شہاب الدین ابوعبداللہ تورپشتی م ۶۶۱ ھ فرماتے ہیں:

واز اں جملہ آنست کہ بداند کہ زمین جسد ویرا نخورد و بوسیدہ نہ شد و چوں زمین از وے شگافتہ شود جسد وے بحال خود باشد و حشر وی و دیگر انبیاء چنیں باشد حدیث درست است کہ (ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء والأنبیاء احیآء فی قبورهم یصلون) اول ہمہ صلی اللہ برخیز داز قبر مبارک پیغمبر ما نچہ یاد کردہ شد دانستن آں مہم تا تعظیم وتوقیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ حق تعالیٰ بر ما فرض کردہ است۔

(المعتمد فی المعتقد ص ۱۱۸ طبع استنبول ۱۹۹۱ء)

اور ان دیگر خصوصیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی جاننا چاہیے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی اور نہ ہی وہ بوسیدہ ہوگا۔ اور جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسد اقدس اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر انبیائے کرام کا حشر ہوگا اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور تمام کائنات سے پہلے قبر سے ہمارے آقا صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم اٹھیں گے۔اس کو یاد کرلو اور جان لو کہ یہ بہت اہم چیز ہے اور کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اللہ جلّ مجدہ نے ہم پرفرض فرمادی ہے۔

حضرت علامہ آلوسی بغدادی ارشادفرماتے ہیں:

والاخبار المذکورة بعد فیما سبق المراد منها کلها اثبات الحیاة فی القبر بضرب من التاویل و المراد بتلک الحیاة نوع من الحیاة غیر معقول لنا وھی فوق حیاة الشهداء بکثیر وحیاة نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اکمل و اتم من حیاة سائرهم علیهم السلام. (روح المعانی پارہ نمبر۲۲،۱۲:۳۸)

اور یہ تمام احادیث مذکورہ اور جو کچھ گذرا اس تمام سے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاۃ فی القبر کا اثبات ہوتا ہے اوراس سے حیات کی ایک ایسی قسم مراد جو کہ ہماری سمجھ سے بالا تر ہے اور یہ شہدا کی حیات سے بلند و بالا ہے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی اکمل واتم ہے۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

و قال الداؤدی ای لایموت فی قبره موته اخر کما قیل فی الکافر و المنافق به ان ترد الیه روحه ثم قبض.

(عمدۃ القاری شرح البخاری ۲:۱۸ ۷کتاب المغازی)

اورامام داؤدی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی الہ علیہ وسلم کے لئے قبر میں دوسری موت نہیں ہے جیسا کہ کافراورمنافق کے حق میں کہا گیا ہے کہ ان کوروح لوٹا کر پھرقبض کرلی جاتی ہے۔

آپ مزیدفرماتے ہیں:

و اراد الموتتین فی الدنیا و الموت فی القبر و ھی الموتتان المعروفتان المشهور تان فلذلک ذکرهما بالتعریف هما الموتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء علیهم الصلاة والسلام فانهم لا یموتون فی قبورهم بل هم احیاء. (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۱۶:۸۵ باب فضائل صدیق اکبر)

اور دوموتوں سے مراد ہے کہ ایک اس دنیا میں موت اور دوسری قبر میں اور یہ دونوں موتیں معروف ومشہور ہیں اور یہ دونوں موتیں سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے سب کے لئے ثابت ہیں اورانبیائے کرام کے لئے وہ موت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت امام تاج الدین سبکی الشافعی فرماتے ہیں:

و من عقائدنا ان الانبیآء علیهم السلام احیاء فی قبورهم فاین الموت (و عند هم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حیی فی قبره.

(طبقات الشافعیہ۲:۲۶۶)

یہ ہم اہل سنت کے عقائد میں سے ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں تو پھران کے لئے موت کہاں ہے؟اور(اہل سنت) کےنزدیک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

علامہ تاج الدین مزیدفرماتے ہیں:

لان عندنا محمدصلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حیی یحس ویعلم و تعرض علیه اعمال الامة و یبلغ الصلوة و السلام ما بینا. (طبقات الشافعیہ۲:۲۸۲)

کیونکہ ہمارے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں حس رکھتے ہیں اور (امت کے حالات) جانتے ہیں اور صلاۃ وسلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے اورآپ پرامت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اشاعرہ کا مسلک: وعندهم محمدصلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حی فی قبره.

اوران(اشاعرہ) کےنزدیک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

حضرت علامہ تاج الدین السبکی مزیدفرماتے ہیں: ودل علیٰ ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حی فی قبره. (ایضاً۲:۲۸۰)

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

یدل علی ان الانسان یحیا بعد الموت و کذلک قولہ علیہ الصلوۃ والسلام : انبیآء اللہ لا یموتون و لکن ینقلون من دار الی دار.

(التفسیر الکبیر ۲۱:۴۱)

یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ انسان موت کے بعد زندہ ہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد: انبیاء اللہ مرتے نہیں لیکن ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں ۔

حضرت مولانا علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

فان الرسالۃ لا تنقطع بالموت بل و کذا الولایۃ و جمیع المکارم الدینیۃ کیف والانبیاء فی قبورھم.

(عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ ۲:۳۰۷ کتاب الجہاد)

بے شک رسالت موت کے ساتھ منقطع نہیں ہوتی اور بلکہ اسی طرح ولایت اور تمام مکارم دینیہ منقطع نہیں ہوتیں تو نبوت کیسے منقطع ہوسکتی ہے۔ جبکہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت الشیخ حاجی عبدالوہاب بخاری م۹۳۲ء فرماتے ہیں:

دو نعمت در عالم بالفعل موجود است کہ فوق جمیع نعمت ہاست ولیکن مردم قدر آں نعمت رانمی شناسد و بدان پے نمی برند واز تحصیل آنہا غافلند یکی آنکہ وجود مبارک محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصفت حیاۃ در مدینہ موجود است و مردم ایں سعادت را درنمی یابند و دیگر قرآن مجید کہ کلام پروردگار است۔

(اخبار الاخیار للشیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۱۵)

دو نعمتیں اس دنیا میں بالفعل موجود ہیں جو کہ تمام نعمتوں سے بلند اور افضل ہیں اور لوگ ان کی قدر و منزلت نہیں جانتے اور ان سے فیض حاصل کرنے سے غافل ہیں۔ ان نعمتوں میں

اور یہ دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

حضرت علامہ امام عبدالرؤف مناوی مصری فرماتے ہیں:

(الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون لانھم کالشھداء بل افضل والشھداء احیاء عند ربھم و فائدۃ لیست بظاھرۃ عند نا و ھما کالملئکۃ و کذا الانبیاء ولھذا کانت الانبیآء لا تورث.

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۳:۱۸۴ بیروت ۱۹۷۲ء)

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں کیونکہ وہ شہداء کی طرح بلکہ ان سے بہت افضل ہیں۔

یہاں عند ربہم کی تقیید کا یہ فائدہ ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان شہداء کی زندگی ہمارے پاس ظاہر نہیں ہے اور وہ شہداء ملائکہ کی طرح ہیں جیسا کہ حضرات انبیائے کرام (کیونکہ فرشتے بھی زندہ ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے اسی طرح انبیاء ہیں۔ اسی لئے انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔)

علامہ مناوی مزید فرماتے ہیں: **والانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون .**

(فیض القدیر ۳:۴۰۰)

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاۃ قبر میں ایسی ہے کہ جس پر موت واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ آپ ہمیشہ زندہ ہیں۔ کیونکہ حضرات انبیائے کرام اپنے مزارات مقدسہ میں زندہ ہیں۔

حضرت علامہ امام علی برہان الدین حلبی شافعی فرماتے ہیں:

و فیہ ان یقتضی ان الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام یفزعون لانھم احیاء .

(السیرۃ الحلبیۃ ۳:۳۰۴)

اور اس میں اس طرف اشارہ ہے جو کہ مقتضی ہے اس طرف کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بیدار رہوں گے کیونکہ وہ (اپنی قبور میں) زندہ ہیں۔

سے ایک محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود مبارک جو کہ حیاۃ تامہ کی صفت کے ساتھ مدینہ منورہ میں موجود ہے اور لوگ اس نعمت عظمیٰ کو حاصل نہیں کرتے اور دوسری نعمت قرآن کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے۔

حضرت علامہ سیدی محمد بن قاسم جسّوس تحریر فرماتے ہیں:

لانہ حی فی قبرہ و کذا سائر الانبیاء.

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: ان الانبیاء احیاء ان حیاتھم زائدة علی حیاةالشھداء و انھا قد تعطی بعض احکام الدنیا . قال ابن حجر و قد صح ان الانبیاء یحجون ویلبون فانھا لھم لیست تکلیفیة بل یتلذذون بھا.

(الفوائد الجلیلۃ البہیمۃ ۱/۲۳۶، دار الفکر باب فی میراث رسول صلی اللہ علیہ سلم)

بے شک انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں بے شک ان کی حیات شہداء سے افضل ہے اور اس پر بعض دنیاوی احکام مرتب ہوتے ہیں اور امام ابن حجر نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ انبیائے کرام حج کرتے ہیں اور تلبیہ پڑھتے ہیں اور یہ ان کے لئے عبادت تکلیفیہ نہیں ہے بلکہ وہ اس سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی القبور. (سیر الاولیاء از میر خورد)

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ و علی آلہ الصلوۃ

والسلام شبِ معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام گذشتند و دیدند کہ در قبر نماز می گذارد۔

(مکتوبات شریف دفتر دوم حصہ ششم مکتوب ۱۶ ص ۴۳)

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ قبور میں نماز پڑھتے ہیں یہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج کی شب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر گذرے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت امام شمس الدین محمد یوسف کرمانی شافعی (م ۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

و یتحصل ان یراد ان حیاتک فی القبر لا یعقبھا موت فلا تذوق مشقة الموت مرتین.

(کوکب الدراری المعروف الکرمانی شرح صحیح بخاری ۱۴:۳۱ باب بدء الخلق ص ۳۳، ۳۴)

اور یہ احتمال ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارادہ کیا ہو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر میں حیات ایسی ہے کہ موت جس کا تعاقب نہیں کرے گی۔ (موت نہیں آئے گی) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو مرتبہ موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے۔

حضرت علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح بخاری (م ۹۲۴) فرماتے ہیں:

و لاشک ان حیاة الانبیاء علیھم الصلوة و السلام ثابتة معلومة مستمرة و نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضلھم و اذا کان کذلک فینبغی ان تکون حیاته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکمل و اتم من حیاة سائرھم.

(المواہب اللدنیہ ۴/۵۸۷، ۴/۵۸۸)

بلاشک حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات (قبر میں) ثابت معلوم اور ہمیشہ رہنے والی حیاۃ ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں تو جب آپ افضل ہیں تو چاہئے کہ آپ کی حیات فی القبر بھی سب سے زیادہ اکمل اور مکمل حیات ہو۔

حضرت مولانا ابوالحسن حسن کاکوروی فرماتے ہیں:

”حیات مستمرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدلائل قویہّ ثابت ہے، کوئی مسلمان اس سے انکار نہ کرے.......اسی طرح اور حدیثیں بہت ہیں کہ ان سے حیاتِ مستمرہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بھی انبیاء علیہم السلام خصوصاً اور عموماً بعد چشیدن موت یکبارہ ثابت ہوئی ہے ....اور جو موت قرآن شریف میں مذکور ہے کہ **انک میت و انهم میتون.** اور جس موت پر اجماع منعقد ہوئی سو وہ موت مراد ہے کہ جو جملہ انبیاء، شہداء اور مسلم و کافر کو ہوتی ہے، پھر انبیاء اور شہداء بعد اس موت کے بہ حیات مستمرہ زندہ کئے جاتے ہیں.........واضح ہو کہ حیاتِ انبیاء بھی بقدر شان اور مرتبہ ہے اور حیات شہدا سے افضل ہے۔

(تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء ۱:۳۳۱،۳۳۲ نفیس اکیڈمی)

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں:

تعلق ارواحهم باجسادهم تصير باجسادهم حية كحياتها فى الدنيا و تقصيرهم القدرة و الافعال الاختيارية.

(کذا فی انسان العیون تفسیر روح البیان ۴:۷۸ (مترجم ۱۱:۳۷۳)

ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام سے اس طرح ہوتا ہے کہ ان کے اجسام بھی اسی طرح زندہ ہو جاتے ہیں جس طرح کہ دنیا میں تھے اور ان کو افعال و اختیار کی قدرت عنایت فرمائی جاتی ہے جیسا کہ انسان العیون میں ہے۔

حضرت علامہ حافظ ابو الفرج زین الدین عبدالرحمٰن احمد بن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

و لان حياة الانبياء اكمل من حياة الشهداء بلا ريب فشملهم حكم الاحياء. (احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور ص ۱۳۵)

کیونکہ حیات الانبیا شہدا سے اکمل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں پس وہ زندہ کے حکم میں شامل ہیں۔

حضرت امام شیخ الاسلام تقی الدین ابو عمرو عثمان بن صلاح شہرزوری شافعی

المعروف بہ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

والانبياء احياء بعد انقلابهم الى الآخرة من الدنيا فليحذر المرء من ان يطلق لسانه فى نفى ذلك عنه الآن صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فانه من عظم الخطاء و قد كانت الكرامية شخت بخراسان على الاشعرى بمثل هذا فبين ابو محمد الجوينى والقشيرى وغيرهما برائته من ذلك.

(فتاوی ومسائل ابن الصلاح ۱:۱۳۲،۱۳۳ جامعہا کمال الدین اسحٰق بن احمد بن عثمان المغربی)

اور انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام دنیا سے آخرت کی طرف تشریف لے جانے کے بعد زندہ ہیں، پس آدمی کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ اپنی زبان سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اب رسالت اور حیات کی نفی کرے کیونکہ یہ بہت بڑی اور عظیم خطا ہے اور کرامیہ فرقہ نے خراسان میں اس شنیع عقیدہ کی نسبت امام ابوالحسن الاشعری کی طرف کی تھی تو امام ابو محمد الجوینی اور امام قشیری نے اس برے عقیدے سے امام الاشعری کی برأت ظاہر و ثابت فرمائی۔

شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی مالکی مدنی فرماتے ہیں:

فهو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيى فى قبره الشريف يتصرف فى الكون باذن الله تعالىٰ كيف شاء. (المہند علی المفند ص ۱۱۰)

پس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں باذن خداوندی کون (کائنات) میں جو چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باحیات ہیں اور رحمت کا سلسلہ ہرگز منقطع نہیں ہوا۔ آپ کی حیات مبارکہ کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم کی اس آیت کو ملاحظہ کریں جس میں شہداء کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ شہید کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل ہی شہادت ملی ہے اس لئے جس کے طفیل زندگی ملے وہ زندگی سے کیسے محروم رہ

سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ شہید کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور اس کی ازواج سے دوسرے شادی کر سکتے ہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ تقسیم نہیں ہوا اور آپ کی ازواج کو دوسروں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے کہ وہ مومنین کی مائیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ شہداء سے کہیں عالی و بلند ہے۔''

(مظہر العقائد ص ۴۹، ص ۵۷ رضا اکیڈمی لاہور)

حضرت امام علامہ ابی بکر بن الحسین بن عمر ابی الفخر المراغی (م ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں:

وبهذا يعلم ان الحياة التي نثبتها للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم زائدة على حياة الشهيد.

(تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ ص ۱۲۰)

اور اس سے علم ہوا کہ جو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حیات ثابت کرتے ہیں وہ شہید کی حیات ثابت کرتے ہیں وہ شہید کی حیات سے زائد یعنی کامل تر ہے۔

امام الحرمین حضرت امام جوینی نقل فرماتے ہیں:

اما ماخلفه بقي على ما كان في حياته فكان ينفق ابو بكر منه على اهله و خدمه كان يرى انه باق على ملك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فان الانبياء احياء و هذا يقتضي اثبات الحياة في احكام النبي وذلك زائد على حياة الشهيد. (ایضاً ۱۳۰)

اور جو کچھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کے پاس تھا اس میں جو کچھ باقی بچا حضرت صدیق اکبر نے اس کو ان اہل بیت اور خادموں میں خرچ کیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ میراث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملک میں باقی تھی کیونکہ انبیا کرام زندہ ہیں اور یہ بات ان کی حیات کا تقاضا کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام میں اور یہ

حیات شہید کی حیات سے زائد و اعلیٰ ہے۔

حضرت امام العزین عبد السلام فرماتے ہیں:

ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيي و اعماله فيه مضاعفة اكثر من كل احد. (فتاوی علامہ سبکی ۱/۳۰۹)

بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور قبر میں ہر ایک سے ان کے اعمال خیر بھی زیادہ ہیں۔

نوع حیات میں اختلاف:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے حیاۃ فی القبور ہونے میں امّت محمدیہ بالخصوص حضرات علماء اہلسنت میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس میں پوری امّت کا اجماع ہے لیکن یہ کہ حیات فی القبور کی نوعیت کیسی ہے اس بارے میں علمائے اہل سنت و جماعت کے فقہا و متکلمین اور دیگر حضرات کی اکثریت کے نزدیک تو یہ حیات حقیقی حسی دنیاوی جیسی بلکہ کئی جہات سے اس سے بھی بلند و اعلیٰ و افضل حیاتِ مبارکہ ہے۔

چنانچہ سرخیل اہل سنت علمائے اسلاف کے عقائد کے امین برحق مجدد وقت حضرت امام الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فانهم صلوات الله تعالىٰ وسلامه عليهم طيبون طاهرون احياء و امواتا بل لا موت لهم الا انيا تصديقا للوعدثم هم احياء ابدا بحياة حقيقة دنياوية روحانية جسمانية كما معتقد اهل السنة و الجماعة ولذا لا يورثون و يمتنع تزوج نساء هم صلوات الله تعالىٰ و سلامه عليهم بخلاف الشهداء الذين نص الكتاب العزيز انهم احياء ونهى ان يقال لهم اموات.

(فتاوی رضویہ ۱: ۶۵۳ طبع قدیم فیصل آباد، جلد ۳ ص ۴۰۳ طبع جدید رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حضرات انبیائے کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم حیات و ممات ہر حالت میں طیب و طاہر ہیں بلکہ ان کے لئے موت کا آنا محض تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ہے پھر وہ ہمیشہ حیات

حقیقی دنیاوی روحانی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے اسی لئے کوئی ان کی وراثت کا حقدار نہیں ہوتا اوران کی عورتوں سے کسی کا نکاح کرنا منع ہے۔صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم بخلاف شہداء کے کہ جن کے بارے میں قرآن مجید نے صراحت فرمائی کہ وہ زندہ ہیں اوران کومردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت و جماعت کا انبیائے کرام کی حیاۃ فی القبور کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ ان کی حیات مبارکہ حقیقی دنیاوی روحانی جسمانی ہے۔

حضرت امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حیاۃ الانبیآء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد له صلاۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلاۃ تستدعی جسدا حیا. (الحاوی للفتاوی ۲/۱۵۲)

انبیاء کی حیات قبور میں حیات دنیا کی طرح ہے اوراس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کی متقاضی ہے۔

لیکن اس کے برعکس موجودہ دور کے وہابی حیاۃ الانبیاء کے منکر ہیں اوراگر قائل ہیں تو صرف روحانی برزخی زندگی کے اورنہ صرف مخالف ومنکر ہیں بلکہ قائلین کو گمراہ اور بدعتی ہونے کے بھی فتوے دے رہے ہیں۔ملاحظہ ہو سرخیل وہابیہ پاکستان مولوی اسماعیل سلفی گوجرانوالہ نے اس سلسلہ میں کیا لکھا ہے۔حضرت امام احمد رضا بریلوی کی عبارت کہ ''یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے'' لکھ کر آگے مولوی صاحب کہتے ہیں: (مگر جو اہل سنت ہیں ان کی کتابوں میں نہیں)

(تحریک آزادی فکراور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی ص۳۸۳)

یہ تو ابھی معلوم ہوگا کہ یہ اہل سنت کی کتابوں میں سے ہے کہ نہیں۔(انشاء اللہ تعالیٰ

اوراسکے بعد مذکورہ مولوی صاحب نے سرخی جمائی ہے:

''انبیاء کی حیات دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے۔''

اوراس سرخی کے نیچے لکھا ہے:

''ابن القیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات دنیاوی اہل بدعت اورمعطلہ کا

مذہب ہے۔قصیدہ نونیہ ص۱۴۰ ملاحظہ فرمائیں۔

(تحریک آزادی فکراورشاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی ص۲۹۲)

تو اب ملاحظہ فرمائیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے یا کہ نہیں؟

حضرت امام تقی الدین علی سبکی فرماتے ہیں:

و اما حیاۃ الانبیآء اعلیٰ واکمل و اتم من الجمیع لانه للروح والجسد علی الدوام علی ماکان فی الدنیا علی ما تقدم عن جماعة من العلماء. (الشفاء السقام ۳۰۶)

اوربہرحال حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات تمام سے اعلیٰ واکمل اوراتم ہے کیونکہ ان کی حیاۃ جسم اورروح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔

اورحضرت امام جلال الدین سیوطی امام تقی الدین سبکی سے ہی نقل فرماتے ہیں:

وحیاۃ الانبیاء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا و یشھد له صلاۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلاۃ تستدعی جسداً حیاً وکذلک الصفات المذکورۃ فی الانبیآء لیلة الاسراء کلها صفات الاجسام. (الحاوی للفتاوی ۲:۱۵۲)

اورانبیائے کرام کی قبر میں زندگی دنیا کی سی زندگی کی طرح ہے اوراس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کی متقاضی ہے اوراسی طرح شب معراج میں انبیائے کرام کی صفات جوکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر فرمائیں وہ تمام کی تمام بدنی صفات ہیں۔(نہ کہ صرف روح کی حیات صرف روحانی ہو)

حضرت امام نورالدین علی بن احمد سمہودی (م۹۱۱) فرماتے ہیں:

و اما ادلة حیاۃ الانبیآء فمقتضاها حیاۃ الابدان کحالة الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء و مع قوۃ النفوذ فی العالم و قد اوضحنا المسالة فی کتابنا المسمی بالوفا لما یجب لحضرۃ المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم.

(وفاء الوفا باخبار دار المصطفی ۴:۱۳۵۵)

اور انبیائے کرام کی حیاۃ کے دلائل اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کی حیاۃ ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں ان کی حالت تھی اس کے ساتھ ساتھ غذا سے مستغنی ہونے کے باوجود اور دنیا و عالم میں نفاذ کی قوت کے ساتھ اور اس کی ہم نے وضاحت اپنی کتاب "الوفا لما یجب لحضرۃ المصطفی" میں کردی ہے۔

حضرت علامہ بدرالدین زرکشی فرماتے ہیں:

لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی آن واحد من اقطار نواح متباعدۃ معان رؤیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق و ھو حیی فی قبرہ یصلی فیہ باذان و اقامۃ بانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراج کما قال اللہ تعالیٰ و سراجا منیرا۔ (زرقانی علی المواہب ۵:۳۹۵)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک آن میں مختلف اقطار میں موجود ہونا اور آپ کی زیارت حق ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورج ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراجا منیرا کہا ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فمن المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیی فی قبرہ کسائر الانبیآء فی قبورھم و ھم احیاء عند ربھم و ان لا رواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی حالۃ الدنیا فانھم بحسب القلب عرشیون و باعتبار القالب فرشیون۔ (شرح الشفا علی نسیم الریاض ۳:۴۹۴)

اور قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منور میں زندہ ہیں جیسا کہ تمام انبیائے کرام اپنی قبوروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی و سفلی کے ساتھ اسی طرح ہے جیسا کہ حالت دنیاوی میں تھا پس وہ قلب کے لحاظ سے عرشی ہیں اور قالب (جسد) کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء ملت و ہیچ کس را اختلاف نیست در آں کہ آں کامل تر وقوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی و اخروی است عنداللہ وحیات الانبیآء حیات حسی دنیاوی است و احادیث و آثار دراں واقع شدہ۔ (مدارج النبوہ باب حیاۃ الانبیاء ۲:۴۴۷)

جاننا چاہئے کہ جملہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات علماء ملت کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی حیات علماء ملت کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی حیات شہداء اور اللہ کی راہ میں مقتولوں کی حیات سے کامل تر اور قوی تر ہے کیونکہ شہداء کی زندگی تو اللہ کے نزدیک معنوی اور اخروی ہے جبکہ انبیاء کی حیات حسّی اور دنیاوی ہے اور اس میں احادیث و آثار موجود ہیں۔

حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات دنیاوی و حقیقی ہونے میں علماء امت کا اجماع ہے اور اتفاق ہے اور اس میں کسی شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے تو پتہ چلا کہ حیات الانبیاء کی حیات حقیقی دنیاوی میں اختلاف حضرت شیخ صاحب کی زندگی کے بعد پیدا ہوا اور منکرین حیات الانبیاء آپ کے بعد پیدا ہوئے۔

دوسری جگہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

با چندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر. (مکتوبات شریف برحاشیہ اخبار الاخیار ص ۱۵۵)

باوجود اس بات کے کہ امت کے علماء میں (کئی مسائل میں) اختلافات ہیں اور بہت سارے مذاہب (فرقے) ہیں لیکن اس مسئلہ میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی حقیقی زندگی کے ساتھ ہمیشہ باقی ہیں اور امت کے (احوال) اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ اس میں نہ تو مجاز کا شائبہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کی تاویل کا وہم ہے۔

سبحان اللہ! حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کی وسیع النظری و وسعت مطالعہ اہلسنت کے مخالفین (مولوی سرفراز گکھڑوی وغیرہ کو بھی تسلیم ہے وہ باوجود اپنے وسیع علم ونظر اور وسیع مطالعہ کے یہ فرمارہے ہیں کہ ہمارے زمانے تک نہ تو کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات دنیاوی کا منکر ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا منکر ہے اور یہ دونوں عقیدے بغیر شائبہ مجاز اور بغیر وہم تاویل کے ہیں۔

ان عبارات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اور حاضر وناظر کے منکرین (وہابیہ، دیابنہ) گیارہویں صدی ہجری کے بعد کی پیداوار ہیں اور انگریز کا لگایا ہوا پودا ہیں کیونکہ حضرت شیخ صاحب گیارہویں صدی ہجری کے بطل جلیل اور مجدد ہیں۔ اور یقیناً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا کیونکہ آپ کے دور تک ابن تیمیہ کا فتنہ تقریباً ختم ہوچکا تھا اور شیطان کا سینگ ابھی تک نجد سے نمودار نہیں ہوا تھا۔

حضرت شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۷۳) فرماتے ہیں:

وقول مختار ومقرر جمہور ہمیں است کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بعد از اذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔ (تیسر القاری شرح صحیح البخاری ۳:۲۶۲)

جمہور کے نزدیک طے شدہ حقیقت اور مختار قول یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام موت چکھنے کے ساتھ زندہ ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس حیات پر علماء کی اکثریت ہے وہ حیات حقیقی جسمانی اور دنیاوی حیاۃ کے مثل ہے نہ کہ صرف روحانی اور جن علماء نے اس کو برزخی زندگی کے ساتھ تعبیر کیا ہے تو وہ صرف مکان کے لحاظ سے ہے کہ وہ اب برزخ میں ہیں اس لحاظ سے وہ ہیں تو برزخ میں لیکن زندگی بہرحال حقیقی اور جسمانی ہے۔

حضرت شیخ احمد حسنی فرماتے ہیں:

آں حیات دنیویم خیراز بہر شماست
بعد نقلم آن وفاتم خیراز بہر شماست
(تحفہ احمدیہ المسمیٰ بہ نجوم الشہابیہ رجوم للوہابیہ ص ۷۷ مطبوعہ لاہور ۱۲۸۵ھ)

حضرت مولانا نواب قطب الدین خاں صاحب فرماتے ہیں:

"زندہ ہیں انبیائے کرام علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کی وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ۱:۴۴۵)

مندرجہ بالا حضرات علماء اسلام کی عبارات سے واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں بحیاۃ حقیقی جسمانی دنیاوی زندہ ہیں اور یہ مذہب مہذب امت کے علما کی اکثریت کا ہے اور یہی مسلک اہل سنت ہے۔

حضرت امام علامہ ابن حجر مکی (م۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:

و اما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء. (الجوہر المنظم فی زیارۃ الشریف النبوی المکرم المعظم ص ۲۷)

اور حیات الانبیاء کے دلائل متقاضی ہیں کہ وہ حیاۃ ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی۔ لیکن غذا وغیرہ سے مستغنی ہو۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: الظاهر من الادلة ان حياة الشهدآء اقوى من حياة الاوليآء للنص عليها في القرآن الكريم و دون حياة الانبياء لانهم بها اولىٰ واحرىٰ و التفاوت فيها بمعنى التفاوت في ثمراتها غير بعيد فتامله و قد نظر بعض ائمتنا الى ان حياته صلى الله عليه سلم امتازت بانها تقتفى اثباتها حتى في بعض احكام الدنيا. (الجوہر المنظم ص ۲۲)

ان دلائل سے ظاہر ہے کہ شہداء کی زندگی اولیاء کی زندگی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ ان کی زندگی کے بارے میں قرآن کریم میں نص وارد ہے اور انبیاء کی زندگی ان سے اولی اور دوسری قسم کی ہے اور مختلف ہے اور یہ اختلاف حیاۃ کے ثمرات میں سے بعید نہیں ہے اور ہمارے بعض

ائمہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ممتاز ہے کیونکہ یہ حیات اثبات کا تقاضہ کرتی ہے حتی کہ اس پر بعض دنیاوی احکام بھی لاگو ہوتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن حسن کاکوری فرماتے ہیں:

''گویا حیات دیگران بجز حیات انبیاء حیز اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ احکام دنیوی اس پر مترتب نہیں ہوتے بخلاف حیات انبیاء علیہم السلام کہ احکام دنیویہ کا ترتب اس پر ہوتا ہے۔''
(تفریح الاذکیا ۱:۳۳۲)

حضرت علامہ شہاب الدین محمود آلوسی فرماتے ہیں:

ثم ان تلک الحیات فی القبر و ان یترتب علیها بعض یترتب علی الحیاۃ فی الدنیا المعروفة لنا من الصلوۃ و الآذان و الاقامة ورد السلام المسموع و نحو ذلک. (روح المعانی ۲۲:۳۸)

اور پھر یہ جو قبر کی زندگی ہے اس پر معروف دنیاوی زندگی کے بعض احکام مترتب ہوتے ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کو سن کر اس کا جواب دینا اور اسی طرح دوسری اشیاء۔

قطب وقت حضرت الحاج فقیر اللہ بن عبدالرحمٰن حنفی فرماتے ہیں:

ورد فی کثیر من الاحادیث الصحیحة الصریحة بانهم احیاء فی قبورهم مشغولون بعبادة ربهم یصلون و یصومون و یحجون ویلبون و ان حیاتهم حسية کحیوتهم فی الدنیا الا انهم مختفون من ابصارنا لانتقالهم من عالم شهادة الی عالم الغیب کاختفاء الملائکة الکرام الکاتبین وغیرهم.
(قطب الارشاد ص ۳۷۶)

اور بے شمار احادیث صحیحہ صریحہ میں وارد ہوا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور تلبیہ کہتے ہیں اور ان کی حیات حسی ہے جیسی کہ دنیا میں تھی سوائے اس کے کہ وہ ہماری آنکھوں سے ملائکہ کراماً کاتبین کی طرح چھپے ہوئے ہیں کیونکہ وہ اس جہان

شہادت سے جہان غائب کی طرف تشریف لے جا چکے ہیں۔

اب مولوی اسماعیل سلفی بلکہ اس کے حواری یہ بتائیں کہ مذکورہ بالا شخصیات اہل سنت ہیں یا نہیں؟ اور ان کی کتابوں میں حیات جسمانی دنیوی کی صراحت ہے یا کہ نہیں اور جہاں تک ابن القیم کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ ابن القیم کا اپنا کلام اس سلسلہ میں متضاد ہے جیسا کہ پچھے صفحات میں گذرا کتاب الروح میں تو حیات جسمانی دنیوی کا قائل نظر آتا ہے جبکہ قصیدہ نونیہ میں اس کا منکر۔ جو شخص خود کسی مسئلہ پر مطمئن نہ ہو اس کے کسی غیر معروف اور امت کے علماء کے خلاف قول پر عقیدہ رکھنا اور اس کو بطور دلیل علمائے امت کے خلاف پیش کرنا کہاں کی دیانت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ ''کتاب الروح'' میں کیا نقل کیا ہے:

ان الموت لیس بعدم محض و انما هو انتقال من حال الی حال و یدل علی ذلک ان الشهداء بعد قتلهم و موتهم احیاء عند ربهم یرزقون فرحین مستبشرین و هذه صفة الاحیاء فی الدنیا واذا کا ن هذا فی الشهداء کان الانبیآء بذلک احق و اولیٰ مع انه قد صح عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الارض لا تاکل اجسادم الانبیآء. (کتاب الروح ص ۵۷)

بے شک موت عدم محض نہیں ہے بلکہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کرنا ہے اور اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ شہداء قتل اور موت کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں خوش ہیں اور خوشخبریاں دیتے ہیں اور یہ ہی صفت دنیا میں زندہ لوگوں کی ہے۔ جب یہ (دنیوی صفات) شہداء کو حاصل ہیں تو انبیاء تو اس کے زیادہ حق دار ہیں اور اولیٰ ہیں اس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح حدیث ثابت ہے کہ بے شک زمین انبیا کرام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔

تو جب ابن قیم خود اس چیز کا قائل ہے تو پھر دیگر حضرات پر اعتراض کیوں کر رہا ہے؟ اور اگر ابن قیم کو اس حیات کے منکرین میں شامل کر لیا جائے جیسا کہ مولوی اسماعیل سلفی ص ۹۳

نے کہا ہے تو پھر بھی ابن القیم کی حضرت علامہ امام تقی الدین سبکی کے سامنے کیا حیثیت ہے جو کہ حیات دنیوی کے بڑے زور وشور سے قائل ہیں۔ کہاں امام تقی الدین سبکی اور کہاں ابن قیم۔ امام سبکی کا مقام کیا ہے؟

اس بارے میں امام ذہبی کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔ وہ اس فاضل یگانہ روزگار شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

علی بن عبد الکافی السبکی: و کان صادقاً مثبتاً خیراً دَیّناً حسن السمت من اَوعیة العلم یدری الفقه و یقرره و علم الحدیث و یحرره و الاصول ویقرئها و العربیة و یحققها ثم قرا بالروایات علی تقی الدین الصائغ و صنّف التصانیف المتقنة و قد بقی فی زمانه الملحوظ الی بالتحقیق و الفضل.

(المعجم المختص بالمحدثین للذہبی ص ١٦٦)

اور آپ سچے، چھان بین کرنے والے بہت دین والے، متواضع اور اچھے ارادے والے آپ علوم کے برتنوں میں سے ایک برتن تھے۔ فقہ جانتے اور اس کی تقریر کرتے تھے اور علم حدیث جانتے اور اس کی تحریر کرتے تھے اور آپ اصول جانتے اور پڑھتے تھے عربی جانتے اور اس کی تحقیق کرتے تھے پھر روایات کو تقی الدین الصائغ سے پڑھا اور بہت پائدار کتابیں تصنیف کیں اور اپنے زمانہ میں تحقیق وفضل کے لحاظ سے منظور نظر تھے۔

اور دوسری جگہ یہی امام ذہبی فرماتے ہیں: و کان تام العقل متین الدیانة مرضی الاخلاق طویل الباع فی المناظرة قوی المراد جزل الرای ملیح التصنیف.

(معجم الشیوخ الکبریٰ ص ٣٧٣)

کہ وہ مکمل عقل کے مالک متین الدیانت اچھے اخلاق والے فن مناظرہ میں درک کامل رکھنے والے بہت سارے قوی مواد والے اچھی رائے اور بہترین تصانیف والے شخص تھے۔

حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

و کان محققاً مدققاً نظّاراً جدلیاً بارعاً فی العلوم له فی الفقه وغیره

الاستنباطات الجلیلة و الدقائق اللطیفة و القواعد المحررة التی لم یسبق الیها و کان منصفا فی البحث. (بغیة الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة ٢: ١٧٧ للسیوطی)

کہ آپ (سبکی) محقق مدقق بہترین مناظر اور علوم میں کامل دسترس رکھنے والے اور فقہ میں ان کی جلیل القدر تالیفات اور دقائق لطیفہ ہیں اور بہترین قواعد لکھے ہیں کہ ان سے پہلے ایسے دقائق کسی نے نہ لکھے اور بحث ومناظرہ میں صاحب انصاف تھے۔

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں:

و لیس بعدالمزی و الذهبی احفظ منه. (ذیل طبقات الحفاظ ٣٥٣ للسیوطی)

اور امام مزی اور ذہبی کے بعد کوئی بھی امام سبکی سے زیادہ حافظہ والا نہیں ہے۔

حضرت امام سبکی کی شان رفیع کے جلوے اگر مزید دیکھنے ہوں تو ملاحظہ فرمائیں:

ذیل تذکرۃ الحفاظ للذہبی ابی المحاسن الحسنی الدمشقی ص ٣٩، تا ٤١ ۔ ذیل العبر للحسنی ٤: ١٦٨۔ الوفیات لابن رافع ٢: ١٨٥، ١٨٧۔ الدرر الکامنۃ لابن حجر عسقلانی ٣: ١٣٤۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج الدین السبکی جلد ٦۔ النجوم الزہر لابن تغری بردی ١: ١٣٩۔ طبقات الشافعیۃ لابن قاضی ٣: ٤٧ تا ٥٣۔

تو اب ان کے مقابلہ میں ابن القیم کے بارے میں دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا کسی بھی مسئلہ میں ابن قیم امام تقی الدین سبکی کے ہم پلّہ ہوسکتا ہے۔ اور کیا ابن القیم کے قول سے علامہ سبکی و دیگر حضرات محدثین کے اقوال رد کئے جاسکتے ہیں جیسا کہ مولوی اسماعیل سلفی صاحب نے کہا ہے:

امام ذہبی فرماتے ہیں:

و کان یشتغل فی الفقه و یجید تقریره و فی النحو و یدریه و فی الاصلین و قد حبس مدة و اوذی لانکاره شد الرحل الی قبر الخلیل والله یصلحه و یوفقه سمع معنی من جماعة و تصدر للاشتغال و نشر العلم ولکنه معجب برایه (سیی العقل) جری علی الامور. غفرالله له.

(المعجم المختص بالمحدثین ص ۲۶۹)

وہ فقہ میں مشغول اور اس کی خوب تقریر کی نحو کو خوب جانچا اور ان دونوں اصلوں پر کام کیا۔ اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنے کے انکار پر کچھ مدت قید ہوا اور تکلیف دیا گیا اللہ اس کی اصلاح فرمائے اور اس کو نیکی کی توفیق بخشے اس نے میرے ہمراہ علما کی جماعت سے ساعت کی پھر نشر علم اور اشتغال میں خوب محنت کی۔ لیکن یہ بڑا متکبر کم عقل (ردی العقل) اور خود سر تھا۔

تنبیہ: کتاب کا ناشر اور محقق چونکہ نجدی ذہنیت کا مالک ہے اس لئے اس نے (یحرفون الکلم عن مواضعه) کے تحت مذکورہ عبارت سے (سیی العقل) کے الفاظ حذف کر دیے ہیں اور اس تحریف کا جواز یہ پیش کیا کہ

لایتوقع ان یقول الذهبی عن ابن قیم الجوزیه انه (سیی العقل) بعدان ذکر من صفاته ما ذکر خلال هذه الترجمةمما جعلنانشک فی صحة نسبة هذا الحکم للذهبی.

کہ امام ذہبی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ابن قیم جوزیہ کو یہ کہیں کہ وہ ردی عقل کا آدمی ہے اس ترجمہ میں اس کی صفات بیان کرنے کے بعد اس لئے اس حکم کو ذہبی کی طرف نسبت کرنے میں ہمیں شک ہے۔

(حالانکہ علامہ عبدالحی لکھنوی بھی (سیی العقل) کے الفاظ علامہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں۔ (السعی المشکور ص ۸۸)

سبحان اللہ! کیسی نرالی و پختہ دلیل دی ہے کیا ایسی دلیل کسی اور شخص کے بارے میں قبول ہو سکتی ہے۔ ایسے نرالے استدلال صرف نجدی ذہن کو ہی زیب دیتے ہیں۔

بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علامہ امام تقی الدین سبکی، امام جلال الدین سیوطی امام سمہودی وغیرہم کے مقابلے میں علامہ ابن قیم کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے اور جہاں تک علم حدیث کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں تو بالکل ہی ان حضرات اور ابن قیم کے درمیان کوئی مناسبت

ہی نہیں ہے۔ اور جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے تو یہ ہر شخص جانتا ہے کہ ابن قیم عقیدہ میں اپنے شیخ ابن تیمیہ کی طرح مجسمی اور بدعتی ہے جبکہ مذکورہ بالا ائمہ میں سے کسی ایک پر بھی بدعتی ہونے کی تہمت نہیں ہے۔

حضرت علامہ زاہد بن حسن کوثری مصری فرماتے ہیں:

و ابن القیم علی بدعته قلیل البضاعة فی علم الرجال.

(مقالات الکوثری ص ۳۱۲)

اور ابن قیم بدعتی ہونے کے ساتھ ساتھ علم اسماء الرجال میں بھی قلیل البضاعت ہے۔

تو ایسا شخص (ابن قیم) جو بتصریح ائمہ دین سیی العقل، جری علی الامور، قلیل البضاعة فی الرجال، بدعتی، جیسے اوصاف سے متصف ہو ائمہ اہل سنت کا مقابلہ کرنے کی کہاں سکت رکھتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حیاۃ الانبیاء فی القبور حقیقی جسمانی دنیوی کا عقیدہ اہلسنت کی اکثریت کا ہے اور صرف روحانی برزخی زندگی کا عقیدہ نجدیوں وہابیوں جیسے بدعتیوں کا ہے۔

جناب مولوی احمد رضا بجنوی دیوبندی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن قیم تو بقول علامہ ذہبی وغیرہ خود ضعیف فی الرجال ہے۔ (ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۰۵)

اعتراض نمبر ۲:

جناب مولوی اسماعیل صاحب سلفی نے حضرت علامہ سیوطی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حافظ سیوطی نے کتاب الروح سے تو استفادہ فرمایا لیکن معلوم نہیں قصیدہ نونیہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔"

تو اس کا سادہ سا جواب تو یہی ہے کہ چونکہ کتاب الروح میں علامہ ابن قیم نے جمہور علماء کی موافقت کی ہے اور زیادہ تر کلام بھی اسلاف کا ہے جس کو ابن قیم نے نقل کیا ہے جبکہ قصیدہ نونیہ میں ایک تو جمہور اہل سنت کے مذہب کے خلاف لکھا گیا ہے اور پھر یہ کلام بھی ابن قیم کا اپنا ذاتی ہے اور اس میں وہ منفرد ہے۔ اس لئے حافظ سیوطی نے قصیدہ نونیہ کو قابل التفات نہیں سمجھا

اور اس میں وہ حق بجانب ہیں۔ اللہ تعالیٰ سیوطی کی اس سعی و انصاف پر ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

اور پھر سلفی صاحب کی اس بات میں بھی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ دنیاوی جسمانی حیات کا قول سب سے پہلے علامہ سبکی نے کیا ہے کیونکہ حضرت علامہ سبکی سے پہلے امام اہل سنت امام محمد بن حسن بن فورک جیسی شخصیت سے بھی اسی طرح کے الفاظ مروی ہیں جیسا کہ مولوی محمد حسین نیلوی نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''لطف یہ ہے کہ سبکی بھی اس مفہوم کے موجد نہیں۔ وہ بھی خیر سے ناقل ہیں۔ چنانچہ مواہب اللدنیہ میں ہے (۲:۵۴): **نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورک انه قال انه علیه الصلوة والسلام حیی فی قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ابدا الآباد علی الحقیقة لا المجاز.**

سبکی نے ابن فورک سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قبر عرفی میں سچ مچ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔

اب معلوم کرنا چاہئے کہ یہ ابن فورک کون ہے کہ جس کی تقلید سبکی نے کی ہے پھر سبکی کی تقلید متاخرین نے کی۔ کسی سے کیا پوچھیں خود سبکی طبقات کبریٰ ۱:۵۴ میں لکھتے ہیں: **ان ابن فورک کان رجلا صالحًا ثم قال (الذهبی) کان مع دینه صاحب فلتة وبدعة.**

ابن فورک مرد تھا، ذہبی نے کہا کہ ابن فورک دینداری کے باوجود بدعتی تھا اور غلطیاں مارتا تھا۔ اب فرمایئے کہ اس قول کا مآخذ ہاتھ لگا یا نہ؟ دنیوی زندگی کی طرح اولیاء ائمہ اطہار کو زندہ ماننا بدعتی کا کام ہے''۔ (ندائے حق ۱:۳۱۷، ۳۱۸)

ائمہ اسلام کے گستاخ دیوبندی مولوی کی عبارت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ حقیقی دنیاوی زندگی کے قول میں امام سبکی متفرد اور موجد نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنے متقدمین کی اتباع کرتے ہوئے یہ قول اپنایا ہے تو مولوی اسماعیل سلفی صاحب کا حضرت علامہ سبکی کو صرف اس لئے مطعون کرنا کہ یہ قول صرف انہوں نے سب سے پہلے کہا کم علمی اور جہالت پر مبنی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرت علامہ ابن فورک کون ہیں؟ کیا واقعی مصنف ندائے حق کے کہنے کے مطابق بدعتی ہیں (معاذ اللہ) یا پھر صحیح العقیدہ سنی شخص ہیں۔

دراصل دیوبندیوں وہابیوں کا معتزلیوں کی طرح یہ خیال ہے کہ جو ان کے غلط مسلک و مذہب کو نہیں مانتا وہ معاذ اللہ بدعتی ہے۔ جیسے معتزلہ اہل سنت کو بدعتی کہتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر کشاف از زمخشری معتزلی کہ کئی مقامات پر اس نے اہلسنت کو اہل بدعت کے لقب سے پکارا ہے حتی کہ موجودہ معتزلہ (دیابنہ وہابیہ) بھی اہل سنت کو بدنام کرنے کے لئے اہل بدعت کا ناروا لقب دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس دیوبندی مولوی نے صرف امام ابن فورک کو ہی بدعتی نہیں کہا بلکہ یہ لکھتا ہے کہ:

''ہوسکتا ہے کہ بدعتی ابن فورک اور سبکی کی کتابوں اور قسطلانی وشعرانی وابن حجر مکی جیسے غالی قسم کے علماء.........'' (ندائے حق ۱:۵۱۳)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ بیک جنبش قلم اس گستاخ وظالم مولوی نے کس طرح ملت اسلامیہ کی عظیم شخصیات کو غالی اور بدعتی لکھ مارا ہے۔ سچ ہے کہ آئینہ میں اپنی ہی صورت نظر آتی ہے۔ یہ خود بدعتی اور گستاخ ہیں اس لئے ان کو ہر سنی صحیح العقیدہ شخص بدعتی نظر آتا ہے۔ اسی لئے تو آج کل یہ اہل سنت و جماعت کو بدعتی کہتے ہیں لیکن بد مذہب کے کہنے سے اگر کوئی بدعتی ہوتا تو سب سے پہلے معاذ اللہ صحابہ کرام ہوتے کیونکہ روافض حضرات صحابہ کرام کو بدعتی کہتے ہیں ان کے بعد حضرات ائمہ اربعہ اور بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کئی جاہل لوگوں نے بدعتی ہونے کا الزام لگایا۔ تو یہ اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کی چال ہے اہلسنت و جماعت کو اہل بدعت مشہور کر کے اپنی گمراہی لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس بات کی اگر کسی کو دلیل وشہادت چاہئے تو زمخشری معتزلی کی تفسیر کشاف کا مطالعہ کرے اس نے ہر جگہ اہل سنت و جماعت کو اہل بدعت ہی لکھا ہے۔

ایک طرف یہ نیلوی صاحب ہیں جو کہ امام ابن فورک اور دیگر جلیل القدر ائمہ پر بدعتی ہونے کا فتوی لگا رہے ہیں اور دوسری طرف محدثین کی جماعت ہے جو کہ ان حضرات کی عظمت

بیان کر رہی ہے۔

جناب نیلوی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ امام ابن فورک کے بارے میں امام ذہبی کا مقولہ "صاحب فلتة و بدعة" کو امام تاج الدین سبکی کی طبقات سے نقل کرتے اور اگر اس قول کو امام تاج الدین سبکی کی طبقات سے نقل کیا ہے تو پھر امام سبکی کی اپنی عبارت اور اس قول کا رد جو امام سبکی نے کیا ہے وہ بھی نقل کرتے لیکن ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟

آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

امام ابن فورک کون ہیں اور امام ذہبی نے ان کے بارے میں یہ الفاظ کیوں کہے ہیں؟

اس سلسلہ میں حضرت امام ابن عساکر صاحب تاریخ دمشق محدث شام فرماتے ہیں:

محمد بن الحسن فورک الادیب المتکلم الاصولی الواعظ النحوی ابو بکر الاصبهانی اقام او لا بالعراق الی ان درس بها علی مذهب الاشعری ثم لما ورد الری سعت به المبتدعة فعقد ابو محمد عبدالله بن محمد ثقفی مجلساً فی مسجد رجا و جمع اهل السنة و تقد منا الی الامیر ناصر الدولة ابی الحسن محمد بن ابراهیم والتمسنا منه المراسلة فی توجیهه الی نیشابور ففعل و ورد نیشابور فبنی له الدار و المدرسة من خانکاه ابی الحسن البوشنجی واحیا الله تعالیٰ به فی بلدنا انواعاً من العلوم لما استوطنا و ظهرت برکته علی جماعة من المتفقهة ...... کان الاستاذ او حدوقته ابو علی الحسن بن علی الدقاق یعقد المجلس و یدعو للحاضرین و الغائبین من اعیان البلد وائمتهم فقیل له قد نسیت ابن فورک و لم تدع له فقال ابو علی کیف ادعو له و کنت اقسم علی الله البارحة بایمانه ان یشفی علّتی وکان به وجع البطن تلک اللیلة........... قال عبدالغفار بن اسماعیل : محمد بن الحسن بن فورک ابو بکر بلغ تصانیفه فی اصول الدین و اصول الفقه و معانی القرآن قریباً من المائة .... وکان شدید الرد علی اصحاب ابی عبد الله

(الکرام) و لما عادمن غزنة سم فی الطریق و مضی الی رحمة الله ونقل الی نیشابور و دفن بالحیرة و مشهده الیوم ظاهر لیستشفی به و یجاب الدعاء عنده. (تبیین کذب المفتری فیما نسب الامام ابی الحسن الاشعری ص۲۳۲ لابن عساکر)

محمد بن حسن بن فورک ادیب متکلم اصولی واعظ نحوی ابو بکر اصبہانی پہلے یہ عراق میں مقیم تھے، یہاں تک کہ مذہب امام اشعری پر درس دیا پھر جب رے میں وارد ہوئے تو بدعقیدہ لوگوں نے آپ کی بدگوئی کی تو ابو محمد عبداللہ بن محمد ثقفی نے مسجد رجا میں ایک مجلس منعقد کی اور اہلسنت کو جمع کیا اور ہم امیر ناصر الدولہ ابوحسن محمد بن ابراہیم کے پاس گئے اور اس سے التماس کیا کہ اس کو نیشاپور بھیج دیا جائے تو اس نے ایسا ہی کیا تو ان کے لئے ابوالحسن بوشنجی کی خانقاہ میں گھر اور مدرسہ بنا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سبب ہمارے شہر میں کئی قسم کے علوم کو زندہ کیا جب سے آپ وہاں سکونت پذیر ہوئے تو فقہا کی جماعت پر ان کی برکت ظاہر ہوئی اور اپنے وقت کے یکتا حضرت ابوعلی حسن بن علی الدقاق مجلس منعقد فرماتے تھے اور شہر کے تمام حاضرین و غائبین بزرگوں اور اماموں کے حق میں دعا فرماتے تھے تو ان سے کہا گیا کہ آپ ابن فورک کو بھول گئے ہیں تو حضرت ابوعلی نے فرمایا میں ان کے لئے کیسے دعا مانگوں ان کی شان تو یہ ہے کہ گذشتہ رات میں نے ان کے ایمان کی اللہ کو قسم دے کر دعا کی کہ وہ میری بیماری سے مجھے شفا دے اور اس رات آپ کے پیٹ میں تکلیف تھی۔ امام عبدالغفار بن اسماعیل نے فرمایا محمد بن حسن بن فورک کی اصول فقہ اصول دین اور معانی قرآن میں تقریباً سو۱۰۰ تصانیف ہیں اور آپ ابوعبداللہ الکرام (بدعتی فرقہ کرامیہ کے بانی) کے ماننے والوں کا خوب رد فرماتے تھے، جب غزنی سے لوٹے تو راستہ میں آپ کو زہر دیدیا گیا تو شہید ہوگئے، پھر ان کو نیشاپور منتقل کیا گیا اور حیرہ میں دفن کیا گیا، آج کل ان کا مزار مشہور ہے وہاں سے شفا حاصل ہوتی ہے اور اس کے قریب دعا قبول ہوتی ہے۔

امام الحافظ عبدالحق بن عبدالرحمٰن اشبیلی (م۵۸۳) فرماتے ہیں:

و کان من الصالحین المجتهدین. (کتاب العاقبۃ ص۸۹ طبع بیروت)

اور وہ اولیائے مجتہدین میں سے تھے۔

اسی قسم کی عبارات وتعریف دیگر مختلف علما نے اپنی اپنی تصانیف میں لکھی ہیں:

جیسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ١٧/ ٢١٤، امام قشیری نے رسالہ قشیریہ ص ٣١٠، وابن خلکان نے وفیات الاعیان ٤/ ٢٧٣، طبقات الاسنوی ٢/ ٢٦٦، النجوم الزاہرہ ٤/ ٢٤٠، تاج التراجم (از امام قاسم قطلو بغا حنفی) ٤٦، شذرات الذہب ٣/ ١٨١، طبقات الشافعیہ لابن السبکی ٤/ ١٢٧ تا ١٣٥ طبع مصر وغیرہ۔

اس عبارت کو جناب نیلوی صاحب اور ان کے حواری بار بار پڑھیں اور غور وفکر کریں کہ ایسا شخص جو ساری عمر اہل بدعت کے ساتھ ملک حقہ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے مناظرے کرتا رہا ہو وہ بدعتی ہوسکتا ہے اور کیا کسی بدعتی کے صدقے اللہ علوم کو زندہ کرتا ہے اور کیا اس وقت کے تمام اہل سنت ایک بدعتی کی عزت کے لئے اکٹھے ہوکر التجا والتماس کررہے تھے جبکہ بدعتی کی عزت کرنا حرام ہے اور کیا اپنے وقت کے غوث وقطب اور ولی کامل حضرت امام ابوعلی الدقاق ایک بدعتی کے صدقے اللہ سے شفاء کی دعا مانگ رہے ہیں۔

امام ابن عساکر، امام ذہبی، ابن خلکان، عبدالغافر، امام تاج الدین سبکی اور امام قشیری یہ تمام جو کہہ رہے ہیں کہ ان کی قبر کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے اور یوں دعا قبول ہوتی ہے تو کیا یہ سب بھی بدعتی بلکہ معاذ اللہ مشرک ٹھہرے اور ایک بدعتی کی قبر پر اتنا فیض اور اللہ کی رحمت کیسے نازل ہورہی ہے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ امام ابن فورک مذہباً اشعری تھے جیسا کہ ابن عساکر کے حوالے سے گذرا اور امام ذہبی نے خود لکھا ہے کہ: قلت کان اشعریا راسا فی فن الکلام، اخذ عن ابی الحسن الباھلی صاحب الاشعری.

میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ ابن فورک اشعری تھا اور فن کلام میں عظیم تھا اس نے یہ مذہب امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد ابوالحسن باہلی سے اخذ کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ١٧: ٢١٦ للذہبی)

اب جب کہ ثابت ہو چکا کہ امام ابن فورک عقیدۃً اشعری تھے اور مذہباً حنفی تھے (جیسا کہ ابن قاسم قطلو بغا نے لکھا) تو اس لئے امام ذہبی کا ان کے بارے میں صاحب فلتۃ وبدعۃ کہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ امام ذہبی اشاعرہ کے بارے میں بڑے سخت تھے وہ خود حنبلی تھے اس لئے امام تاج الدین سبکی نے امام ذہبی کے بارے میں ارشاد فرمایا، اور کیا خوب فرمایا کہ:

فالذهبی رحمه الله تعالیٰ علیه متعصب جلد و هو شیخنا و له علینا حقوق الا ان حق الله مقدم علی حقه و الذی نقول انه لا ینبغی ان یسمع کلامه فی حنفی و لا شافعی و لا توخذ تراجمهم من کتبه فانه یتعصب علیهم کثیرا.

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ٤: ١٩١)

پس امام ذہبی متعصب اور جلد باز ہیں حالانکہ وہ ہمارے استاد ہیں اور ان کے ہم پر کئی حقوق ہیں لیکن اللہ کا حق ان پر مقدم ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ان کا کلام نہ تو حنفی کے بارے میں اور نہ ہی شافعی کے بارے میں لینا چاہئے اور نہ ہی ان کی کتب سے ان کے بارے میں ترجمہ اخذ کرنا چاہئے کیونکہ ان کے ساتھ امام ذہبی کا تعصب بہت زیادہ ہے۔

اور اس بات میں امام تاج الدین السبکی اکیلے نہیں ہیں بلکہ آپ کی اس بات کی صداقت میں کئی اور محدثین علماء بھی امام ذہبی کے بارے میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام الحافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی (م ٧٥١ھ) فرماتے ہیں:

لایشک فی دینه و ورعه و تحریه فیما یقوله فی الناس قال انه غلب علیه مذهب الاثبات و منافرة التاویل و الغفلة عن التنزیه حتی اثر ذلک فی طبعه انحرافا شدیداً عن اهل التنزیهة و میلا قویا الی اهل الاثبات فاذا ترجم واحدا منهم یطنب فی وصفه بجمیع ماقیل فیه من المحاسن و یبالغ فی وصفه

و يتغافل عن غلطاته ويتاؤل له ما امكن و اذا ذكر احدا من الطرف الآخر كامام الحرمين و الغزالى و نحوهما لايبالغ فى وصفه و يكثر من قول من طعن فيه ويعيدذكره و يبديه و يعتقده دينا وهو لا يشعر ويعرض من محاسنهم الطافحة فلا يستوعبها واذا ظفر لاحد منهم بغلطة ذكرها.

(الاعلان بالتوبیخ ص۵۷ للسخاوی)

امام ذہبی کی دیانت تقوی اور دوسروں کی بابت رائے زنی میں ان کی احتیاط مسلم ہے اور کہا (العلائی نے) کہ ان پر مذہب اثبات کا غلبہ ہے۔تاویل سے ان کو نفرت ہے اور تنزیہہ کا بہت کم لحاظ کرتے ہیں۔اس کا اثر یہ ہے کہ وہ اہل تنزیہہ سے سخت برگشتہ ہیں اور اہل اثبات کی طرف بہت زیادہ جھکے رہتے ہیں۔جب اہل اثبات میں سے کسی کی سوانح لکھتے ہیں تو حکایت دراز کرتے ہیں اور اس کی خوبیوں کی بابت جو کچھ کسی نے کہا ہو سب بیان کر کے اس کی تعریف میں مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ساتھ ہی اس کی غلطیوں کی تاویل پیش کرتے ہیں۔اس کے بر عکس جب دوسرے فریق (اہل تنزیہہ) میں سے کسی کا ذکر کرتے ہیں جیسے امام الحرمین اور امام غزالی وغیرہما تو زیادہ تعریف نہیں کرتے اور بیش تر وہ اقوال نقل کرتے ہیں جس سے ان پر طعن ہو پھر ان باتوں کو بار بار دہراتے ہیں اس کو وہ دین سمجھتے ہیں اور بالکل شعور کھو بیٹھے ہیں۔ان لوگوں کی نمایاں خوبیوں سے صرف نظر کر لیتے ہیں اور تمام کو نہیں بیان کرتے۔البتہ جہاں کسی کی غلطی ہاتھ آئی فوراً ٹانک دیتے ہیں۔

تو اس کا مطلب ہے کہ امام ذہبی کی عزت وکرامت و دیانت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن جب وہ کسی اشعری کے بارے میں ردوقدح کریں تو پھر دیگر ائمہ کے اقوال کے طرف رجوع کرنا چاہئے اور اگر دوسرے ائمہ ان کے مخالف ہوں تو پھر امام ذہبی کی اس بات اور جرح کو رد کر دینا چاہئے جیسا کہ امام ابن فورک کے بارے میں ہے۔

اور پھر امام ذہبی نے یہ صرف ابن حزم کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے کہہ دیا ہے حالانکہ وہ الزامات جو کہ ابن حزم امام ابن فورک پر لگاتے ہیں وہ ان سے صاف بری ہیں جیسا کہ

تاج الدین سبکی نے طبقات میں بیان فرمایا ہے اور جہاں تک ابن حزم کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

ابن حزم لايدرى مذهب الاشعرية ولا يفرق بينهم و بين الجهمية لجهل. (طبقات السبکی ۳:۵۶ بیروت)

ابن حزم مذہب اشعری کو بالکل نہیں جانتا اور جہالت کی وجہ سے وہ اشاعرہ اور جہمیہ میں فرق نہیں کرتا۔

امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

و من ثم قال المحققون انه لا يقام له وزن و لا ينظر لكلامه ولا يعول على خلافه اى فانه ليس مراعيا للادلة بل لما رآه هواه و غلب عليه من عدم تحريه وتقواه ومبالغة فى سب العلماء.

(کف الرعاع عن محرمات اللھو السماع ص۳۱۰)

اور اسی لئے محققین نے فرمایا کہ ابن حزم کے کلام کا کوئی وزن نہیں اور نہ ہی اس کے کلام کو دیکھنا چاہئے اور نہ ہی اس کی مخالفت کا اعتبار کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ دلائل کی رعایت نہیں کرتا۔بلکہ اس پر اس کی خواہش نفس غالب آگئی اس کے غلط اور صحیح میں فرق نہ کرنے اور صاحب تقوی نہ ہونے اور علماء کی شان میں گستاخی اور عیب جوئی کرنے کی وجہ سے اس پر دنیا وآخرت میں رسوائی غالب آگئی اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے احوال سے بچائے۔

مزید لکھتے ہیں: ان العلماء لا يقيمون لابن حزم و اصحابه وزناً. (ص ۲۱۵)

کہ علماء کرام ابن حزم اور اس کے ساتھیوں کی کسی رائے کو کوئی وزن نہیں دیتے۔

یہ تو ابن حزم کے بارے میں مختصر سا کلام تھا اور یہ اس لئے نقل کیا کیونکہ امام ذہبی کو غلط فہمی اسی کے کلام سے ہوئی تھی جیسا کہ امام ذہبی نے خود تحریر کیا ہے کہ:

و قال ابن حزم: كان يقول: ان روح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه

وسلم قد بطلت وقد تلاشت و ما هي في الجنة. (سیر الاعلام النبلاء ۱۷: ۲۱۶)

ابن حزم نے کہا کہ ابن فورک کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پاک فنا ہوچکی ہے اور وہ جنت میں بھی نہیں ہے۔

اب آئیں امام ذہبی کی اصل عبارت کی طرف تو اس میں امام ذہبی کی عبارت متناقض ہے جیسا کہ

امام تاج الدین سبکی فرماتے ہیں:

و قال الذهبي: ابن فورك خير من ابن حزم و اجل واحسن نحلة.

(طبقات ۳: ۵۴ بیروت)

امام ذہبی نے فرمایا کہ امام ابن فورک ابن حزم سے بہتر ہے اور اس سے بڑا اور اچھا عالم ہے۔ (طبع جدید ۴/۱۳۲)

مزید لکھتے ہیں:

واما قول شيخنا الذهبي انه مع دينه صاحب فلتة وبدعة فكلام متهافت فانه يشهد بالصلاح والدين لمن يقضي عليه بالبدعة ثم ليت شعري ما الذي يعني بالفلتة فان كانت قيامه في الحق كما نعتقد نحن فيه فتلك من الدين فان كانت في الباطل فهي تنافي الدين و اما حكمه بان ابن فورك خير من ابن حزم فهذا التفضيل امره الى الله تعالىٰ و نقول شيخنا ان كنت تعتقد فيه ما حكيت من انقطاع الرسالة فلا خير فيه البتة و الا فلم لا نبّهت على ان ذلك مكذوب عليه لئلا يغتر به. (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۳: ۵۵ للتاج السبکی طبع جدید ۴: ۱۳۳)

ذہبی کا کہنا ہے کہ وہ باوجود دیندار ہونے کے تنگ نظر اور بدعتی تھے تو ذہبی کا یہ کلام متضاد ہے اس لئے کہ وہ اسی شخص کے بارے میں صلاح و دین کی شہادت دے رہے ہیں کہ جس پر خود ہی بدعت کی تہمت لگا رہے ہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس تنگ نظری (فلتہ) سے کیا

مراد ہے اگر توضیح حق کے لئے ہے جیسا کہ ہم اس کا اعتقاد رکھتے ہیں تو یہ فلتہ دین میں سے (جو کہ صحیح ہے) اور اگر فلتہ فی الباطل مراد ہے تو یہ دین کے منافی ہے اور ذہبی کا یہ کہنا کہ ابن فورک ابن حزم سے بہتر ہے تو اس تفضیل کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور ہم اپنے شیخ (ذہبی سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کا اعتقاد ابن فورک کے بارے میں وہی ہے جس کی آپ نے حکایت کی ہے (کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت منقطع ہوچکی تو اس (ابن فورک) میں قطعاً کوئی بھلائی و بہتری نہیں ہے اور اگر ان کا یہ عقیدہ نہیں تو آپ نے اس بات پر تنبیہ کیوں نہیں کی کہ یہ ابن فورک پر جھوٹ باندھا گیا ہے تا کہ لوگ اس سے دھوکہ میں نہ پڑیں۔

مسئلہ حیات الانبیاء اور علمائے دیوبند

ہر مسئلہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی علمائے دیوبند دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں گروہ اپنے متفقہ اسلاف کو اپنے اپنے حامی اور اپنا ہم مسلک ثابت کرتے ہیں اور مزید عجیب بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کے بڑوں کی عبارات واقعتاً اتنی متضاد ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ کیا گورکھ دھندہ ہے۔ ایک گروہ عقیدہ حیاۃ النبی کو شرک اکبر بتاتا ہے تو دوسرا اسی کو عین جزوِ ایمان بتارہا ہے۔ اصل میں یہ اللہ جل مجدہ الکریم کا ان لوگوں سے انتقام ہے کہ ان لوگوں نے عشاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی اہل سنت کو ناروا طور پر مشرک کہا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کر دیئے جو ان کو مشرک کہیں۔ سچ کہتے ہیں خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپس میں بدعتی، مشرک، گستاخ سبھی فتووں کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ لیکن اکابرین دیوبند چاہے وہ حیات جسمانی دنیوی کے قائل ہوں یا منکر وہ اپنی جگہ پر ولی اللہ بنے ہوئے ہیں نہ بدعتی نہ مشرک اور نہ ہی گستاخ رسول۔ تو ان تمام رویوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ اختلاف محض دکھاوا ہے کہ اگر کوئی خوش عقیدہ شخص ملے تو اس کو گمراہ کرنے کے لئے ایک گروہ کھڑا ہو جائے دیکھیں جی ہم تو حیات الانبیاء کے قائل ہیں اور اگر کوئی زاہد خشک دستیاب ہو تو اس کو دوسرا گروپ کہے کہ دیکھیں جی ہم تو توحید میں اتنے پختہ ہیں کہ انبیائے کرام کو بھی عام مردوں کی صف میں شامل کرتے ہیں (معاذ اللہ) جیسے یہ لوگ سیاسی طور پر ہمیشہ دو گروپوں میں تقسیم

رہتے ہیں۔ایک حکومت وقت کے حق میں دوسرا حکومت کے خلاف تاکہ ہر طرف سے دنیاوی فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ چونکہ یہ لوگ انگریز کے پروردہ ہیں اس لئے اس کی چال چل رہے ہیں۔سبھی پاکستان بننے کے خلاف تھے صرف چند پاکستان کے حق میں تھے تاکہ اگر بن جائے تو وہاں سے فائدہ، نہ بنے تو ہندو خوش۔اور ان سے فائدہ حاصل کریں گے۔اور تاریخ بتارہی ہے کہ ان لوگوں نے اسی طرح دنیاوی فوائد حاصل کئے ہیں۔

بہر حال یہاں کچھ علمائے دیوبند کے حوالے صرف اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ الحمدللہ مسلک حق اہل سنت کی سچائی ظاہر ہوجائے کیونکہ مثل مشہور کہ الفضل ما شهدت به الاعداء .

علمائے دیوبند کے تیئیس بزرگوں کا فتویٰ:

عندنا و عند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيي في قبره الشريف وحيوته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و بجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس .... فثبت بهذا ان حياته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ.

(المہند علی المفند ص ۲۸)

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیوی ہے دنیا کی سی ہے بلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو.....پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

اور جناب مولوی حسین احمد ٹانڈوی (مدنی) نے لکھا ہے:

”آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مؤمنین وشہداء کو حاصل ہے بلکہ

جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ہے“۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ۱:۱۵۳)

جناب مولوی محمد ادریس کاندھلوی صاحب نے لکھا ہے:

”تمام اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی یہ برزخی حیات اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلا شبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔“(حیات نبوی ص۲)

مولوی شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيي كما تقرر وانه يصلي في قبره باذان واقامة. (فتح الملہم شرح مسلم ۳:۴۱۹)

بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اپنی قبر منور میں اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔

دوسری جگہ انہی نے لکھا ہے: و دلت النصوص الصحيحة على حياة الانبيآء عليهم الصلوة والسلام كما سيأتي. (فتح الملہم ۱:۳۲۵)

نصوص صحیحہ اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام زندہ ہیں جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔

مولوی خلیل احمد سہارنپوری نے لکھا ہے:

ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيي في قبره كما ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم. (بذل المجہود ۲:۱۱۷)

بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منور میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے لکھا:

''اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات شہدا کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے۔'' (فتاوی دارالعلوم مدلل ومکمل ۵:۱۷۱)

مولوی احمد رضا بجنوری صاحب انوار الباری نے لکھا:

''یہاں ایک مختصر ضروری اشارہ یہ بھی کر دینا مناسب ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے جب صاحب تلخیص اور امام الحرمین کی یہ تحقیق نقل کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مال بوجہ حیات بدستور آپ کی ملک میں رہا اور دوسری طرف موت کو بھی ماننا ضروری ہے بوجہ نصوص قرآنی واحادیث تو اشکال پیش آیا کہ موت تسلیم کر لینے پر تو انتقال ملک وغیرہ احکام ثابت ہوں گے۔'' تو علامہ موصوف نے اس اشکال کو اس طرح رفع کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موت غیر مستمر ہے اور انتقال ملک وغیرہ کے احکام مشروط ہیں موت مستمر کے ساتھ (نہ کہ موت آنی کے ساتھ) (ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۳۴)

جناب مولوی انور شاہ کشمیری سے مولوی احمد رضا بجنوری نقل کرتے ہیں:

درس بخاری شریف میں باب ''**نفقه نساء النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعد وفاته**'' پر فرمایا کہ:

''انبیائے کرام اپنی قبور میں احیاء ہیں اس لئے لامحالہ ازواج مطہرات کو نفقہ خدا کے مال یعنی بیت المال سے جاری رہا۔'' (ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۳۱)

بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

مولوی محمد قاسم نانوتوی کے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ابنائے دیوبند خود مخمصے کی حالت میں ہیں اور حقیقتاً دیوبندیوں کے دونوں گروہ نانوتوی صاحب کے عقیدہ حیات النبی کے مخالف ہیں: اصل میں دیوبندیوں کے عقائد عام طور پر وقتی ہوتے ہیں جیسا دَور دیکھا ویسا عقیدہ بنا لیا۔

جب امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی اسماعیل دہلوی کی عبارات پر مواخذہ فرمایا اور دیگر کفریہ عبارات کے تحت علماء حرمین شریفین سے (حسام الحرمین) نامی فتویٰ حاصل کیا تو ابنائے دیوبند میں کھلبلی مچ گئی اور رافضیوں کی طرح چند مجتہدین نے بیٹھ کر نئے عقائد ترتیب دیئے اور حقیقت میں امام اہل سنت کی تائید کر دی کہ جو عقائد انہوں نے ہماری (دیوبندیوں) کی طرف منسوب کئے ہیں وہ ہمارے نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک بھی وہ کفر ہیں۔ ہمارے (نئے) عقائد یہ ہیں اور علمائے حرمین کے سامنے المہند نامی کتابچہ کے ذریعہ عقائد لکھ کر تائید حاصل کی۔

انہیں عقائد میں سے ایک مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تھا جبکہ ایک مسئلہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق تھا۔ پرانا عقیدہ تو یہی تھا کہ معاذ اللہ ''میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں'' (تقویۃ الایمان)

لیکن علمائے حرمین کے سامنے بالکل اس کے الٹ لکھ کر تائیدی فتویٰ حاصل کر لیا۔

اسی طرح چونکہ اس وقت حرمین شریفین کی خادمی اہل سنت کے پاس تھی اور وہ علمائے اہل سنت نجدیوں کے سخت مخالف تھے اس لئے انہوں نے علمائے دیوبند سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں سوال کیا۔ وہ سوال اور اس کا جواب قارئین کی ذوق طبع کیلئے درج کر رہا ہوں تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات کس طرح اپنے عقائد واقوال وقت کے مطابق ڈھالتے اور بدلتے ہیں۔

السوال الثانی عشر:

قد کان محمد بن عبد الوهاب النجدی یستحل دماء المسلمین واموالهم و اعراضهم کان ینسب الناس کلهم الی الشرک و یسب السلف فکیف ترون ذلک وهل تجوزون تکفیر السلف والمسلمین واهل القبلةام کیف مشربکم.

بارہواں سوال:

محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اوران کے مال اور آبرو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور کیا سلف اور اہل قبلہ کی تکفیر کو تم جائز سمجھتے ہو یا کیا مشرب ہے تمہارا؟

الجواب:

الحكم عندنا فيهم ما قال صاحب الدر المختار وخوارج هم قوم لهم منعة خرجوا عليه بتاويل يرون انه على باطل كفروا معصية توجب قتاله بتاويلهم يستحلون دمائنا واموالنا ويسبون نسائنا الى ان قال وحكمهم البغاة ثم قال فكفرهم لكونه عن تاويل و ان كان باطلا وقال الشامي فى حاشيته كما وقع فى زماننا فى اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين و كانوا ينتحلون ؟ مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم بذلك قتل اهل السنة و قل علمائهم حتى كسر الله شوكتهم . (المہند علی المفند ۳۴ تا ۳۶)

ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے اور خوارج کی ایک جماعت ہے شوکت والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی اس تاویل سے کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے لوگ ہمارے جان و مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں آگے فرماتے ہیں ان کا حکم باغیوں کا ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ ہم ان کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فعل تاویل سے ہے اگرچہ باطل ہی سہی اور علامہ شامی نے اس کے حاشیے میں فرمایا ہے: جیسا کہ ہمارے زمانے میں (محمد بن عبدالوہاب) کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے آپ کو حنبلی مذہب بتاتے تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بنا پر انہوں نے اہل سنت و علمائے اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی شوکت توڑ دی۔

یہ علمائے دیوبند کا متفق علیہ فیصلہ اس وقت تھا جبکہ نجدیوں کی شوکت اللہ تعالیٰ نے توڑ دی تھی مگر شومئی قسمت کہ ملت اسلامیہ کے ازلی دشمن یہود و نصاریٰ کی مدد اور ملی بھگت کے ساتھ جب نجدی ظلماً حرمین طیبین پر قابض ہوگئے تو ادھر ابنائے دیابنہ نے بھی اپنا مسلک و فیصلہ تبدیل کرلیا۔ اب شاید ہی کوئی دیوبندی ہوگا جو کہ نجدیوں کے خلاف ہوگا بلکہ اب عقیدہ و فیصلہ کیا ہے تو اس سلسلہ میں دیکھئے کہ دیابنہ کے امام وقت کیا تحریر فرماتے ہیں:

”محمد بن عبدالوہاب نجدی اوران کے پیروکار مسلکاً حنبلی ہیں جو مقلدین ہی کا ایک فرقہ ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہوئے ان کی کتابوں کی خوب نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب باوجود حنبلی ہونے کے سطحی ذہن کے آدمی تھے اور توحید و سنت کے خوب داعی تھے۔ ان سے وقتی مصلحت کے پیش نظر کچھ عوامی غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے وہ عوام میں خاصے بدنام ہو چکے تھے۔ اور علامہ شامی اور حضرت مدنی جیسے بزرگ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن ان کے بارے میں صحیح نظریہ وہی ہے جو علامہ آلوسی اور حضرت گنگوہی کا ہے وللتفصیل مقام آخر انگریز نے ان کو اپنی سیاسی بقا کے لئے انہیں بہت بدنام کیا“۔ (تسکین الصدور ص ۲۶۶)

اور جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کا اس بارے میں کیا نظریہ تھا جس کی طرف صاحب تسکین الصدور نے اشارہ کیا تو وہ بھی دیکھ لیں۔ وہ کہتے ہیں:

”محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں جن کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اوران کے مقتدی اچھے ہیں۔“

(فتاوی رشیدیہ ص ۲۳۵)

بہر حال جملہ معترضہ کے طور پر یہ ایک نمونہ ہے کہ علمائے دیوبند نظریۂ ضرورت کے تحت اپنے نظریات و عقائد تبدیل کرتے رہتے ہیں اور عام طور پر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے

ہیں جس کے ثبوت کے لئے حضرت علامہ ارشدالقادری صاحب کی بےنظیر تصنیف ''زلزلہ'' کا مطالعہ مفید ہے۔

اسی افراط وتفریط کے مسائل میں ایک مسئلہ ''حیاۃ الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام'' بھی ہے۔ کچھ دیوبندی حضرات تو برزخی زندگی کے بھی قائل نہیں ہیں یعنی جسم اقدس کے ساتھ روح کا بالکل تعلق مانتے ہی نہیں اور کچھ قبر میں حقیقی دنیاوی زندگی کے قائل ہیں اور ان دونوں گروہوں کے برعکس بانی دارالعلوم دیوبند جناب مولوی قاسم نانوتوی صاحب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے ہی منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک آن کے لئے بھی ''موت'' واقع نہیں ہوئی اور آپ کی روح مقدسہ کا آپ کا جسد اقدس سے اخراج ہوا ہی نہیں۔

فیا للعجب!

جناب قاسم نانوتوی نے تحریر کیا:

''ارواح انبیائے کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا۔ فقط مثل نور اور چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں اور اسلئے سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور اسی لئے ان کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے جیسے ایام حیات میں احیاء کی زیارت ہوا کرتی ہے۔ (جمال قاسمی ص ۱۶)

دوسری جگہ لکھا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے۔ اس میں انقطاع یا تبدل وتغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔''

(آب حیات ص ۳۷)

اور ایک جگہ اس طرح لکھا ہے:

''بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے .... بالجملہ جیسے حیات نبوی صلعم اور حیات مومنین امت میں فرق ہے ...... ایسے ہی موت نبوی صلعم اور موت مومنین

میں بھی فرق ہے۔'' (آب حیات ص ۱۶۸، ۱۶۹)

یہ شخص یعنی بانی دارالعلوم دیوبند صاحب پوری امت محمدیہ کے علمائے حق کے خلاف بلکہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کے خلاف ایک ایسا عقیدہ اپنانے کے باوجود آج کل کے نام نہاد توحید پرستوں کے نزدیک نہ تو مشرک ٹھہرا اور نہ ہی بدعتی بلکہ ان کے نزدیک حجۃ اللہ علی العالمین، شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، آیۃ من آیات اللہ اور فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہے۔ فیا للعجب!

''اور اس کے برعکس امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب وفات (آنی) ماننے کے باوجود قابل گردن زدنی ہیں''۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جناب مولوی سرفراز صاحب گکھڑوی لکھتے ہیں:

''اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان اس نظریہ کے حامل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور وفات کے لفظ آپ کے حق میں بولنا بالکل درست اور صحیح ہے لیکن وفات کے بعد آپ کو پھر حیات مرحمت ہوئی .... جمہور علماء اسلام موت کا معنی انفکاک الروح عن الجسد ہی کرتے ہیں۔'' (تسکین الصدور ۲۱۶)

جب تمام مسلمان اس نظریہ کے حامل ہیں تو مولوی قاسم نانوتوی صاحب جو اس نظریہ کے حامل نہیں ہیں وہ مسلمان ٹھہرے یا کہ نہیں؟ اور کیا ان پر اس آیت کریمہ کا حکم لاگو ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيْراً. (سورۃ النساء : ۱۱۵)

اور جو رسول کے خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

تو کیا یہ شخص مسلمانوں کے راستہ سے جدا چلا یا کہ نہیں؟

اور شاید اس بات کو جانتے ہوئے ہی صاحب تسکین الصدور نے یہ واضح جھوٹ لکھ مارا کہ:

''اور بعض علمائے ملّت جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیو بند بھی ہیں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی وفات کا یہ معنی کرتے ہیں:

کہ ارواح انبیائے کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں اور سوائے ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔''

(جمال قاسمی ص ١۵، تسکین الصدور ص ٢١٦)

اب جناب مولوی صاحب سے یہ سوال یہ ہے کہ وہ بعض علمائے ملت جن کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے وہ کون ہیں کتنے ہیں؟ ان کے اسمائے گرامی کیا ہیں؟ اہل سنت سے ہیں یا کہ نہیں؟ اور وہ کس دور کے ہیں؟ ترتیب وار جواب دیں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ مولوی مذکور صاحب ہرگز ہرگز ان سوالوں کے جواب نہیں دیں گے۔

اب یہاں پر جناب مولوی سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

''الغرض حضرت نانوتوی نے کیسی صاف گوئی سے یہ واضح کر دیا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا عقیدہ ضروری ہے اور علمی یا ذوقی طور پر بعض دیگر علماء کرام کی طرف موت کا جو معنی انہوں نے بیان فرمایا ہے اس کو نہ تو وہ عقائد ضرور یہ سمجھتے ہیں اور نہ عام لوگوں کو اس کی تعلیم وتبلیغ کرتے ہیں۔''

(تسکین الصدور ص ٢١٧)

اب مولوی صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر علمی اور ذوقی عقیدہ ومعنی ہے تو کیا نانوتوی صاحب کے علاوہ آپ سمیت پوری ذریت دیوبند یہ بد ذوق اور بے علم ہے کہ انہوں نے یہ عقیدہ ومعنی نہ اپنایا؟

اور اگر یہ عقیدہ ومعنی صحیح تھا تو اس کی تعلیم وتبلیغ ہونی چاہیئے تھی۔

اور اگر یہ عقیدہ ومعنی غلط ہے اور یقیناً غلط ہے تو اس سے جناب نانوتوی صاحب کو

تائب ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن غلط عقائد سے تائب ہونا اس کا تو دیوبندیوں کے یہاں دستور ہی نہیں ہے اور پھر یہ کہنا

''او نہ عام لوگوں کو اس کی تعلیم وتبلیغ کرتے ہیں۔'' بلفظہ

تو جناب عالی کیا آپ کے نزدیک تبلیغ صرف بستر باندھ کر اور کاندھے پر اٹھا کر ہی کی جاتی ہے؟ اور نانوتوی صاحب نے بستر نہیں اٹھایا۔

کیا کتب لکھنا اور بار بار اس عقیدہ کا اظہار وتحریر کرنا تعلیم وتبلیغ نہیں تو اور کیا ہے؟

اس معنی وعقیدہ کے ثبوت کے لئے تو جناب نانوتوی صاحب نے مستقل ضخیم کتاب ''آب حیات'' کے نام سے لکھی اور پھر وہ کتاب شائع بھی ہوئی۔ کیا یہ تعلیم وتبلیغ نہیں ہے؟

اور یہ مسئلہ اپنی دیگر کتب مثل ''جمال قاسمی'' اور ''لطائف قاسمیہ'' میں بھی بیان کیا تو اگر اب بھی کوئی کہے کہ یہ تعلیم وتبلیغ نہیں ہے تو یہ اس کے دماغ کا پھیر ہے یا پھر واقعی وہ شخص سمجھتا ہے کہ تبلیغ صرف لوٹے اور بستر اٹھا کر کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ کا تصور بھی نہیں ہے۔

اب دوسرے گروہ کی سنئے کہ جو ہر اس شخص کو بدعتی مشرک قرار دیتا ہے جو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر منورہ میں زندہ تسلیم کرتا ہے یا آپ کے جسد اقدس جسد عنصری سے آپ کی روح مقدسہ کا تعلق مانتا ہے۔ وہ تو تسلیم کرتا ہے کہ نانوتوی صاحب کا عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے جیسا کہ مولوی محمد حسین نیلوی کہتا ہے:

''گروہ نمبر ١۔ جسد اطہر سے روح مبارک حضرت کی خارج ہی نہیں ہوئی بلکہ اندر ہی اندر سمٹ کر رہ گئی اور پہلے سے زیادہ حیات قویّہ ہوگئی ہے۔ یہ ہے مسلک حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا..............

جمال قاسمی ص ١۵ میں واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں: انبیائے کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا''

حضرت نانوتوی جس معنی سے موت مانتے ہیں یہ معنی متعارف نہیں بلکہ حضرت موت بمعنی ''سترہ الحیاۃ'' لیتے ہیں۔ (ندائے حق ١:٦٣۵)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

’’لیکن حضرت نانوتوی کا یہ نظریہ صریح کے خلاف ہے اس حدیث کے جو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل فرمائی ہے۔‘‘ (ندائے حق ۱:۶۳۶)

ایک اور جگہ لکھا ہے:

’’مگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں مولانا نانوتوی قرآن و حدیث کی نصوص و اشارات کے خلاف جمالِ قاسمی ص ۱۵ میں فرماتے ہیں: ’’ارواح انبیائے کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا‘‘۔ (ندائے حق ۱:۷۲۱)

بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک وہ نہیں جو دوسرے علماء کا ہے۔

(ندائے حق ۱:۷۲۰)

اب جب اتنے حوالہ جات سے یہ ثابت ہوگیا کہ جناب نیلوی صاحب کے نزدیک جناب نانوتوی صاحب قرآن و حدیث کی نصوص اور علمائے امت کے خلاف مسلک رکھتے ہیں تو اب ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب نیلوی صاحب کا نانوتوی صاحب کے بارے میں کیا فتوی ہوگا جو کہ صرف علامہ ابن فورک کو محض اس لئے بدعتی ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر انور میں حقیقی جسمانی اور دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ مانتے ہیں۔

اور علامہ سبکی امام ابو بکر قسطلانی شارح بخاری قطب وقت امام شعرانی اور امام علامہ ابن حجر مکی صرف قبر میں حیاۃ النبی ماننے کی وجہ سے غالی کا لقب پا چکے ہیں۔ (ندائے حق ۱:۵۰۳)

تو آیئے دیکھئے کہ جناب نیلوی صاحب منکر وفات النبی نانوتوی صاحب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

’’اب میرے اس قول سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت نانوتوی کے حق میں گستاخی کر گیا ہے اور مرزا گاماں کے مساوی قرار دے گیا ہے۔ والعیاذ باللہ! میرے ہاتھ اور زبان جل جائیں اگر ان کے حق میں گستاخی کروں ہمیں قرائن قویہ سے یہ یقین ہے کہ آپ فنافی الرسول تھے، حد

عشق رسول میں انتہا کو پہنچ چکے تھے۔‘‘ (ندائے حق ۱:۵۷۵)

حضرات قارئین کرام! دیکھئے یہ لوگ ہیں قرآن و حدیث کے نام نہاد مبلغ اور توحید کے پرچاری۔ یہ ہے میزان عدل۔ اور یہ ہے قرآن کریم کے حکم: اعدلوا وھو اقرب للتقوی پر عمل۔

جناب نیلوی صاحب کیا اگر نانوتوی صاحب فنافی الرسول تھے تو امام محمد بن الحسن ابن فورک امام تقی الدین سبکی، امام عبدالوہاب شعرانی اور امام ابن حجر مکی کیسے بدعتی اور غالی ہوگئے۔ گستاخ رسول تو فنافی الرسول کے رتبہ پر فائز ہوگئے اور عشاق رسول بدعتی اور غالی بن گئے۔

(فیاللعجب)

الٹی عقل ایسی کسی کو خدا نہ دے ☆☆☆ دے آدمی کو موت مگر یہ بدادا نہ دے

شبہ: اور اگر یہ ذہن میں آئے کہ ایسے معنی کرنا جیسے کہ نانوتوی صاحب نے کئے ہیں یہ تو واقعی محبّ رسول کے متقاضی ہیں اور جناب نانوتوی تو واقعی عاشق رسول تھے۔

تو بات یہ نہیں ہے۔ دراصل جناب نانوتوی صاحب ہر مسئلہ میں جمہور امت کے خلاف چلے ہیں۔ انہوں نے یہاں موت کے معنی بھی جمہور امت کے خلاف کر کے ایک نیا فتنہ برپا کر دیا تھا۔ اسی طرح خاتم النبیین کا معنی عجیب و غریب کرتے ہیں ’’تحذیر الناس‘‘ نامی کتاب میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی، عوام کا خیال بتاتے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اور نبی آنے کا عقیدہ رکھتے ہوئے خاتم النبیین کا معنی قادیانیوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی مرضی کے مطابق کر دیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مرزا قادیانی نے ان سے ہی معنی کشید کیا ہے۔

اور اگر نانوتوی صاحب انفاک الروح عن الجسد کے معروف معنی کو چھوڑ کر استتار الروح فی الجسد کا نظریہ پیش کر کے اور یہ کہہ کر کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متصف بحیات بالذات ہیں فنافی الرسول ہیں تو وہ یہی الفاظ و نظریہ دجال لعین کے لئے اپنانے پر فنافی الدجال کیوں نہیں ٹھہرے؟

اب آپ جناب نانوتوی صاحب کی دجال کے بارے میں عبارت و عقیدہ پڑھیں اور

پھر سوچیں کہ یہ کتنے بڑے عاشق رسول ہیں۔

"جیسے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوجہ منشائیت ارواح مومنین جس کی تحقیق سے ہم فارغ ہو چکے ہیں متصف بحیات بالذات ہوئے ایسے ہی دجال بھی بوجہ منشائیت ارواح کفار جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متصف بحیات ہوگا اور اس وجہ سے اس کی حیات قابل انفاک نہ ہوگی اور موت ونوم میں استتار ہوگا، انقطاع نہ ہوگا اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ابن صیاد جس کے دجال ہونے کا صحابہ کو ایسا یقین تھا کہ قسم کھا بیٹھے تھے۔ اپنے نوم کا وہی حال بیان کرتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا یعنی بشہادت احادیث وہ بھی یہی کہتا تھا کہ **تنام عینای و لا ینام قلبی** اور اس وجہ سے خیال مذکور یعنی دجال کا منشا مولد ارواح کفار کو ہونا اور پھر اس کے ساتھ ابن صیاد ہی کا دجال ہونا زیادہ ترجیح ہوا جاتا ہے اور اس کی صحت کا گمان قوی ہوا جاتا ہے۔" (آب حیات ص ۱۶۹)

معاذ اللہ، استغفر اللہ! گستاخی اور بے باکی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان (دیوبند) میں اس کی کوئی حد وانتہا ہے ہی نہیں۔

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ آقائے کل جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک روح الارواح ہے۔ اور آپ کی ذات مقدسہ تمام ممکنات کے لئے منشاء وجود ہے۔ لیکن دجال لعین کے لئے منشائیت ارواح کفار کا قول کرنا کہاں کی دانشمندی وعلمی وذوقی بات ہے۔ بھلا بتلاؤ یہ بھی کوئی عقلمندی ہے۔ تو بندہ تھا خدا کا اور اب تو دیوبندی ہے۔

ان لوگوں کا بھی عجیب معاملہ ہے کبھی تو شیطان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اعلم بتائیں (براہین قاطعہ) اور کبھی دجال لعین کو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ٹھہرائیں اور پھر صرف یہی نہیں کہ دجال کو متصف بحیات بالذات جان کر اس کے حق میں امتناع انفاک حیات کا قول کرنا بلکہ دجال کی موت اور نیند کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موت اور نیند سے پورا پورا تطابق کرنے کے لئے "**تنام عینای و لاینام قلبی**" کا وصف نبوت بعینہ دجال لعین کے لئے ثابت کرنا اور اس کے ثبوت میں خود دجال کے قول کو دلیل بنانا یہ سب کچھ کیا

ثابت کرتا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا دجال لعین ؟

بقول شاعر

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز!

علمائے دیوبند کے بارے میں ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے اس بحث کو اس جگہ پر ختم کرتے ہیں۔

غیر مقلدین اور حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ (**حیاۃ النبی فی القبر**) کے متقدمین کی اکثریت تو حیاۃ النبی فی القبر کی قائل تھی لیکن بعد میں اس کے منکرین پیدا ہوتے گئے اور اب تو اکثریت اس کی منکر ہو چکی ہے۔ اور جو مانتے ہیں وہ بھی صرف برزخی زندگی جیسی کہ عام لوگوں کو قبور میں حاصل ہے۔ اس سے زیادہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کو حیثیت دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

یہاں ہم چند غیر مقلدین کے بھی حوالے پیش کرتے ہیں تا کہ ہمارا موقف زیادہ واضح ہو جائے۔

جناب قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی صاحب فرماتے ہیں:

(والاحادیث) فیها مشروعیة الاکثار من الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم الجمعة وانها تعرض علیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و انه حیی فی قبره .... و قد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حیی بعد وفاته و انه یسر بطاعات امته و ان الانبیاء لا یبلون مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتی. و ورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون و ان الحیاة فیهم متعلقة بالجسد فکیف الانبیاء والمرسلین. (نیل الاوطار ۳: ۲۴۸)

اوران احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی مشروعیت ہے اور بے شک درود شریف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے اور بلا شک وشبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کے نیک کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور بے شک انبیائے کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے جبکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع تو سب قبر والوں کے لئے ثابت ہے۔ اور شہداء کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی یہ حیات جسم کے ساتھ ہے حضرات انبیاء ومرسلین کی حیات جسم سے متعلق کیوں نہ ہوگی۔

شوکانی کی اس عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ چونکہ شہداء عظام کی حیاۃ فی القبر جسمانی ہے تو انبیائے کرام کی حیاۃ بطریق اولیٰ حقیقی وجسمانی ہوگی۔ کیونکہ انبیاء کے اجسام تو بالاتفاق صحیح وسالم ہوتے ہیں اور یہ ہر قسم کے تغیر وتبدل سے پاک ہوتے ہیں۔

علامہ شوکانی ہی ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم و قد صححہ البیہقی و الف فی ذلک جزءاً قال الاستاذ ابومنصور البغدادی . قال المتکلون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیی بعد وفاتہ (انتھی) (نیل الاوطار ۵)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔ استاذ ابومنصور البغدادی نے فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب میں متکلمین اور محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔

نواب صدیق الحسن بھوپالوی صاحب لکھتے ہیں:

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیی فی قبرہ بعدموتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم و قد صححہ البیہقی.

(السراج الوہاج شرح مسلم ۱:۵۰۴)

بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصال مقدس کے بعد اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس حدیث کی امام بیہقی نے تصحیح فرمائی۔

یہی نواب صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''آپ زندہ ہیں اپنی قبر میں اور نماز پڑھتے ہیں اندر اس کے اذان اور اقامت کے ساتھ وکذلک الانبیاء''۔ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۵۲)

جناب مولوی محمد اسماعیل صاحب سلفی لکھتے ہیں:

''اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر کے اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات، تسبیح وتہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسب حال اور حسب ضرورت دیا جاتا ہے۔..................

انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (تحریک آزادی فکر ۳۸۵)

مولوی عطاء اللہ حنیف نے لکھا ہے:

انھم احیاء فی قبورھم یصلون و قدقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا بلغتہ.

(التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی ۱:۲۳۷)

حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے تو مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

مولوی شمس الحق عظیم آبادی نے لکھا ہے:

فان الانبیاء فی قبورھم احیاء قال ابن حجر المکی و ما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیاۃ بھا یتعبدون و یصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام و الشراب کالملئکۃ .... و قد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیی بعد وفاتہ و انہ یسر بطاعات امتہ ....

(عون المعبود شرح ابوداؤد ۱:۴۰۵)

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی حیات ایسی ہے کہ وہ عبادات کرتے ہیں اور اپنی قبور میں نمازیں ادا کرتے ہیں اور ملائکہ کی طرح کھانے پینے سے مستغنی ہیں ....اور محققین کی ایک جماعت کا یہی دعوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور اپنی امت کے نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں۔

اس عبارت میں: انہ یسر بطاعات امتہ. (کہ وہ اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں) قابل غور ہے۔ یہ عبارت شوکانی نے بھی نقل کی ہے جیسا کہ گذرا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت نیک اعمال کر رہی ہے یا کہ نہیں لازماً یا تو آپ پر اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یا پھر آپ خود اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں جیسا کہ قرآن میں حکم خداوندی ہے۔

اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ. (توبہ: ۱۰۵)

عمل کرو اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اس طرف اشارہ بھی

فرمایا ہے جس کا حوالہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔

ویل وہابیہ جناب مولوی وحید الزماں صاحب نے لکھا ہے:

''تو کل پیغمبر کے جسم زمین کے اندر صحیح و سالم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں جو کوئی قبر کے پاس درود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سن لیتے ہیں۔ اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچادیتے ہیں۔'' (سنن ابن ماجہ مترجم ۱:۴۵۶)

غیر مقلدین کے شیخ الکل جناب مولوی میاں نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں:

''اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب حدیث سے واضح ہے لیکن کیفیت حیات کی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اوروں کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں۔''

(فتاوی نذیریہ ۱:۵۱، ۵۲ بحوالہ فتاوی علمائے حدیث ۹:۲۸۲، ۲۸۳)

جناب حافظ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یہ زندگی برزخی ہے نہ کہ دنیوی انبیاء علیہم السلام برزخ میں زندہ بلکہ سب لوگ زندہ ہیں اسی لئے وہاں تعظیم وتعذیب کی صورت ہے۔

حدیث: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)

(الاعتصام ۲ شمارہ ۸ بحوالہ فتاوی علمائے حدیث ۹:۱۲۵)

حمد بن ناصر نجدی نے کہا ہے:

فان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فھم فی قبورھم طریون. (مجموعہ رسائل النجدیہ ۴:۶۵۲)

بے شک اللہ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے پس وہ اپنی قبور میں تروتازہ ہیں۔

حضرت امام محی الدین بن شرف فرماتے ہیں:

و لیکن من اول قد ومه الی ان یرجع مستشعر تعظیمه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ممتلی القلب هیبته کانه یراه .... فیقول السلام علیک یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم.

(کتاب الایجاز فی المناسک للنووی ص۴۶، ۴۷)

اوراول حاضری کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے لوٹے اورآپ کے رعب وہیبت سے اس کا دل بھرپور ہو گویا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو دیکھ رہے ہیں پھر اس طرح عرض کرتے السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت امام ابوالمحاسن قاوقجی حنفی (م۱۳۰۵) فرماتے ہیں:

ثم انهض الی القبر المکرم فاستقبله و استدبر القبلة مستحضر جلالة هذا الموقف ملاحظا نظره السعید الیک و سماعه کلامک ورده سلامک و تامینه علی دعائک و قل السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا حبیب الله. (غنیۃ الطالبین فی مایجب من احکام الدین للقاوقجی ۱۱۵، مصر)

اور پھر قبر منورہ کی طرف باادب اس طرح کھڑا ہو کہ قبر شریف کی طرف منہ اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیونکہ یہ وہ مبارک جگہ ہے کہ آپ کی نظر مبارک تجھ پر ہے اور وہ تیرا کلام سماعت فرمارہے ہیں اور تیرے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں اور تیری دعا پر آمین فرماتے ہیں پھر یوں عرض گذار ہو۔ یا رسول اللہ آپ پرسلام اے حبیب اللہ آپ پرسلام ہو۔

حضرت امام عبداللہ محمود بن مودود موصلی حنفی فرماتے ہیں:

و یقف کمایقف فی الصلوة ویمثل صورته الکریمة البهیة صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه .... ویقول السلام علیک یا نبی الله. (الاختیار لتعلیل المختار للامام عبداللہ ۱:۱۷۶)

زائر روضہ اقدس کے سامنے یوں کھڑا ہو جیسے قیام نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا تصور کرے گویا کہ آپ محو استراحت ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں تو چاہئے کہ زائر عرض کرے السلام علیک یارسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ۔

حضرت امام ابن الحاج مکی فرماتے ہیں:

و قد قال علمائنا رحمة الله علیهم ان الزائر یشعر نفسه بانه واقف بین یدیه علیه الصلوة والسلام کماهو فی حیاته اذلا فرق بین موته وحیاته اعنی فی مشاهدته لأمته ومعرفته باحوالهم و نیاتهم و عزائمهم وخواطرهم و ذلک عنده جلی لاخفا فیه. (المدخل لابن الحاج ۱:۲۵۹)

ہمارے علماء نے بیان فرمایا کہ زائر اپنے آپ کو خیال کرے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا ہے جیسا کہ آپ کی ظاہری حیات میں کھڑا ہوا جاتا تھا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی امت کو مشاہدہ فرمانے اوران کے احوال اوران کی نیتیں وعزائم جاننے میں آپ کی حیات وفات میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ تمام اشیاء آپ کے سامنے واضح ہیں مخفی نہیں ہیں۔

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحقیق کی کسوٹی پر

یہ روایت الحمدللہ بالکل صحیح ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں علماء ومحدثین کے کئی حوالوں سے ثابت ہوا لیکن اس کے باوجود بعض عظمت انبیاء کے منکر لوگوں نے اس کی صحیح سند میں کلام کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام جسارت کی ہے کہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

چونکہ یہ حدیث حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حقیقی جسمانی اور دنیاوی زندگی ثابت کرتی ہے اس لئے منکرین کی یہ کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس حدیث کو ضعیف ثابت کرکے اپنا غلط عقیدہ ومسلک عوام میں رائج کرسکیں۔ لیکن ہم اللہ کے فضل وکرم سے ثابت کریں گے کہ یہ حدیث شریف ہر لحاظ سے قابل حجت وصحیح ہے۔

اس پر ابھی تک جو اعتراضات ہماری نظر سے گذرے ہیں ہم ان کو ترتیب وار نقل

کرکےان کےمسکت جوابات دیتے ہیں۔

پہلا اعتراض:

اس حدیث کی سند پر اعتراض کرتے ہوئے مشہور غیر مقلد مولوی اسماعیل سلفی صاحب نے لکھا ہے:

اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابن عدی کا قول ''لا باس بہ'' ذکر کر کے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی:

قلت بل هو هالک قال الدار قطني في رواية البرقاني متروک الحديث قال ابو حاتم ضعيف قال الازدی واهي الحديث قال العقيلي كثير الوهم ۱/۲۴۱ (یعنی ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں یہ ہالک متروک الحدیث ضعیف واہی الحدیث اور کثیر الوہم ہے۔)

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ص ۲۴۶ ج ۱ میں ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر اس جرح کی تصدیق فرمادی ہے۔ حافظ خطیب بغدادی نے بھی اسے واہی الحدیث اور متروک الحدیث فرمایا ہے۔ (تاریخ بغداد ۷:۴۰۵)

(تحریک آزادی فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی ص ۴۰۵)

جواب:

یہ اعتراض بالکل سطحی اور مردود ہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق اس حدیث کا اپنی سند کے ساتھ اخراج کرنے والے محدثین کی تعداد کم از کم نو ہے۔

ان میں سے (۱) امام بیہقی نے حیاۃ الانبیاء ص ۱۵ میں، (۲) امام بزار نے مسند البزار ۱/، (کشف الاستار عن زوائد البزار ۳/۱:۱۰۱) (۳) امام ابن عساکر نے (تہذیب تاریخ دمشق ص ۴/

۲۳) (۴) امام تمام بن محمد الرازی نے فوائد التمام ۴:۲۴۶، (۵) امام ابن عدی نے الکامل ۲:۷۳۹ میں جس سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اس میں یہ راوی (الحسن بن قتیبہ موجود ہے)

(تاریخ دمشق ۱۳:۳۲۶ مطبوعہ وقلمی نسخہ ۴/۵۶۶)

لیکن اس کے برعکس (۶) امام ابویعلی الموصلی نے (مسند ابویعلی ۶:۱۴۷ بتحقیق ڈاکٹر سلیم اسد)، امام بیہقی نے (حیاۃ الانبیاء ص ۱۷ اور (۷) امام ابونعیم اصبہانی نے (تاریخ اصبہان ۲/۸۳) میں اس کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یہ راوی ہے ہی نہیں اور ہمارا استدلال اسی سند کے ساتھ ہے جو کہ امام ابویعلی نے نقل کی ہے۔

(۸) اور اس روایت کو امام ابن مندہ نے بھی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں (شرح الصدور ص ۵۵ للسیوطی) لیکن فی الحال ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ابن مندہ کی سند میں یہ مجروح راوی ہے یا کہ نہیں کیونکہ علامہ سیوطی نے اس کی سند پیش نہیں کی۔ (۹) اسی طرح اس کو حافظ شیرویہ بن شہردار بن الدیلمی نے (فردوس الاخبار ۱:۱۵۴) میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ (کتاب الافراد للدارقطنی کذا فی اطراف الافراد ۲/۳۱ برقم ۶۹۰)

تو ثابت ہوا کہ جناب سلفی صاحب کا یہ اعتراض بالکل بے محل اور مردود ہے اور جناب سلفی صاحب کی کم علمی اور علم حدیث سے ناواقف ہونے کا بین ثبوت ہے کیونکہ ایک راوی پر جرح کر کے کسی حدیث کو ضعیف ٹھہرانا صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مجروح راوی متفرد ہو۔ اور حدیث کا دار ومدار اسی مجروح راوی پر ہو لیکن یہاں ایسا معاملہ ہرگز نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ معترض صاحب اس اصول سے واقف نہیں ہیں۔

دوسرا اعتراض:

اس حدیث کی سند پر دوسرا اعتراض مولوی سجاد بخاری دیوبندی نے یوں کیا ہے:

''مگر یہ حدیث صحیح کی شرطوں پر پورا نہیں اترتی۔ اول اسلئے کہ اس کا ایک راوی ہے ابو الجہم الازرق بن علی، یہ ثقاہت کے اس درجہ سے محروم ہے جو صحیح حدیث کی شرط ہے۔ وہ صدوق ہے اور یہ توثیق کا بہت ادنیٰ درجہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتا لیکن غلطی

سے روایت میں غلط سلط باتیں کہہ جاتا ہے.............. الازرق بن علی کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں الازرق بن علی حنفی ابوالجہم صدوق یغرب من الحادیۃ عشرۃ.(تقرب ص ۲۵)

ازرق علی حنفی ابوالجہم صدوق ہے، غریب حدیثیں بیان کرتا ہے۔ گیارہویں طبقہ سے ہے۔

نیز فرماتے ہیں: ذکر ابن حبان فی الثقات و قال یغرب .

(تہذیب التہذیب ا:۲۰۰)

ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ غریب حدیثیں لاتے ہیں۔

(اقامۃ البرہان علی ابطال وساوس ہدیۃ الحیر ان ص ۲۴۹)

جواب:

پہلے نمبر پر تو یہ بات ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے اور جہاں تک علامہ ابن حجر نے اس کو صدوق یغرب کہا ہے تو یہ جرح نہیں تعدیل ہے اور یہ کہنا کہ یہ ثقاہت کے اس مرتبے سے محروم ہے جو کہ صحیح حدیث کی شرط ہے مردود ہے چونکہ ہم پچھلے صفحات میں بالتفصیل اور باحوالہ محدثین کرام کے حوالہ جات نقل کر آئے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اگر علامہ ابن حجر کا صدوق یُغرب کہنا اس کو صحیح کے مرتبہ سے گراتا ہے تو یہ تو آپ نے صحیحین کے رواۃ کے بارے میں بھی لکھا ہے تو کیا صحیحین بھی صحت کے درجے سے گر جائیں گی ؟

ملاحظہ فرمائیں حضرت علامہ ابن حجر صحیح بخاری کے راوی ازہر بن جمیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

ازھر بن جمیل بن جناح الھاشمی مولا ھم البصری الشطی صدوق یغرب من العاشرۃ .

(تقریب التہذیب ا:۲۶)

ازہر بن جمیل بن جناح الہاشمی مولاہم البصری الشطی صدوق ہے غریب حدیثیں لاتا ہے اور دسویں طبقہ میں سے ہے۔

اور ایک راوی سلمہ بن رجا کے بارے میں لکھتے ہیں:

سلمۃ بن رجا التمیمی ابو عبدالرحمن الکوفی صدوق یغرب من الثامنۃ.

(تقریب ا:۱۳۰)

سلمہ بن رجا تمیمی ابوعبدالرحمٰن کوفی صدوق ہے غریب احادیث لاتا ہے اور آٹھویں طبقہ سے ہے۔

اسی طرح مسلم کے راوی خالد بن قیس کے بارے میں لکھا ہے:

خالد بن قیس بن رباح الازدی الحدّانی البصری صدوق یغرب من السابعۃ.

(تقریب ا:۹۰)

خالد بن قیس بن رباح ازدی حدانی بصری صدوق ہے غریب حدیثیں لاتا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اگر ان رواۃ کی احادیث صحیحین میں ہوں اور وہ صحت کے درجے سے نہ گریں تو الازرق بن علی پر بھی اسی طرح کے الفاظ ہوں تو حدیث کیوں درجہ صحت سے گر جاتی ہے؟

اور پھر اس کو امام ابن حبان نے "ثقۃ یغرب" کہا ہے جیسا کہ خلاصہ تہذیب الکمال میں علامہ صفی الدین احمد بن عبدالخزرجی فرماتے ہیں:

و قال ابن حبان ثقۃ یغرب. (خلاصہ تہذیب الکمال ا:۶۴)

ابن حبان نے فرمایا کہ ثقہ ہے اور غریب احادیث لاتا ہے۔

تو اس صفت کے راوی تو صحیحین میں بہت سارے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ (ثقہ یغرب) والا راوی صحت کے درجے سے گر جاتا ہے تو پھر تو صحیحین کے بہتیرے رواۃ درجہ صحت سے گر جائیں گے اور صحیحین کی صحت بھی مشکوک ٹھہرے گی۔ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ ثقہ یغرب کے الفاظ کس کس راوی کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں۔

ابراہیم بن طہمان: اس راوی سے بخاری و مسلم سمیت تمام اصحاب ستہ نے روایت لی ہے۔

اس کے بارے میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

ثقة يغرب و تعلم فيه الارجا. (تقریب ۱:۳۰)

ثقہ ہے غریب حدیثیں لاتا ہے، مرجئی ہے۔

بشر بن خالد: بخاری و مسلم کا راوی ہے۔ یہ بھی ثقه يغرب ہے۔ (تقریب ۱:۴۴)

ابراہیم بن سوید: ثقه يغرب . (تقریب ۱:۲۰)

بشیر بن سلیمان: صحیح مسلم کا راوی۔ ثقه يغرب . (تقریب ۱:۴۶)

الحسن بن احمد بن ابی شعیب. ثقه يغرب . (تقریب ۱:۶۸)

تو اب کیا کہتے ہیں دیوبندی علماء کرام کہ یہ تمام رواۃ صحیح کے مرتبے میں ہیں یا نہیں؟ ان کی روایات صحت کے درجے تک ہیں یا کہ نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ يغرب اور غريب الحديث کی اصطلاحات میں فرق نہیں جانتے ورنہ ایسا کبھی نہ لکھتے۔

ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے اور اگر کوئی ہٹ دھرمی سے کام لے اور کہے کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ راوی ثقہ ہے اور اس کی روایت صحیح کے مقام پر ہے تو ہم کہیں گے کہ اس راویت میں اگر یہ راوی ضعیف بھی ثابت ہو جائے تو ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ اس راوی کی متابع موجود ہے۔ جو کہ امام ابونعیم الاصبہانی کی سند میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ابونعیم کی سند:

حدثنا علی بن محمود ثنا عبدالله بن ابراهيم بن الصباح ثنا عبد الله محمد بن يحيى بن ابی بكير ثنا المستلم بن سعيد عن حجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : الانبياء احياء فی قبورهم يصلون. (کتاب ذکر اخبار اصبہان ۲:۸۳)

بسند مذکور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

اس سند میں ازرق بن علی راوی نہیں بلکہ اس کے بجائے عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکر ہے جو کہ ازرق بن علی کا متابع ہے اور یہ بھی ثقہ۔

ملاحظہ فرمائیں (اس راوی کے بارے میں) خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

عبدالله بن محمد بن يحيى بن ابی بكير ، ابو عبدالرحمن سمع جده يحيى بن ابی بكير قاضی كرمان روی عن احمد بن جعفر التغلبی ويحيى بن صاعد و محمد بن مخلد و كان ثقة. (تاریخ بغداد ۱۰:۸۰)

عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر، ابوعبدالرحمٰن اس نے اپنے دادا یحیی بن بکیر جو کہ کرمان کے قاضی تھے سے سماعت کی اور اس سے احمد بن جعفر تغلبی یحیی بن صاعد اور محمد بن مخلد نے روایت لی اور یہ ثقہ ہے۔

امام ابوالشیخ اصبہانی فرماتے ہیں:

عبد الله بن محمد بن يحيى بن ابی بكير الكرمانی قدم اصبهان و حدث بها و كان صدوقاً. (طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا ۲:۲۸۳ بیروت)

وہ صدوق (سچا) ہے۔

امام ابونعیم فرماتے ہیں:

عبدالله بن محمد بن يحيى بن ابی بكير الكرمانی ابو محمد و قيل ابوعبد الرحمن قدم اصبهان و حدث بها و كان صدوقاً.

(کتاب ذکر اخبار اصبہان ۲:۵۱)

وہ صدوق (سچا) ہے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

عبد الله بن محمد بن يحيى بن ابی بكير الكرمانی يروی عن جده يحيى بن ابی بكير ويزيد بن هارون ثنا عنه احمد بن يحيى بن زهير التستری وغيرهم، مستقيم الحديث. (کتاب الثقات لابن حبان ۸:۳۶۵)

عبداللہ بن محمد بن یحیی بن ابی بکیر کرمانی اپنے دادا یحیی بن ابی بکیر اور یزید بن ہارون

سے روایت کرتا ہے اور اس سے احمد بن یحیی بن زہیر تستری نے روایت لی ہے اور یہ مستقیم الحدیث ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ متابع جو کہ ازرق بن علی کا ہے یہ قوی اور ثقہ ہے اور دیوبندیوں کا اس راوی کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دینا ان کی کم علمی اور تعصب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور علمی دنیا میں اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض: مولوی سجاد بخاری غلام خانی نے لکھا ہے:

"اس حدیث کا ایک راوی مستلم بن سعید ہے۔ وہ ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہم کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔"

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

مستلم بن سعید الثقفی الواسطی صدوق عابد ربما و هم .

(تقریب ص ۳۵۱)

مستلم بن سعید ثقفی واسطی صدوق ہے اور بعض دفعہ وہم کا بھی شکار ہوتا رہتا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال ربما خالف.

ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ کبھی کبھی روایت حدیث میں ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔

جواب:

قارئین کرام یہ ہے ان لوگوں کی علمی دیانت اور مبلغ علم کہ ایک تو تہذیب سے صرف **ربما خالف** کے الفاظ نقل کئے ہیں اور دیگر محدثین کے اقوال تعدیل مولوی صاحب نہ جانے کیوں چھپا گئے ہیں جبکہ یہ راوی ثقہ ہے اور ایسے راوی پر مبہم جرح قطعاً مردود اور ناقابل التفات ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نقل فرماتے ہیں:

مستلم بن سعید الثقفی الواسطی العابد .... قال حرب عن احمد شیخ ثقة من اهل واسط قلیل الحدیث وقال اسحاق بن منصور عن ابن معین صویلح......... وقال النسائی لیس به بأس و ذکره ابن حبان فی الثقات وقال ربما خالف. (تہذیب التہذیب ۱۰:۱۰۴)

امام احمد نے فرمایا: کہ یہ شیخ ثقہ ہے۔ امام ابن معین نے فرمایا ہے صویلح ہے۔ بلکہ امام نسائی نے فرمایا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں بیان فرمایا اور کہا کہ کبھی کبھار مخالفت کرتا ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے جیسا کہ امام داؤد نے امام احمد سے نقل فرمایا ہے:

سمعت احمد قیل له المستلم؟ قال ثقة.

(سوالات ابی داؤد فی الجرح والتعدیل ص ۳۲۱)

ثقہ ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

صدوق. (الکاشف ۳:۱۱۹)

سچا ہے۔

اب جبکہ یہ راوی ثقہ وصدوق ثابت ہو گیا تو **ربما وهم و ربما خالف** کے الفاظ اس راوی کو ثقاہت کے درجے سے گرا نہیں سکتے۔ ملاحظہ فرمائیں مشہور دیوبندی عالم ظفر احمد عثمانی تھانوی لکھتے ہیں:

اذا قالوا فی رجل : له اوهام اویهم فی حدیثه او یخطئ فیه . فهذا لا ینزله عن درجة الثقة ، فان الوهم الیسیر لا یضر ولا یخلوا احد.

(قواعد فی علوم الحدیث ۱۶۸)

اور جب کسی راوی کے بارے میں محدثین کہیں کہ **له اوهام** (اس کے لئے وہم ہیں) یا وہ حدیث میں وہمی ہے یا غلطی کرتا ہے تو یہ الفاظ اس کو ثقہ کے درجہ سے نہیں گراتے کیونکہ قلیل وہم مضر نہیں ہے اور اس سے خالی و پاک کوئی ایک بھی نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ جرح ہی نہیں۔ اگر یہ جرح ہے تو پھر صحیحین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ دیکھیں کتنے رواۃ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ الفاظ فرمائے ہیں ۔ملاحظہ فرمائیں:

(خ) ابراہیم بن یوسف بن اسحاق (م۔خت) اسامہ بن زید اللیثی (م) اسمعیل بن عبدالرحمٰن اسدی (خ) ایمن بن نابل (خ) جابر بن عمرو (م) جبر بن نوف (ح) حاتم بن اسمعیل (م) حرب بن ابی العالیہ (خ) حرمی بن عمارہ (خ) حزم بن ابی حزم (خ) حسن بن الصباح (م) حسن بن فرات (م) حمید بن زیاد (م) ربیعہ بن کلثوم۔ عبداللہ بن عبداللہ بن قیس وغیرہم کے بارے میں یہی الفاظ مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں تقریب التہذیب۔

تو ثابت ہوا کہ یہ خود ساختہ اعتراض بھی پہلے اعتراضات کی طرح مردود ہے۔

چوتھا اعتراض:

اس حدیث کی سند پر منکرین شان رسالت کا بزعم خویش بہت وزنی اور بہت اہم یہ اعتراض ہے کیونکہ یہ ان کا خود ساختہ نہیں بلکہ یہ اعتراض دنیائے علم وفن کے ایک بہت بڑے ماہر یعنی حضرت امام ذہبی نے کیا ہے۔

مولوی سجاد بخاری صاحب اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

ایک راوی حجاج بن الاسود ہے۔ یہ راوی ذات اور حال دونوں اعتبار سے مجہول ہے مستلم بن سعید کے سوا کوئی اس سے روایت نہیں کرتا۔ یہ حدیث جو اس نے ثابت بنانی کے واسطے سے حضرت انس سے بیان کی ہے

امام ذہبی اس کو حدیث منکر فرماتے ہیں:

حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نکرة ما روی عنه فیما اعلم سوی

مستلم بن سعید فاتی بخبر منکر عنه عن الانس فی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواه البیهقی. (میزان الاعتدال ۱:۴۶۰)

حجاج بن الاسود ثابت بنانی سے روایت کرتا ہے وہ مجہول العین والحال ہے۔ میرے علم کے مطابق مستلم بن سعید کے سوا کوئی اور اس سے روایت نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے ثابت کے ذریعے انس سے ایک منکر حدیث روایت کی ہے کہ انبیاء قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

جواب:

جناب سجاد بخاری صاحب کا یہ کہنا کہ یہ راوی ذات اور حال (مجہول العین والحال) ہے یہ بالکل غلط ہے اور امام ذہبی نے بھی اس راوی کا مجہول ہونا کسی محدث سے نقل نہیں فرمایا یعنی امام ذہبی سے پہلے اس راوی کو کسی بھی محدث نے نکرہ یا مجہول نہیں لکھا۔ یہ امام ذہبی کا اپنا قول واجتہاد ہے جو کہ عقل ونقل کے لحاظ سے خلاف واقعہ وغلط ہے ملاحظہ فرمائیں امام ذہبی خود فرماتے ہیں:

و ان قلت : فیه جهالة او نکرة او یجهل او لایعرف و امثال ذلک ولم اعزوه الی قائل فهو من قبلی. (میزان الاعتدال ۱:۶)

اگر میں کسی راوی کے بارے میں کہوں کہ اس میں جہالت ہے یا وہ نکرہ ہے یا جہالت کی نسبت اس کی طرف معروف یا اس جیسا کوئی لفظ کہوں اور اس کی کسی کی طرف نسبت نہ کروں تو یہ جرح میری طرف سے ہوگی۔

ثابت ہوا کہ امام ذہبی کا اپنا اجتہاد ہے۔

پہلے نمبر پر تو بات یہ ہے کہ یہاں امام ذہبی کو سہو ہوگیا ہے۔ یہ راوی مجہول نہیں ہے جیسا کہ امام عسقلانی فرماتے ہیں: **حجاج بن الاسود .... انما هو حجاج بن ابی زیادة الاسود یعرف بزق العسل و هو بصری .... قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معین ثقة و قال ابو حاتم صالح الحدیث و ذکره ابن حبان فی الثقات.** (لسان المیزان ۲:۱۷۵)

حجاج الاسود......وہ حجاج بن ابی زیاد ہے جو کہ زق العسل کے نام سے مشہور ہے اور بصری ہے امام احمد نے فرمایا ثقہ ہے اور صالح آدمی ہے۔امام ابن معین نے فرمایا ثقہ ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ صالح الحدیث ہے۔امام ابن حبان نے اس کو باب الثقات میں (۶:۲۰۲) ذکر کیا ہے۔

اور اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے بھی اس راوی کی تعدیل ہی نقل کی ہے۔جرح کا کوئی لفظ نقل نہیں کیا۔ملاحظہ فرمائیں کتاب الجرح والتعدیل ۳:۱۶۱ اور امام یحیی بن معین نے کہا حجاج الاسود بصری ثقہ ہے۔(تاریخ یحیی بن معین ۲:۱۰۱)

اب جبکہ یہ بات دلائل سے واضح ہوگئی کہ یہ راوی مجہول نہیں بلکہ معروف اور زبردست ثقہ ہے تو یہ روایت بھی صحیح ثابت ہوگئی۔

لیکن بعض حضرات امام ذہبی کی اس عبارت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہے ہیں۔اور طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔

مولوی سجاد بخاری لکھتے ہیں:

''اسماء الرجال میں امام ذہبی استقراء تام کے مالک ہیں اور اس فن میں ان کی رائے معاصرین اور بعد کے علماء کی رائے پر فائق اور راجح ہے۔یہ بات بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ امام ذہبی ایسا ماہر فن اور رجال کا وسیع علم رکھنے والا امام احمد، ابن معین اور ابوحاتم ایسے ائمہ جرح وتعدیل کی توثیق سے بے خبر ہو اور اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ جریر، عیسیٰ، حماد اور روح ایسے ائمہ ثقات اس سے روایت کرتے ہیں اور اس بے خبری میں مجہول کہہ دیا............الخ۔

(اقامۃ البرہان،۲۵۲)

ایک اور شخص یعنی شر محمد مماتی نقل کرتے ہیں:

''علامہ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد رجال میں کامل ملکہ حاصل ہے۔جب علامہ ذہبی کو رواۃ اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ محدثین کرام ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں تو ان پر بلا وجہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے۔''

(آئینہ تسکین الصدور ص۳۲)

جواب:

امام ذہبی کی اسماء الرجال میں تحقیق وعلم استقراء تام کے درجہ میں ہے۔یہ بجا۔اور ''رواۃ'' اور رجال کو پرکھنے کی مکمل مہارت ہے۔یہ بھی صحیح۔لیکن امام ذہبی معصوم نہیں ہیں کہ ان سے غلطی کا امکان ہی نہ ہو اور اس راوی کو نکرہ کہنا ان کی غلطی ہے جس کا انہوں نے خود بھی اقرار کیا ہے اس راوی کے بارے میں امام ذہبی خود فرماتے ہیں:

قلت حجاج ثقة. (تلخیص المستدرک ۴:۳۲۲ کتاب الرقاق)

حجاج ثقہ ہے۔

امام ذہبی خود اس راوی کو ثقہ گردانتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ میزان میں یا تو علامہ ذہبی کو سہو ہوگیا ہے یا پھر انہوں نے بعد میں ویسے ہی اس جرح سے رجوع کرلیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں:

حجاج الاسود القسملی و یقال له حجاج زق العسل و هو حجاج بن ابی زیاد حدث عن شهر و ابی نضرة و جماعة بصری صدوق و روی عنه جعفر بن سلیمان و عیسیٰ بن یونس و روح و کان من الصلحاء و ثقه ابن معین.

(سیر اعلام النبلاء ۷:۶۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حجاج الاسود القسملی، اور اس کو حجاج زق العسل بھی کہتے ہیں اور وہ حجاج بن ابی زیاد ہے جو کہ شہر، ابونضرہ اور محدثین کی ایک جماعت سے روایت لیتا ہے اور بصری ہے اور صدوق ہے اور اس سے جعفر بن سلیمان اور عیسیٰ بن یونس اور روح نے روایت کی ہے وہ علماء میں ہے۔ امام ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ امام ذہبی نے اپنی جرح سے خود ہی رجوع فرمالیا تھا۔اور اگر کوئی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ یہ راوی بہر حال مجہول ہے چونکہ اس کو امام ذہبی نے مجہول کہہ دیا ہے تو میں عرض کرونگا کہ امام ذہبی نے تو بہت سارے ثقات کو میزان الاعتدال میں مجہول لکھ دیا

ہے تو کیا آپ ان سب ثقہ راویوں کو فقط امام ذہبی کے کہنے پر مجہول مان لیں گے؟

آئیں چند مثالیں میزان سے پیش کرتا ہوں کہ امام ذہبی نے کن کن ثقہ رواۃ کے بارے میں مجہول وغیرہ جیسے الفاظ لکھے ہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

الحسن بن الحسن یسار ذکرہ ابن ابی حاتم مجھول.

کہ اس کو ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے یہ مجہول ہے۔

اب دیکھیں کہ راوی ایسا ہے کہ جس سے امام بخاری ومسلم وغیرہما نے روایت لی ہے اور میزان الاعتدال میں اس کے بارے میں مجہول لکھا گیا ہے۔

حضرت علامہ المزی لکھتے ہیں:

الحسین بن الحسن یسار .... قال احمد بن حنبل من الثقات المامونین وقال النسائی ثقة وذکرہ ابن حبان فی الثقات روی له بخاری ومسلم و نسائی . (تہذیب الکمال ۴:۴۵۹)

الحسین بن حسن بن یسار کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا یہ ثقات مامونین میں سے ہے اور نسائی نے کہا ثقہ ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اس سے امام بخاری وامام مسلم اور امام نسائی نے روایت لی ہے۔

حتیٰ کہ امام ذہبی نے تو ایک صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ لکھ دیئے ہیں:

مدلاج بن عمرو اسلمی لایدری من ھو . (میزان الاعتدال ۴:۸۶)

مدلاج ابن عمرو اسلمی کون ہے نہیں جانا گیا۔ یعنی یہ مجہول ہے۔ (استغفر اللہ)

امام حجر عسقلانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

و ھذا صحابی ذکرہ ابن حبان وغیرہ فی الصحابة .... و ھذا رجل من اھل بدر و لم یختلف عن ذکرہ احد ممن صنف فی الصحابة.

(لسان المیزان ۶:۱۲، ۱۳)

یہ صحابی رسول ہیں اور ان کا ذکر ابن حبان وغیرہ نے صحابہ میں کیا ہے اور یہ شخص اہل بدر میں سے ہیں یعنی بدری صحابی ہیں اور جس نے بھی صحابہ پر لکھا ان میں سے کسی کا بھی اختلاف ان کے صحابی ہونے میں نہیں ہے۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں لیکن کتاب کو طوالت سے بچانے کے لئے ہم انہیں دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ویسے بھی عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

پانچواں اعتراض:

اس حدیث پر شیر محمد مماتی اعتراض کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’دراصل حجاج بن اسود کی ثقاہت کی بحث کے علاوہ ان سے ماسوا مستلم بن سعید کے کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کی۔‘‘ (آئینہ تسکین الصدور ص ۳۲)

جواب:

جہاں تک حجاج بن اسود کا تعلق ہے تو ہم الحمد للہ اس کی ثقاہت نا قابل تردید حوالوں سے ثابت کر آئے ہیں اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس سے سوائے مستلم بن سعید کے اور کسی نے یہ روایت نہیں کی، یہ جرح ہے ہی نہیں۔ جب مستلم بن سعید ثقہ ہے تو پھر کتنے ہی راوی ہیں جو کہ بہت ساری احادیث میں متفرد ہیں لیکن ان احادیث پر اعتراض نہیں تو پھر اس پر کیوں ہے؟ آپ دور نہ جائیں، صحیحین میں کتنے راوی ہیں جن سے صرف ایک ہی راوی روایت کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

حضرت امام علامہ ابن حجر عسقلانی اسماء بن الحکم الفزاری کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

و قال البخاری لم یرو عنه الا ھذا الحدیث و حدیث آخر لم یتابع علیه .... قال المزی ھذا لا یقدح فی صحة الحدیث لان وجود المتابعة لیس بشرط فی صحة کل حدیث صحیح. (تہذیب التہذیب ۱:۲۶۷)

امام بخاری نے فرمایا کہ اس سے اس حدیث کے سوا اور کوئی روایت نہیں ہے اور اس کی

کوئی دوسری حدیث متابع بھی نہیں ہے اور مزی نے کہا کہ یہ بات صحت حدیث کے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ متابع کا پایا جانا ہر صحیح حدیث کیلئے ضروری نہیں ہے۔

اور پھر مشہور دیوبندی............جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی نے لکھا ہے:

من لم یرو عنہ الا واحد فقط لا یمتنع ان یکون ثقة محتجا به.

(قواعد فی علوم الحدیث ۲۳۷)

کہ جس راوی سے صرف ایک ہی راوی راویت کرے اس کے ثقہ اور قابل احتجاج ہونے کے منافی نہیں ہے۔

اور علامہ حافظ ابوبکر محمد بن موسی الحازمی فرماتے ہیں: **لا نهما قد خرجا في كتابهما احاديث جماعة من الصحابة ليس لهم الا راوواحد و احاديث لا تصرف الا من جهة واحدة.** (شروط الائمۃ الخمسۃ ص ۷۶)

کیونکہ بخاری ومسلم نے اپنی اپنی کتاب میں صحابہ کی ایک جماعت سے روایات لی ہیں کہ جن سے صرف ایک ہی راوی روایت کرنے والا ہے اور وہ حدیث سوائے اس ایک جہت کے کسی وجہ سے پہچانی بھی نہیں جاتی یعنی اس کا متابع بھی کوئی نہیں ہے۔

اور پھر علامہ الحازمی نے تفصیلاً ایسی احادیث کو نقل بھی کیا ہے کہ جن میں بعض مقامات پر صرف ایک ہی راوی ہے۔

تو جب مطلقاً ایک راوی سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی ہو وہ صحت حدیث کے منافی نہیں ہے۔تو پھر حجاج بن اسود سے تو کئی دیگر راوی بھی روایت کرتے ہیں۔اس لئے یہ اعتراض بالکل بچکانہ اور پاگلانہ اعتراض ہے۔

اعتراض:

شیر محمد مماتی جھنگوی نے لکھا ہے:

یہ حدیث **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.** جو کہ بزعم موصوف حیاۃ النبی بحیاۃ دنیویہ حقیقیہ جسمانیہ عنصریہ کے عقیدہ کی مرکزی دلیل ہے۔صرف مسند ابی یعلی و مسند بزار

میں صرف ایک صحابی سے مروی ہے جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت انس بن مالک ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ان کے بعد آپ کے سینکڑوں شاگرد تھے مگر یہ حدیث صرف ان کے ایک ہی شاگرد بتاتے ہیں جن کا اسم گرامی ثابت بنانی ہے۔ پھر آگے ان کے بیسیوں شاگرد تھے مگر یہ حدیث صرف ایک ہی شاگرد بتاتے ہیں جن کا نام حجاج بن اسود ہے۔ پھر ان سے صرف مستلم بن سعید روایت کرتے ہیں۔اب مستلم بن سعید کے شاگردوں میں سے صرف دو روایت کرتے ہیں جن میں سے ایک کا نام تو حسن بن قتیبہ خزاعی ہے اور یہ حسن بن قتیبہ خزاعی ابن عدی اور مسند بزار کا راوی ہے...........یہ صاحب ہالک الحدیث، متروک الحدیث، ضعیف، کثیر الوہم ہے۔

اب مستلم بن سعید کا ایک ہی شاگرد رہ گیا اور وہ ہے یحیی بن ابی بکیر۔ پھر اس کا ایک ہی شاگرد ابوالجہم الازرق بن علی پھر اس کا شاگرد صاحب مسند ابویعلی موصلی متوفی ۳۰۷ھ ہیں۔

الغرض حضرت انس سے لے کر ابویعلی تک چار صدیوں میں گنتی کے کل ۷،۶ آدمی ہیں اور اپنے اپنے استاد سے روایت کرنے میں سب متفرد ہیں۔

(آئینہ تسکین الصدور ۲۶، ۲۷)

اسی سے ملتا جلتا اعتراض سجاد بخاری غلام خانی نے بھی اقامۃ البرہان ۳۵۲ ص ۳۵۳ پر نقل کیا ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا سلسلہ وار جواب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) یہ حدیث صرف مسند ابی یعلی اور مسند بزار میں صرف ایک صحابی سے مروی ہے جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ اس دیوبندی مماتی مولوی صاحب کا علم تو اسی سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث اس کے مطابق صرف مسند ابی یعلی اور مسند بزار میں ہے حالانکہ ہم پچھلے صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ اس حدیث کو کم وبیش نو محدثین نے اپنی اپنی کتاب میں بسند نقل کیا ہے۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ صرف ایک صحابی حضرت انس بن مالک رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تو یہ تو کوئی جرح نہیں۔کتنی احادیث صحیحین میں موجود ہیں جو کہ صرف ایک صحابی سے مروی ہیں اور آگے ان سے روایت کرنے والا بھی صرف ایک ہی ہے۔کسی صحیح حدیث کا متابع نہ پایا جانا کوئی عیب و جرح نہیں ہے جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔

اعتراض کا دوسرا حصہ:

ان (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد آپ کے سینکڑوں شاگرد تھے۔مگر یہ حدیث صرف ان کے ایک ہی شاگرد بتاتے ہیں۔جن کا اسم گرامی ثابت بنانی ہے۔

جواب:

اگر واقعتاً ایسا ہی ہوتا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت صرف حضرت ثابت بنانی ہی روایت کرتے تو پھر بھی کچھ مضائقہ نہیں تھا کیونکہ حضرت ثابت بنانی زبردست ثقہ تابعی ہیں اور ثقہ کا تفرد مضر نہیں۔

لیکن یہاں تو معاملہ اس کے برعکس ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کرنے میں ثابت بنانی کے ساتھ عبدالعزیز (عندالبزار) اور ابوالملیح (عندالبیہقی) بھی موجود ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

امام بزار فرماتے ہیں:

حدثنا محمد بن عبدالرحمن بن المغفل الحرانی ثنا الحسن بن قتیبة المدائنی ثنا حماد بن سلمه عن عبد العزیز عن انس قال ، قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الانبیاء احیاء یصلون فی قبورهم. (کشف الاستار عن زوائد البزار ۳:۱۰۰ کتاب اعلام النبوۃ)

بسند مذکور، حضرت عبدالعزیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیائے کرام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

تو اس سند میں حضرت ثابت بنانی کے حضرت عبدالعزیز متابع ہیں۔

اور امام بیہقی نقل کرتے ہیں:

اخبرنا ابو عثمان الامام انبأ زاهر بن احمد انبأ ابو جعفر محمد بن معاذ المالینی ثنا الحسین بن الحسن ثنا مؤمل ثنا عبید الله بن ابی حمید الهذلی عن ابی الملیح عن انس بن مالک الانبیاء فی قبورهم احیاء یصلون.

(حیاۃ الانبیاء للبیہقی ۱۷)

بسند مذکور جناب ابوالملیح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انبیائے کرام قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ یہ اعتراض بھی کم علمی اور تعصب کا نتیجہ ہے اور حقیقت کے ساتھ اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

تو جب یہ اعتراض ہی باطل و مردود ہے تو آگے یہ اعتراض کرنا کہ حضرت ثابت سے حجاج بن الاسود اور حجاج بن الاسود سے سوائے مستلم کے یہ روایت کسی نے بھی روایت نہیں کی اپنے آپ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

اور پھر اس کے بعد یہ اعتراض کہ

مستلم کے شاگردوں میں سے صرف دو روایت کرتے ہیں جن میں سے ایک کا نام تو حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جو کہ مجروح راوی ہے۔

اب مستلم بن سعید کا صرف ایک ہی شاگرد رہ گیا وہ ہے کہ یحییٰ بن ابی بکیر پھر اس کا ایک ہی شاگرد ابوالجہم الازرق بن علی پھر اس کا شاگرد صاحب مسند ابویعلیٰ موصولی ہے۔

یہ اعتراض بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا بلکہ یہ اعتراض تو معترض کی علمی پستی پر ماتم کر رہا ہے کہ اس کو اتنا بھی علم نہیں کہ یحییٰ بن ابی بکیر سے صرف ابوالجہم الازرق بن علی ہی روایت نہیں کرتا بلکہ عبداللہ بن یحییٰ بن ابی بکیر بھی یہ روایت کرتا ہے۔اور وہ ثقہ ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ابونعیم کے حوالے سے گذر چکا ہے۔

اعتراض:

اس صحیح حدیث پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ

الغرض حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر ابو یعلی موصلی تک چار صدیوں میں گنتی کے کل ۶، ۷ آدمی ہیں۔ اور اپنے اپنے استاد سے روایت کرنے میں سب متفرد ہیں۔

جواب:

اگر مسئلہ ایسے ہی ہوتا تو پھر بھی مضائقہ نہیں تھا کیونکہ یہ سب راوی ثقہ ہیں لیکن جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی متفرد نہیں ہے۔ (الحمد للہ رب العالمین)

تنبیہ: اس حدیث پر 'منکر' کا اطلاق ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ منکر وہ روایت ہوتی ہے کہ جس میں کوئی ضعیف راوی ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرے۔ یا پھر بقول بعض کوئی ثقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرے۔ جبکہ اس حدیث میں نہ تو کوئی ضعیف راوی ہے کہ وہ ثقہ کی مخالفت کر رہا ہو اور نہ ہی ثقہ کسی اوثق کی مخالفت کر رہا ہے۔

اور جس حدیث کو اس کے مقابلے میں مقبول روایت قرار دیا جا رہا ہے وہ دراصل ایک اور روایت ہے بلکہ وہ روایت: **مررت علی قبر موسیٰ و ھو قائم یصلی فیہ** ، اس کی شاہد اور موید روایت ہے نہ کہ اس کے مخالف جیسا کہ

امام بیہقی فرماتے ہیں:

و لحیاۃ الانبیاء بعدموتھم صلوات اللہ علیھم شواھد من الاحادیث الصحیحۃ .منھا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ الاسری بہ مر علی موسیٰ علیہ السلام وھو یصلی فی قبرہ. (حیاۃ الانبیاء)

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیاۃ بعد از وفات پر صحیح احادیث میں سے شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے وہ حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گذرے تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

اور حضرت علامہ سخاوی اپنے شیخ علامہ حجر عسقلانی سے نقل کرتے ہیں:

و شاھد الحدیث الاول ماثبت فی صحیح مسلم من روایۃ حماد بن

سلمۃ عن انس رفعہ مررت بموسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عندالکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ. (القول البدیع:۱۶۸)

پہلی حدیث (**الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**) کا شاہد و مؤید وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ کی سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً بیان ہوئی کہ میں موسیٰ پر گزرا معراج کی رات تو وہ ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ حدیث اس کی موید وشاہد ہے نہ کہ اس کی مخالف کہ ایک کو رد کیا جائے تب دوسری کا اثبات ہوگا۔ جب دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ایک دوسری کی مخالف نہیں ہیں تو دونوں کو صحیح مانا جائے گا۔

حدیث نمبر ۳:

و قد روی من وجہ آخر عن انس بن مالک موقوفاً اخبرنا ابو عثمان الامام رحمہ اللہ أنبأ زاھر بن احمد انبا ابو جعفر محمد بن معاذ المالینی ثنا الحسین بن الحسن ثنا مومل ثنا عبید اللہ بن ابی حمید الھذلی عن ابی الملیح عن انس بن مالک : الانبیاء فی قبورھم احیاء یصلون.

اور ایک اور سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت موقوف بیان کی گئی ہے۔ بسند مذکور حضرت ابوالملیح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ نماز پڑھتے ہیں۔

اس موقوف روایت میں حضرت ابوالملیح بن اسامہ الھذلی حضرت امام ثابت بنانی کے متابع اور شاہد ہیں اور یہ موقوف روایت اس سے پہلی روایت مرفوع کی تائید کر رہی ہے۔ لہذا یہ کہنا الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کے الفاظ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے سوائے ثابت بنانی کے اور کوئی راوی روایت نہیں کرتا، بالکل غلط ہے۔ جناب ابوالملیح تابعی اور ثقہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں تہذیب الکمال للمزی ۲۲:۵۵،۵۶۔

یہ روایت امام بیہقی نے چونکہ عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت کی تائید میں بیان کی ہے لہٰذا اگر چہ اس کا ایک راوی عبیداللہ بن ابی حمید ضعیف ہے پھر بھی اس کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ متابع اور شواہد میں ضعیف راوی کی روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے جیسا کہ محدثین حضرات نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

لا انحصار للمتابعات فی الثقة کذالک الشواهد و لذا قال ابن الصلاح : و اعلم انه قدیدخل فی باب المتابعات و الاستشهاد روایة من لا یحتج بحدیثه وحده. بل یکون معدوداً فی الضعفاء و فی کتابی البخاری و مسلم جماعة من الضعفاء ذکرهم فی المتابعات والشواهد.

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ۱:۲۰۹)

متابعات کے لئے صرف ثقہ پر ہی انحصار نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح شواہد میں چونکہ امام ابن الصلاح نے فرمایا کہ جان لینا چاہئے کہ متابعات اور استشہاد کے باب میں ایسے راوی کی حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ جس کی حدیث سے متفرد ہونے کی حالت میں احتجاج نہ کیا جائے بلکہ اس میں ضعفاء بھی شمار ہوں گے اور صحیح بخاری و مسلم میں ایک جماعت ضعیف راویوں کی ہے کہ ان کو متابعات و شواہد میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہی اصول ابن الصلاح نے ''مقدمہ ابن الصلاح'' ص ۱۱۰، امام نووی نے کتاب الارشاد'' طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق ۱:۲۲۳،۲۲۴'' امام ابن ملقن نے المقنع فی علوم الحدیث ۱:۱۸۸،۱۸۹'' امام ابو یحییٰ زکریا الانصاری نے ''فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی ص ۱۸۱'' امام جلال الدین سیوطی نے ''تدریب الراوی ۱:۲۴۵'' میں بیان فرمایا ہے۔

جناب مولوی ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

و فی تعلیق الحسن : الضعیف یکفی بلا اعتضاد و فی موضع منه : الضعیف یصلح للتقویة. (قواعد علوم الحدیث ۶۸)

التعلیق الحسن میں ہے کہ ضعیف روایت تائید کے لئے کافی ہے اور اسی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ضعیف تقویت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

تو یہ روایت اگر چہ موقوف ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہو تو تائید اور متابع کے طور پر اس کو پیش کرنا جائز ہے۔ اسی لئے امام بیہقی نے اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

حدیث نمبر ۴:

و روی کما اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا ابو حامد بن علی الحسنوی املاء ثنا ابوعبد الله محمد بن العباس الحمصی ثناابو الربیع الزهرانی ثنا اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن ثابت عن انس عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، قال : ان الانبیاء لا یترکون فی قبورهم بعد اربعین لیلة و لکنهم یصلون بین یدی الله عز وجل حتی یُنفخ فی الصور.

بسند مذکور:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں چالیس روز کے بعد نہیں چھوڑے جاتے مگر یہ کہ وہ اللہ عز وجل کے حضور صور پھونکنے تک (یعنی قیامت تک) نماز پڑھتے ہیں۔

وهذا ان صح بهذا اللفظ، فالمراد به والله اعلم لا یترکون الا هذا المقدار ثم یکونون مصلین فیما یدی الله عز وجل کما روینا فی الحدیث الاول.

یہ حدیث اگر ان الفاظ کے ساتھ صحیح ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس مقدار (یعنی چالیس راتیں) چھوڑے جاتے ہیں۔ پھر اپنے رب کے حضور نمازیں پڑھتے ہیں جبکہ ہم نے

حدیث اول میں روایت کیا۔

....

اس حدیث کی امام دیلمی نے بھی تخریج کی ہے ملاحظہ ہو فردوس الاخبار ۱:۲۷۳ حاکم فی التاریخ کذا فی کنز العمال ۱۱:۴۷۴، ۴۷۳۔

اس روایت میں ایک راوی محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے جو کہ مختلف فیہ ہے۔
محدثین کی اکثریت نے اس پر کلام کیا ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس کی تعدیل بھی فرمائی ہے۔
امام عجلی فرماتے ہیں:

محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کوفی، صدوق ثقة و کان فقیھا، صاحب سنة و کان صدوق جائز الحدیث. (تاریخ الثقات ص ۴۰۷)

محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کوفی صدوق (سچا) اور ثقہ ہے۔ وہ فقیہ اور صاحب سنۃ تھا اور سچا اور جائز الحدیث ہے۔

امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: **محله الصدق کان سیی الحفظ شغل بالقضاء فسأ حفظه لا یتھم بشیئی من الکذب و سئل ابوزرعه فقال ھو صالح لیس بالقوی مایکون.** (تاریخ الثقات، ۴۰۷)

اس کا محل (مقام) صدوق (سچا) اور کمزور حافظے کا مالک قضا کے معاملات میں مشغول رہا اس لئے اس کا حافظہ کمزور ہو گیا۔ امام ابوزرعہ سے اس کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا وہ صالح ہے اور اتنا قوی نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے۔

امام برذعی امام ابوزرعہ رازی سے نقل کرتے ہیں: **سألت ابو زرعة عن محمدبن عبد الرحمن بن ابی لیلی فقال : رجل شریف.**

(اسئلۃ البرذعی عن ابی زرعۃ و کتاب الضعفاء ۲:۳۷۷)

میں نے ابوزرعہ سے محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ شریف آدمی ہے۔

شاید اسی وجہ سے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: وبیہقی از روایت انس می آرد صحیح می کند۔ (جذب القلوب ص ۱۹۹)

اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، صحیح ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: مراد آں بود کہ حیات ایشاں درقبر دائم و مستمر است ولیکن در مدت اربعین بحال نماز وعبادت ظاہر نبود۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ۱۹۹)

اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ قبر میں ان (انبیائے کرام) کی حیات دائمی اور ہمیشگی والی ہے لیکن چالیس دن تک ان سے نماز وعبادت کا ظہور نہیں ہوتا۔

حضرت امام زرقانی فرماتے ہیں: **فالمراد انھم لا یترکون یصلون الا ھذا المقدار ویکون مصلین بین یدی الله.**

(زرقانی شرح المواہب ۵:۳۳۵)

اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اس عرصہ معینہ کے بعد نماز پڑھنے سے چھوڑے نہیں جاتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور خاص میں نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں: **فالمراد به والله اعلم لایترکون لا یصلون الا ھنا المقدار ثم یکونون مصلین فیما بین یدی الله تعالیٰ : قال البیھقی و لحیاة الانبیاء بعد موتھم شواھد من الاحادیث الصحیحة .**

(شفاء السقام)

پس اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ نہیں چھوڑے جاتے یعنی نہیں نماز پڑھتے وہ مگر اس مقدار کے بعد پھر کہ اللہ تعالیٰ کے حضور نمازیں پڑھتے ہیں اور امام بیہقی نے کہا کہ انبیائے کرام کی حیات بعد از وفات پر احادیث صحیحہ سے شواہد موجود ہیں۔

اور کم وبیش اسی طرح کی عبارت علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی نے القول البدیع ص ۱۶۸ میں نقل فرمائی ہے۔

اس حدیث کے کئی شواہد ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

شاہداول:

حدثنا محمد بن ابی زرعه الدمشقی ثنا هشام بن خالد ، ثنا الحسن بن یحیی الخشنی، عن سعید بن عبد العزیز ، عن یزید بن ابی مالک عن انس بن مالک قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ما من نبی یموت فیقیم فی قبره الا اربعین صباحا. (حتی تر د علیه الروح)

بسند مذکور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو نبی بھی وفات پاتا ہے تو چالیس دن تک اپنی قبر میں ٹھہرتا ہے۔ (حتیٰ کہ اس کی طرف روح لوٹا دی جاتی ہے)

۱۔ ہذہ الزیادۃ عند ابن العراق فی تنزیہ الشریعۃ ۱:۲۳۵
۲۔ مسند الشامیین لامام طبرانی، ۱:۱۹۴، ۲:۴۲۰
۳۔ الرسائل القشیر یہ، ۱۳۰
۴۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ۸:۳۳۳
۵۔ کنز العمال ۱۱:۴۷۵، ابن حبان فی المجروحین ۱:۲۳۵، ۲۳۶

اس روایت کو امام ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے کیونکہ اس کی سند میں الحسن بن یحییٰ خشنی منکر الحدیث ہے۔

لیکن امام سیوطی نے اس پر تعقب کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(التعقبات علی الموضوعات، ۵۳ باب المناقب)

امام ابوالحسن علی بن عراق کنانی فرماتے ہیں:

(تعقب) بان الخشنی من رجال ابن ماجه جعفر الاکثر و لم ینسب الی وضع و لا کذب و قال دحیم و ابو داؤد لا بأس به و قال ابو حاتم صدوق

سیئ الحفظ و قال ابن عدی تحتمل روایاته و من هذه حالته لا یحکم علی حدیثه بالوضع ولحدیثه شواهد یرتقی بها الی درجة الحسن و قال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الرافعی قد الف البیهقی جزء فی حیاةالانبیاء فی قبورهم و اوردفیه عدة احادیث توئیده هذا. (تنزیۃ الشریعۃ المرفوعۃ ۱:۳۳۵)

(تعقب) کیونکہ الخشنی (الحسن بن یحیٰی) ابن ماجہ کے رجال میں سے ہے۔ اکثر نے اس کی تعقیب کی ہے لیکن کسی ایک نے بھی وضع اور جھوٹ کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا۔ دحیم اور ابوداؤد نے کہا کہ صدوق (سچا) مگر سیئ الحفظ ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ اپنی روایات اٹھانے والا (یاد رکھنے والا) ہے۔ تو اس حالت میں اس کی حدیث پر وضع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور پھر اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جو کہ اس کو حسن کے درجہ میں لے جاتے ہیں اور حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں کہا۔ امام بیہقی نے حیات الانبیاء میں ایک مستقل جزء تصنیف کیا اور کافی احادیث اس مسئلہ کی تائید میں پیش کی ہیں۔

علامہ جمال الدین المزی نقل فرماتے ہیں: وقال احمد بن سعد بن ابی مریم : سألت یحیی بن معین عن الحسن بن یحیی الخشنی فقال ثقة .

(تہذیب الکمال ۴:۴۴۵)

یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ یہ ثقہ ہے۔

ان دلائل وحوالہ جات سے ثابت ہوا کہ یہ روایت بطور تائید پیش کی جاسکتی ہے۔

دوسرا شاہد:

و قد یحتمل ان یکون المراد به رفع اجساد مع ارواحهم. ؎

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ ان کے اجساد روحوں سمیت اٹھ جاتے ہوں۔

....

اس حدیث کا ایک اور شاہد ہے جس کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔

عشرة لا یترکون فی قبورھم ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عز وجل حتی ینفخ فی الصور. الانبیاء ....الخ . (فردوس الاخبار،۲:۶۴)

دس شخصیات ہیں کہ ان کو قبور میں نہیں چھوڑا جاتا مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ کے حضور صور پھونکنے تک نمازیں پڑھتے ہیں۔ان میں سے انبیاء ہیں۔

ان شواہد کے ساتھ حدیث شریف: **ان الانبیاء لایترکون فی قبورھم** کم از کم حسن لغیرہ ہے۔اور یہ تمام احادیث مل کر حدیث **الانبیاء فی قبورھم یصلون** کے شواہد ومتابعات بنتی ہیں جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ یہ حدیث بالکل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔ (وللہ الحمد علی ذلک)

....

۱؎ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام قبور مقدسہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ تشریف لے جاتے ہیں تو یہ تمام احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی کبھی تصرف فرمانے کے لئے کہیں تشریف لیجائیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ آگے چل کر تفصیلاً بیان ہوگا۔(انشاءاللہ المولی) کیونکہ حضرات انبیائے کرام اگر اجسام مع الارواح اٹھ جاتے اور قبور خالی رہ جاتیں تو پھر قبور کی زیارت کا کیا فائدہ تھا؟ اور آئندہ آنے والی تمام احادیث مہمل قرار پاتیں۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں سے اٹھ جانے سے مراد صرف یہ ہے جیسے بیدار ہو جائے۔اس طرح وہ حضرات عبادت کے لئے بیدار ہو جاتے ہیں اور اللہ کے حضور عبادت کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

حدیث نمبر۵:

فقد روی سفیان الثوری فی "الجامع" قال شیخ لنا عن سعید بن المسیّب قال : ما مکث نبی فی قبرہ اکثر من اربعین لیلة حتی یرفع.

امام سفیان ثوری نے اپنی "جامع" میں روایت کی ہے کہ ہمارے شیخ نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا کہ کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔حتی کہ اس کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

....

یہ الفاظ معنوں میں صحیح نہیں ہیں:

اولا: تو یہ حضرت سعید بن المسیّب کے الفاظ ہیں۔یہ کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے جبکہ انبیائے کرام علیہ السلام کا اپنی اپنی قبور مقدسہ میں تشریف فرمانا اور نمازیں پڑھنا صحیح مرفوع احادیث میں موجود ہے۔

ثانیا: حضرت سعید بن مسیّب سے اس کے برعکس روایت موجود ہے جو کہ دارمی وابونعیم وغیرہما نے ان سے نقل فرمائی ہے کہ ایام حرہ میں وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ سے اذان واقامت کی آواز سنا کرتے تھے۔جیسا کہ آگے تفصیلاً آئے گا۔

ثالثاً: ان الفاظ کا وہ مطلب ہرگز نہیں ہے جو کہ بعض حضرات نے کشید کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرات انبیائے کرام اب قبور مقدسہ میں نہیں ہیں۔کیونکہ امام بیہقی کے اس کے ساتھ ملحق آنے والے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔بلکہ امام بیہقی کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں لیکن بعض اوقات جہاں چاہیں اللہ کے حکم سے تشریف لے جائیں۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور بیت المقدس میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسم کا استقبال بھی کرتے ہیں اور آسمانوں میں بھی تشریف فرما ہیں۔

ایک پیش کردہ روایت کا تجزیہ:

ان الفاظ کی تائید میں ایک روایت امام رافعی اور امام غزالی سے یوں پیش کی جاتی ہے۔

انا اکرم علی ربی من ان یترکنی قبری بعد ثلاث.

کہ میں اپنے رب کے نزدیک اس سے بہتر ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد قبر میں

چھوڑے۔

اس سے بھی بعض حضرات یہ اخذ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب اگر زندہ بھی ہیں تو قبر میں نہیں ہیں بلکہ جنت یا کسی اور جگہ ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے:

یہ روایت ثابت نہیں ہے بلکہ موضوع ہے۔اس لئے نہ تو اس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو تائیداً پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس کے بارے میں محدثین کی رائے ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

وذکر الغزالی ثم الرافعی حدیثا مرفوعاً انا اکرم علی ربی من ان یترکنی فی قبری بعد ثلاث لا اصل له. (القول البدیع ۱۶۸)

اور ذکر کیا امام غزالی اور پھر رافعی نے مرفوعاً کہ میں اپنے رب کے نزدیک اس سے زیادہ بہتر ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد میری قبر میں چھوڑے۔اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

۲۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

محققین اہل حدیث وشراح آں برآنند کہ حدیث ......**انا اکرم علی ربی الی آخرھا** بصحت نرسیدہ اند وبہ ثبوت نہ پیوستہ ودر راویاں کسی ہست کہ بسوی حفظ بلکہ زیادہ ازاں منسوب است واگر صحیح باشند تاویلش آنست کہ مراد ترک ست بی اشتغال بعمل وعبادت مولی و بعد از مضی مدت ہم در قبر اند مشغول بصلوۃ وطاعت حق........

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، ۱۸۸)

اور محققین محدثین وشارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ حدیث **انا اکرم علی ربی** (آخر تک) درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔اس کے راویوں میں بعض سوئے حفظ بلکہ اس سے بھی زیادہ جرح کی طرف منسوب ہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ بغیر

عبادت کے نہیں چھوڑے جاتے بلکہ تین روز کے بعد قبر میں اللہ کی اطاعت اور نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حضرت شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

وھو علی ھذا لا یدل علی انه بعد الاربعین لایقیم فی قبرہ بل یخرج منه و انما یدل علی انه لا یبقی فی القبر میتا کسائر الاموات اکثر من اربعین صباحا بل ترد الیه روحه و یکون حیا واین ھذا من دعوی الخروج من القبر بعد الاربعین. (تفسیر روح المعانی ۲۲:۳۸)

اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ اپنی قبر میں چالیس دن کے بعد مقیم نہیں رہتے بلکہ وہاں سے چلے جاتے ہیں بلکہ یہ تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں عام مردوں کی طرح نہیں رہتے بلکہ ان کی روح ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور وہ زندہ ہوتے ہیں۔چالیس دن کے بعد قبر سے نکل کر چلے جانے کے دعوے سے اس کا کیا تعلق؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گنبد خضرا میں یا جنت میں؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

قبور ان حضرات کے لئے کوئی قید خانہ نہیں ہیں بلکہ دنیا میں جہاں چاہیں تصرف فرمائیں۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو قبر میں زندہ ماننے کی بجائے جنت میں مانا جائے تو یہ زیادہ آپ کی عزت کے لائق ہے اور قبر میں زندہ ماننا ایک قسم کی گستاخی ہے۔(معاذ اللہ) ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ کئی جنتوں کی جنت ہے اس لئے آپ کا اس میں تشریف رکھنا آپ کی گستاخی نہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قبر منورہ میں زندہ ہونے پر ہم مختصراً عرض کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اما آنکہ قونوی تفضیل وترجیح دادہ بودن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در بہشت اعلیٰ

استمرار در قبر شریف۔ جواب دے آنست کہ قبر احاد مومنین روضہ است از ریاض جنت پس قبر شریف سید المرسلین افضل ریاض جنت باشد وتواند بود کہ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم در قبر از تصرف ونفوذ حالتی بود کہ از سمٰوت وارض وجنان حجاب مرتفع باشد بے تجاوز وانتقال زیرا کہ امورِ آخرت واحوال برزخ را بر احوال دنیا کہ مقید ومضیق حدود جہات است قیاس نتواں کرد۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۸)

اور علامہ قونوی نے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبر انور میں ہونے پر جنت میں ہونے کو ترجیح وفضیلت دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عام مومنین کی قبر میں جنت کے باغیچے ہیں تو حضور صلی اللہ کی قبر انور ان سب میں افضل ترین جنت کا باغ ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر منورہ میں ایسا تصرف دیا گیا ہو اور ایسی حالت عطا فرمائی گئی ہو کہ آسمانوں وزمین اور جنت سب کے حجابات اٹھا دیئے گئے ہوں۔ بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مقام سے آگے جائیں یا کہیں منتقل ہوں۔ اس لئے کہ امور آخرت اور احوال برزخ کا قیاس اس دنیا کے احوال پر نہیں کیا جاسکتا جو مقید ہے اور جس کی حدود اور جہات نہایت تنگ ہیں:

حضرت امام غزالی زماں رازیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ محقق کی مندرجہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس عبارت سے بہت سے اشکال رفع ہوگئے اور احادیث کے درمیان تطبیق ہوگئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مقام میں جلوہ گر ہیں اور بغیر اس کے کہ اپنے مقام شریف سے تجاوز (جسمی) فرمائیں یا کہیں منتقل ہوں، زمینوں اور آسمانوں اور قبر انور جمیع امکنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مساوی نسبت ہے اور ایک جگہ ہونے کے باوجود ہر جگہ موجود ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حجاب کو اٹھا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ ہونے میں رکاوٹ کا موجب ہو۔

رہا یہ امر کہ دنیا میں یہ بات ناممکن ہے کہ ایک ہی وجود کئی جگہ یکساں موجود ہیں۔ تو اس

کا جواب حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح دیا کہ دنیا کی حدود جہات بہت ہی تنگ واقع ہوئی ہیں اور عالم دنیا قیود کے ساتھ مقید ہے اس لئے عالم آخرت اور برزخ کا قیاس اس دنیا پر نہیں کیا جاسکتا اور اس میں شک نہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بجا اور درست فرمایا۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ مقید پر غیر مقید کا قیاس کرلیا جائے۔ کسی کوتاہ اور تنگ نظر کو فراخ اور وسیع شیٔ کی طرح تسلیم کرلیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ قبر انور میں بھی ہیں اور جنت اعلیٰ میں بھی۔ لہٰذا کوئی تعارض اور اشکال باقی نہ رہا۔ (حیات النبی، ۱۰۶، ۱۰۷)

جناب ابن قیم حنبلی شاگرد ابن تیمیہ نے لکھا:

و معلوم بالضرورة ان جسده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی الارض طری مطرا. و قدسأله الصحابة : کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت؟ فقال : ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء. و لولم یکن جسده فی ضریحة لما اجاب بهذا الجواب. و قد صح عنه ان خرج بین ابی بکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنهما. وقال هکذا نبعث. (کتاب الروح ص ۷۳)

بلا شبہ آپ کا جسم مبارک قبر میں تر وتازہ اور نرم ہے۔ ایک دفعہ صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے بوسیدہ ہونے کے بعد آپ پر ہمارا درود وسلام کیسے پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے مٹی پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ اگر آپ قبر انور میں موجود نہ ہوتے یہ جواب غلط ہوجاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی قبر پر فرشتے مقرر فرمادیئے ہیں جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر وعمر کے درمیان باہر نکلے اور فرمایا اس طرح ہم قبر سے اٹھائے جائیں گے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر شریف میں موجود ہیں اور آپ کا جسم اقدس اسی طرح تر وتازہ ہے جس طرح اس دنیا میں تھا اور اس میں روح مبارکہ موجود ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ کے جسد انور کو تو ہم بھی قبر میں مانتے ہیں اور تر وتازہ

بھی مانتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آپ کی روح مبارکہ جنت میں ہے کیونکہ آپ کی روح مبارکہ کو جنت میں ماننا ہی ادب اور آپ کی شان کے لائق ہے۔

جواب:

ہم پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ آپ کی قبر منورہ جنت ہی میں ہے کیونکہ ایک مومن کی قبر کے بارے میں یہ ارشاد ہے:

القبر روضه من رياض الجنة .

قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ۔

نقله ملا علی القاری و قال حسنه الترمذی . فرائد القلائد ص٣٥ بیروت

الترغیب والترہیب للاصبہانی عن علی ابن ابی طالب ١/٤٤١

کنز العمال ١٥/٦٩٩ حدیث نمبر ٤٢٧٩٧

اور پھر آپ کی روح مبارکہ کا آپ کے جسم اقدس میں موجود ہونا اس پر بے شمار احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ اس کتاب کے متن وشرح میں آ گے آ رہا ہے۔

اور اللہ جل مجدہ الکریم کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ ہے:

و للآخرة خير لک من الاولی. (الضحیٰ)

اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے لئے ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کوئی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ جس میں آپ کی کوئی فضیلت پہلے سے کم ہو جائے۔ بلکہ ہر آنے والی گھڑی ایسا وقت ہے کہ حضور کی فضیلتوں میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ روح اقدس کا استقرار اگر جسم اقدس کے علاوہ کسی اور مقام میں ہو تو و للآخرة خير لک من الاولیٰ کے خلاف لازم آئے گا۔ اس لئے کہ جسم اقدس سے روحِ مبارک کے قبض ہونے کے بعد اسے کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکتی جو کہ

جسم سے زیادہ فضیلت والی ہو۔ زیادہ تو درکنار تمام کائنات میں کوئی جگہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے برابر بھی فضیلت نہیں رکھتی۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ تو دعا کرتے تھے اللھم الرفيق الاعلیٰ. تو ہم عرض کریں گے کہ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ مقام اعلیٰ مخلوق ہے اور جنت بھی مخلوق ہے جبکہ آپ کا جسم اقدس بھی مخلوق ہے تو پھر روح کو ان میں سے سب سے اعلیٰ وافضل جگہ میں ہونا چاہئے اور آپ کے جسم اقدس سے اعلیٰ مخلوق اللہ نے پیدا ہی نہیں فرمائی اس لئے روح اقدس کا جسم اقدس میں رہنا ہی سب سے افضل مقام ہے۔

اور پھر علماء نے تو اجماع نقل فرمایا ہے کہ آپ کی قبر منورہ کا وہ حصہ جہاں آپ کا جسد اقدس مس کر رہا ہے وہ جنت تو کیا عرش الٰہی سے بھی افضل واعلیٰ ہے۔

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے ہو زائرو

کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

قبر منورہ کا عرش عظیم سے افضل ہونا

امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ معظّمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے۔ (فتاوی رضویہ ص٤:٦٨٧)

اس حوالے کے بعد کسی اور حوالے کی ضرورت تو نہیں مگر منکرین شان رسالت کا ناطقہ بند کرنے کے لئے اختصار کے طور پر چند حوالے مزید دیے جاتے ہیں۔

حضرت امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

قال مالک ابن انس: ان الارض الملاصق لجسد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المبارک اعلیٰ و افضل من کل شیء حتی من العرش والكرسی. (عرف الشذی لانور شاہ کشمیری ص١٤١)

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ بے شک وہ زمین جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے جسم پاک کو چھو رہی ہے وہ ہر چیز سے افضل ہے حتی کہ عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔

امام ابوالیمن ابن عساکر فرماتے ہیں:

وقع الاجماع علی تفضیل ما ضم الاعضاء الشریفة حتی علی الکعبة.

(جواہر البحار ۲:۲۴۹ للنبہانی وسبل الہدی والرشاد ۳:۳۱۵ للشامی)

اس بات پر اجماع ہے کہ جو حصہ جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ ہر چیز سے افضل ہے حتی کہ کعبہ معظّمہ سے بھی افضل ہے۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

ان تربة لصقت بجسده من الفراش اعلیٰ تربة من العرش.

(الزبدة العمدة شرح قصیدة البردہ للملا علی القاری ٦٨)

بے شک جو مٹی آپ کے جسم کے ساتھ ملی ہوئی ہے بستر کے طور پر وہ عرش سے بھی اعلیٰ ہے۔

حضرت شیخ امام ابن عقیل حنبلی استاد محترم حضرت شیخ غوث اعظم عبدالقادر جیلانی وحضرت علامہ سیوطی وملا علی قاری کا عقیدہ:

حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی، حضرت ملا علی القاری اور علامہ نبہانی نے امام ابن عقیل سے نقل فرمایا ہے کہ:

قال العلما محل الخلاف فی التفضیل بین مکة والمدینة فی غیر قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اما هو فضل البقاع بالاجماع بل هو افضل من الکعبة بل ذکر ابن عقیل الحنبلی انه افضل من العرش.

(الخصائص الکبریٰ ۲:۲۰۳ مرقاة شرح مشکوٰة ۲:۱۹۰)

علماء میں جو اختلاف ہے وہ شہر مکہ ومدینہ میں افضلیت کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک قبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعلق ہے پس وہ بالاجماع افضل ہے حتی کہ کعبہ سے بھی افضل ہے بلکہ ابن عقیل حنبلی نے تو ذکر کیا ہے کہ بے شک وہ عرش سے بھی افضل ہے۔

حضرت امام قاضی عیاض صاحب شفا شریف کا عقیدہ:

لاخلاف ان موضع قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم افضل بقاع الارض. (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۲:۷۵)

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ زمین کا سب سے افضل حصہ ہے۔

حضرت امام احمد شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

بل هی افضل من السموٰت والعرش والکعبة کما نقله السبکی.

(نسیم الریاض شرح للشفا القاضی عیاض ۳:۵۳۱)

بلکہ یہ آسمانوں، عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے۔ جیسا کہ علامہ سبکی نے اس کو نقل کیا ہے۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن رزین حیری شافعی فرماتے ہیں:

ولاشک ان القبر اشرف موضوع من الارض والسبع السموات طرة

واشرف من عرش الملیک ولیس فی مقالی خلاف عند اهل الحقیقة

(بلاشک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ سب جگہوں سے افضل ہے زمین اور ساتوں آسمان کی اور عرش رب کریم سے بھی افضل ہے اور اس میں اہل حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے)

امام ابن الحاج مکی فرماتے ہیں:

الا تریٰ الی ما وقع من الاجماع علی ان افضل البقاع الموضع الذی ضم اعضاء ہ الکریمة صلوات الله علیه وسلامه. (المدخل، ۱:۲۵۷)

کیا تو نہیں جانتا کہ اجماع واقع ہوا ہے کہ جس جگہ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسد

اقدس مس ہے وہ تمام کائنات کی جگہوں سے افضل ہے۔

حضرت امام علامہ زین الدین ابوبکر بن حسین مراغی (م ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں:

قام الاجماع ان هذا الموضع الذی ضم اعضاء ه الشریفة صلی الله تعالیٰ علیه وسلم افضل بقاع الارض حتی موضع الکعبة الشریفة قال بعضهم و افضل من بقاع السموات حتی من العرش. (سیرت حلبیہ ۳:۳۶۶)

اس پر اجماع قائم ہو چکا ہے کہ وہ جگہ جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اقدس سے مس ہے وہ تمام زمین سے افضل ہے حتی کہ کعبہ معظّمہ سے بھی افضل بلکہ بعض نے کہا کہ یہ مبارک جگہ ساتوں آسمانوں بلکہ عرش معلٰی سے بھی افضل ہے۔

عارف باللہ شیخ الامام محمد مہدی فاسی فرماتے ہیں:

السماء افضل من الارض الا بقعة فی الارض ضمت اعضاء النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فهی افضل منها حتی من العرش و الکرسی.

(مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۱۹۱)

آسمان زمین سے افضل ہے سوائے اس ٹکڑا مبارکہ کہ جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضاء مبارک مس ہیں پس وہ آسمان سے افضل ہے حتی کہ عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔

حضرت علامہ علاؤالدین بغدادی اور حضرت امام سید احمد بن عابدین شامی فرماتے ہیں:

مکة افضل منها علی الراجح الاماضم اعضاء ه علیه السلام فانه افضل مطلقا حتی من الکعبة والعرش والکرسی. (درمختار مع شامی ۱:۶۲۶)

مکہ مدینہ سے افضل ہے اور یہی راجح ہے مگر وہ جگہ کہ جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضاء مس ہیں وہ مطلقا افضل ہے بلکہ کعبہ اور عرش وکرسی سب سے افضل ہے۔

حضرت علامہ بدرالدین آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

البقعة التی ضمته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فانه افضل البقاع الارضیة والسماویة حتی قیل وبه اقول انها افضل من العرش.

(تفسیر روح المعانی پارہ ۲۵:۱۱۳)

وہ ٹکڑا زمین جو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مس ہے وہ زمین آسمان کی تمام جگہوں سے افضل ہے حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ عرش معلٰی سے بھی افضل ہے۔

حضرت علامہ عمر بن احمد خرپوتی فرماتے ہیں:

ان تربة قبره افضل من البیت والمسجد الاقصی والعرش والکرسی.

(شرح الخرپوتی ص ۱۱۰)

بلاشک وشبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ کعبہ، بیت المقدس، عرش اور کرسی سے افضل ہے۔

حضرت علاؤالدین (م ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں: و ما ضم اعضاء الشریفة افضل البقاع علی الاطلاق حتی من الکعبة و من الکرسی و عرش الرحمن.

(الدرالمنتقی شرح الملتقی برحاشیہ مجمع الانہر ۱:۳۱۲)

اور جو جگہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضاء شریفہ سے متصل ہے وہ علی الاطلاق افضل ہے حتی کہ کعبہ، کرسی اور اللہ کے عرش سے بھی افضل ہے۔

حضرت مولانا عبدالعلی محمد بحرالعلوم فرماتے ہیں:

ان موضع قبر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم افضل من کل ارض و سماء کما ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم افضل الکائنات کذلک قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم افضل البقاع والاماکن قال الشیخ عبد الحق بعد الاجماع ثم بعده الکعبة افضل البقاع سوی قبر موضع رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھذا. (بیان الارکان، ۲۸۲)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ تمام زمین و آسمان سے افضل ہے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں ایسے ہی آپ کی قبر زمین کے تمام ٹکڑوں اور اماکن سے افضل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث نے کہا کہ اس پر اجماع ہے اس کے بعد کعبہ شریف افضل ہے تمام زمین سے سوائے قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔

حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی فرماتے ہیں:

ولاخلاف ان موضع قبرہ افضل من بقاع الارض حتی موضع الکعبة و قال غیر واحد بل من بقاع السموات ایضا حتی الارض.

(سیف الجبار المسلول علی اعداء للابرار ص ۱۱۴ مکتبہ رضویہ انجمن شیڈ لاہور)

اور اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی جگہ تمام زمین سے افضل ہے حتی کہ کعبہ شریف سے اور بے شمار علماء نے فرمایا کہ تمام آسمانوں سے بھی افضل ہے حتی کہ عرش معلیٰ سے بھی۔

علمائے دیوبند کا متفق علیہ فتویٰ:

ان البقعة الشریفة و الرحبة المنیفة التی ضم اعضاء ہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل مطلقا حتی من الکعبة و العرش والکرسی.

(المہند ....)

وہ بقعہ شریفہ جو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ سے مس کئے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ شریف اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔

اسی طرح علمائے دیوبند میں سے مولوی شبیر احمد عثمانی نے ''فتح الملہم، جلد سوم میں، مولوی منظور احمد نعمانی نے ''سیف یمانی'' ص ۱۲۰ میں، مولوی اشرف علی تھانوی نے ''امداد الفتاویٰ'' ۶: ۱۱۳۰، جناب مولوی زکریا سہارنپوری صاحب نے فضائل حج ص ۱۴۸ میں اور جناب

زاہد الحسینی نے رحمت کائنات ص ۳۴۴ میں بیان کیا۔

تو ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ، دنیا و کائنات کی تمام اشیاء سے افضل ہے لہٰذا آپ کی روح مقدسہ کو اسی افضل ترین مقام پر ہی ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ مبارکہ ہے کہ:

و للاخرة خیر لک من الاولی. فعلی ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون، حیث ینزلھم اللہ (تعالیٰ) عز و جل.

پس اس طرح تمام انبیائے کرام علیہم السلام عام زندہ لوگوں کی طرح زندہ ہو جاتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ ان کو رکھے وہاں تشریف رکھتے ہیں۔

....

امام بیہقی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں اور یہی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا مبارک مسلک ہے اور کیوں نہ ہو کہ احادیث معتبرہ وصحیحہ اس عقیدہ پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں اور اسی طرح امت کی اکثریت کا یہی مسلک ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا اور کچھ آئندہ صفحات میں بدلائل آ رہا ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ المولیٰ)

کما روینا فی حدیث المعراج ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای موسی علیہ السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم راہ مع سائر الانبیاء علیہم السلام فی بیت المقدس ثم رآھم فی السمٰوات واللہ تبارک و تعالیٰ فعال لما یرید.

جیسا کہ ہم نے حدیث معراج وغیرہ میں روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا پھر دیگر تمام انبیائے کرام کے ساتھ بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر آسمانوں میں ملاحظہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

....

امام بیہقی کی اس عبارت اور دیگر آنے والی احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہ السلام زندہ ہیں اور جہاں چاہیں تشریف لے جاتے سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے قبر میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسد کو دیکھا اور بیت المقدس میں اور آسمانوں میں روح کو دیکھا بلکہ آپ نے یہی فرمایا کہ قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جبکہ بیت المقدس اور آسمانوں میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی دیکھا ہے۔ اور یہ احادیث وواقعات معراج بخاری ومسلم میں موجود ہیں۔

حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی فرماتے ہیں:

و منها شهود الجسم الواحد فی مکانین فی ان واحد کما رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم نفسه فی اشخاص بنی آدم السعداء حین اجتمع به فی السماء الاولیٰ کما مر و کذلک آدم و موسیٰ وغیرهما فانهم فی قبورهم فی الارض حال کونهم ساکنین فی السماء فانه قال رأیت آدم رأیت موسی رأیت ابراهیم و اطلق و ما قال رأیت روح آدم ولاروح موسیٰ فراجع صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم موسی فی السماء وهو بعینه فی قبره فی الارض قائما یصلی کما ورد فیها من یقول ان الجسم الواحد لا یکون فی مکانین کیف یکون ایمانک بهذا الحدیث فان کنت مومنا فقلد وان کنت عالما فلاتعترض فان العلم یمنعک و لیس لک الاختبار فانه لا یختبر الا اللہ ولیس لک ان تتاول ان الذی فی الارض غیر الذی فی السماء لقوله علیه السلام رأیت موسیٰ واطلق وکذلک سائر من راہ من الانبیاء هناک فالمسمی موسیٰ ان لم یکن عینه فالاختبار عنه کذب انه موسیٰ هذا.

(الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ۲/۳۶)

اور معراج کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم ایک وقت میں دو مکانوں میں حاضر ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد آدم کے نیک بختوں میں اپنے آپ کو ملاحظہ فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم کے ساتھ پہلے آسمان پر ملے تھے۔ جیسا کہ گذرا اور اسی طرح حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام اور ان کے علاوہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ حالانکہ بلاشک وشبہ وہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام زمین میں اپنی قبروں کے اندر ہیں دراں حالیکہ وہ آسمانوں میں بھی سکونت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً اس طرح فرمایا کہ میں نے آدم کو دیکھا موسیٰ علیہم السلام کو دیکھا ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ روح کی قید کے ساتھ مقید فرما کر یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کی روح کو دیکھا (جس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعینہ ان انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو ہی دیکھا نہ کہ صرف ان کی ارواح یا مثال کو) پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو فرمائی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر کے اندر کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ انتہائی افسوس اور تعجب اس کہنے والے پر جو یہ کہتا ہے کہ ایک جسم بیک وقت دو مکانوں میں نہیں ہوسکتا (اے کہنے والے) ذرا یہ تو بتا کہ اس قول کے ہوتے ہوئے تیرا ایمان اس حدیث پر کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہئے اور اگر عالم ہے تو پھر اعتراض نہ کر اس لئے کہ علم تجھے اس اعتراض سے روکتا ہے اور تجھے حقیقت حال کا علم ہی نہیں اس لئے کہ یہ علم حقیقۃً اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور تیرے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ تو اس حدیث میں یہ تاویل کرے کہ جو انبیائے کرام زمین میں ہیں وہ ان کے غیر ہیں جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسمانوں میں دیکھا۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رأیت موسی کہ میں نے موسیٰ کو دیکھا مطلقاً فرمایا ہے اسی طرح باقی انبیائے کرام کے متعلق جنہیں آپ نے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آسمانوں میں دیکھا (یہ نہیں فرمایا کہ آسمانوں میں ان کے غیر کو دیکھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کو موسیٰ فرمایا اگر وہ

بعینہ موسیٰ نہ ہوتو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسیٰ ہیں جھوٹ ہوگا۔ (العیاذ باللہ تعالی)

ولحیاۃ الانبیاء بعد موتھم . صلوات اللہ علیھم . شواھد من الاحادیث الصحیحۃ منھا .

اور انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم کی وفات کے بعد حیات کے صحیح احادیث میں شواہد ہیں ان میں سے یہ حدیث ہے۔

....

تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں اپنی اپنی قبور مقدسہ میں اور مسجد اقصیٰ میں اور آسمانوں میں بھی موجود ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت وقدرت ہے۔

حدیث نمبر ۶:

ما اخبرنا ابو الحسین علی بن محمد بن عبد اللہ بن بشر ان ببغداد انبأنا اسماعیل بن محمد الصّفّار ثنا محمد بن عبد الملک الدقیقی ثنا یزید بن ھارون ، ثنا سلمان التیمی عن انس بن مالک ان بعض اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخبرہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ اسریٰ بہ مر علی موسیٰ علیہ السلام وھو یصلی فی قبرہ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے خبر دی کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

....

اس حدیث شریف کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس بن مالک نے یہ حدیث براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ کسی اور صحابی سے سنی ہے اس طرح یہ حدیث مرسل ہوئی لیکن مرسل صحابہ میں سے ہے جو کہ بالا تفاق قابل قبول ہے اور اس میں کسی کا

اختلاف نہیں ہے۔

حضرت امام حافظ ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن الحسین عراقی فرماتے ہیں:

و اما الذی ارسلہ الصحابی فحکمہ الوصل علی الصواب .

اور وہ حدیث جس کو صحابی مرسل بیان کرے وہ موصول کے حکم میں ہے یہی صحیح وصواب ہے۔

حضرت امام شیخ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی فرماتے ہیں:

بل اھل الحدیث وان سموہ مرسلا لا خلاف بینھم فی احتجاج بہ.

(فتح المغیث ۱:۱۵۳)

بلکہ محدثین کے نزدیک اگر چہ اس کا نام مرسل ہے لیکن اس کے ساتھ احتجاج میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت امام محی الدین ابی زکریا یحیی بن شرف نووی فرماتے ہیں:

و ھذا کلہ فی غیر مرسل الصحابۃ و امامرسلھم وھو ما رواہ ابن عباس و ابن زبیر و شبھھما من احداث الصحابۃ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مما لم یسمعوہ منہ فحکمہ حکم المتصل. لان الظاھر روایتھم ذلک عن الصحابۃ والصحابۃ کلھم عدول و الصواب : المشھور : انہ یحتج بہ مطلقا. (کتاب الارشاد طلاب الحقائق للنووی ۱:۱۷۳ تا ۱۷۵)

اور یہ تمام اختلاف غیر صحابہ کی مراسیل میں ہے اور جہاں تک مراسیل صحابہ کا تعلق ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس وعبد اللہ بن زبیر اور ان جیسے دیگر کم عمر صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کریں اگر چہ صحابی کا نام نہ لیں تو یہ متصل کے حکم میں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ان کی روایات صحابہ سے ہی ہیں اور صحابہ تمام کے تمام عدول ہیں اور صحیح اور مشہور ہے کہ یہ مطلقاً قابل قبول ہے۔

اوراسی طرح دیگر بے شمار محدثین وعلمائے اصول نے بیان فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

الكفاية فى علم الرواية للخطيب بغدادى ص ٤٢٤

كتاب المجموع ١٠٦:١ جامع التحصيل ص ٣١

التقييد والايضاح شرح مقدمه ابن الصلاح للعراقى ص ٧٥

التدريب الراوى ٢٠٧:١ المستصفى ٧١:١

القنع فى علوم الحديث للابن الملقن ١٣٨:١

فتح الباقى بشرح الفيه العراقى ١٤٨، ١٤٩ وغيرهم

تو ثابت ہوا کہ یہ حدیث اگر صرف مرسل ہی ہوتی تب بھی بالاتفاق قابل قبول تھی لیکن یہ روایت تو موصول بھی ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں موجود ہے اوراس متن میں ابھی اگلی روایت بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موصول ہی آرہی ہے۔

حدیث نمبر ۷:

و اخبرنا ابو الحسين بن بشر ان انبأ اسماعيل انبأ احمد بن منصور بن سيّار الرمادی ثنا يزيد بن ابی حكيم ثنا سفيان يعنی الثوری ثنا سليمان التيمی عن أنس ابن مالک قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم:

مررت علی موسی و هو قائم يصلی فی قبره.

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

....

یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ دراصل حضرت امام بیہقی یہ حدیث لاکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث شریف ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلو''ن معنوی لحاظ سے بھی صحیح ہے کیونکہ یہ کام یعنی قبر میں نماز پڑھنا تو واقع ہو چکا اور اس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرما کر ہم کو دی، لہذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور اس میں کسی منکر کو بھی گنجائش انکار نہیں ہے تو دیگر حضرات انبیائے کرام کے نماز پڑھنے میں کونسا استحالہ ہے وہ اپنی اپنی قبور میں نماز کیوں نہیں پڑھ سکتے۔

امام مسلم نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

عن انس قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مررت ليلة اسری بی علی موسیٰ عليه السلام قائما يصلی فی قبره. (صحیح مسلم ۲: ۲۶۸)

اور اس روایت کو کم وبیش انہیں الفاظ کے ساتھ مندرجہ ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

نمبر	کتاب	محدث
۱۔	مسند امام احمد، ۳: ۱۴۸، ۳۴۸/۵: ۵۹	امام احمد بن حنبل
۲۔	مصنف عبدالرزاق، ۳: ۵۷۷	امام عبدالرزاق
۳۔	مسند ابی یعلی، ۶: ۷۱	امام ابویعلی الموصلی

نمبر	کتاب	محدث
۴۔	صحیح ابن حبان ۱: ۱۳۹	امام ابن حبان
۵۔	حلیۃ الاولیاء ۶: ۳۵۳، ۸: ۳۳۳	امام ابونعیم اصبہانی
۶۔	فردوس الاخبار، ۴: ۲۵۶	امام دیلمی
۷۔	سیرت ابن اسحاق، ۱: ۲۹۷	ابن اسحاق
۸۔	شرح السنۃ، ۱۳: ۳۵۱	امام بغوی
۹۔	سنن نسائی، ۱: ۲۴۲، ۲۴۳	امام نسائی
۱۰۔	تاریخ جرجان للسہمی، ۲۷۳	امام سہمی
۱۱۔	مسند الشامیین، ۱: ۱۹۴، ۲: ۴۲۰	امام طبرانی
۱۲۔	الرسائل القشیریہ، ۱۸	ابوالحسن قشیری
۱۳۔	السنن الکبریٰ، ۱: ۴۱۹	امام نسائی
۱۴۔	تاریخ اصبہان، ۲: ۲۲۸	ابونعیم اصبہانی
۱۵۔	کتاب الزہد ۹۵	امام احمد
۱۶۔	المعجم الکبیر ۱۱: ۹۱	امام طبرانی
۱۷۔	نوادر الاصول ۴۰۹	حکیم ترمذی

(کتاب الافراد ۲/۱۳۳ امام دارقطنی)

یہ حدیث الحمدللہ صحیح السند والمتن ہے اس لئے اس کے مویدات کی خاص ضرورت تو نہیں لیکن اتمام حجت کے لئے چند روایات اس کی تائید میں پیش کرتے ہیں تاکہ ماننے والوں کے دل باغ باغ اور منکرین کی ناک خاک آلود ہو۔

(حدیث نمبر ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مررت علی موسیٰ و هو قائم يصلی فی قبره.

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱: ۹۲۔ مسند احمد، ۱:۲۸۵، ۲۹۰۔ فوائد التمام الرازی، ۴:
۲۵۸ (باب ماجاء فی موسیٰ)۔ (ذکر اخبار اصبہان لابی نعیم ۲:۱۴۵)

(حدیث نمبر۲) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن ابی سعید قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : رأیت موسی(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عند الکثیب الاحمر یصلی فی قبرہ.

(کشف الاستار عن زوائد البزار ۳:۱۰۴)(ابن مردویہ بحوالہ الخصائص الکبریٰ ۱:۱۶۹)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(حدیث نمبر۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما اسریٰ بی الی السمآء رأت موسیٰ یصلی فی قبرہ.

(ابن عساکر بحوالہ کنز العمال ۱۱:۵۱۱)(ابن مردویہ بحوالہ الخصائص الکبریٰ ۱:۱۷۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں نے حضرت موسیٰ کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

حدیث نمبر۸

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا محمد بن عبد اللہ بن المنادی ثنا یونس بن محمد المودب ثنا حماد بن سلمۃ ثنا سلیمان التیمی و ثابت البنانی عن انس ابن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال : اتیت موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں حضرت موسیٰ کے پاس سرخ ٹیلے کے قریب آیا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

و قد صح عنہ انہ رای موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ لیلۃ الاسراء . (کتاب الروح ص ۷۴)

اور یہ صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت علامہ احمد بن السید محمد مکی حموی حنفی (م ۱۰۹۸) فرماتے ہیں:

وصح ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی موسی قائما یصلی فی قبرہ لیلۃ الاسراء. (رسالہ کرامات اولیاء ص ۱۴ طبع ترکی ملحق بہ الدرر السنیۃ)

اور یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

و قال البیھقی فی دلائل النبوۃ و فی الحدیث الصحیح عن سلیمان

التیمی و ثابت عن انس بن مالک (شفاء السقام ص۱۸۳)

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس حدیث کے متعلق کہا جو کہ سلیمان تیمی اور ثابت بنانی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ صحیح حدیث ہے۔

امام بیہقی کی یہ عبارت دلائل النبوۃ ۲:۳۸۷ پر ہے:

(ش) عن انس وھو صحیح.

حضرت انس سے یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے جو کہ صحیح ہے۔

فوائد حدیثیہ:

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

قال الشیخ بدرالدین بن الصاحب فی مولف له فی حیاۃ الانبیاء : هذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسی فی قبرہ فانه وصفه بالصلوۃ وانه قائم. ومثل ذلک لا یوصف به الروح وانما یوصف به الجسد و فی تخصیصه بالقبر دلیل علی هذا فانه لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصه بالقبر.

(زہر الربی شرح سنن النسائی للمجتبیٰ ۱:۲۴۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

شیخ بدرالدین بن صاحب نے اپنے رسالہ حیاۃ الانبیاء میں فرمایا کہ یہ حدیث شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاۃ فی القبر میں صریح ہے کیونکہ اس میں ان کی صفت نماز بیان کی گئی ہے کہ وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے اور یہ صرف روح کی صفت نہیں ہوسکتی۔ بے شک یہ تو جسد کا کام ہے (یعنی آپ حقیقی حیاۃ کے ساتھ متصف ہیں) اور قبر کی تخصیص بھی اس پر دلیل ہے کہ اگر یہ صرف روح کے اوصاف میں سے ہوتا تو قبر کی تخصیص کے ساتھ احتجاج نہ کیا جاتا۔

حضرت داؤد بن سلیمان بغدادی نقشبندی فرماتے ہیں:

والصلاۃ ذات رکوع و سجود و ھی تستدعی جسداً حیا کما قالوا فی صلاۃ موسیٰ فی قبرہ.

اور نماز رکوع وسجود والی ہے اور یہ زندہ جسم کو چاہتی ہے جیسا کہ ''حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی نماز اپنی قبر میں'' کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے۔

حضرت امام محمد بن یوسف صالحی شامی فرماتے ہیں:

قال العلامة جمال الدین محمود بن جملة : وهذا الحدیث صریح فی اثبات الحیاۃ لموسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم . فانه وصفه بالصلوۃ و ذکر انه کان قائما و مثل هذا لا یوصف به الروح فقط، و انما یوصف به مع الجسد فانه لا یقوم یصلی الا بعودۃ الروح الیه فتلک کرامة عظیمة فانه یفسخ له فی قبرہ فیکون عمله فی العبادۃ متصل بعد وفاته و هذه الرؤیة رؤیة عین لان مذهب اهل السنة ان الاسراء کان بالجسد.

(سبل الہدیٰ والرشاد سیرۃ خیر العباد ۱۲:۲۶۷ الباب الثانی عشر فی صلاتہ فی قبرہ)

حضرت علامہ جمال الدین محمود بن جملہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاۃ فی القبر میں واضح اور صریح ہے کیونکہ آپ کی نماز کا بیان کیا گیا ہے کہ وہ کھڑے تھے اور یہ صفت فقط روح کی صفت نہیں ہوسکتی۔ یہ روح واپس لوٹا دی گئی ہے تو یہ آپ کی ایک بہت بڑی عزت وکرامت ہے کیونکہ آپ کی قبر وسیع کردی گئی ہے اور یہ عبادت کا عمل وفات کے فوراً بعد متصل ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ کو دیکھنا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک معراج روح مع جسد کو ہوئی تھی نہ کہ فقط روح کو۔

حضرت امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

و قد ذکرناہ عن جماعة من العلماء وشهد له صلاۃ موسیٰ علیه السلام فی قبرہ فان الصلاۃ تستدعی جسداً فی الانبیاء لیلة کلها صفات الاجسام و لا یلزم من کونها حیاۃ حقیقة ان تکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاۃ الحقیقة واما الادراکات کالعلم والسماع فلا شک ان ذلک ثابت.

(شفاء السقام ۱۹۱،۱۹۲)

اورہم نے علماء کی ایک پوری جماعت سے حیات الانبیاء کا بیان کیا ہے اوراس کا شاہد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے اورنماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور ایسی دیگر وہ صفات جو کہ انبیاء میں ذکر کی گئیں معراج کی رات کوتو یہ تمام صفات اجسام کی ہیں اورقبر میں حقیقی حیات ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے بدنوں کو جیسے دنیا میں کھانے پینے کی احتیاج تھی وہ قبر میں بھی ہواورعقل بھی قبروں میں حقیقی حیات کے اثبات کی نفی نہیں کرتی اور جہاں تک ادراکات یعنی علم اورسماعت کا تعلق ہے تو وہ ان کے لئے ثابت ہیں اوراس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

حضرت علامہ سیدی محمد بن قاسم جسّوس تحریر فرماتے ہیں:

و یشهد لہ صلاۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسد احیاء وکذلک صفات الانبیاء المذکورۃ لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجساد و لا امتناع من انھا حیاۃ حقیقۃ و ان لم تحتج الی نحو طعام و اما نحو العلوم والسماع فثابت لھم بل لسائر الموتی بلا شک.

(الفوائد الجلیلۃ البھیۃ علی شمائل نبویہ ص ۲۳۶)

حیاۃ الانبیاء کا شاہد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے اورنماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور ایسے ہی وہ تمام صفات جو کہ معراج کی رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انبیائے کرام کی بیان فرمائیں وہ سب اجساد کو چاہتی ہیں اوران کی حیاۃ حقیقی ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے لیکن یہ حیاۃ حقیقۃ ہونے کے باوجود ان کو طعام وغیرہ کی حاجت نہیں ہے اور جہاں تک علم اورسماعت کا تعلق ہے تو وہ انبیائے کرام کے لئے ثابت ہے بلکہ وہ تو عام موتی کے لئے بھی ثابت ہے۔

یہاں منکرین شان انبیاء کی ایک نئی توجیہ وتحقیق بھی ملاحظہ فرمائیں۔ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے۔

دیوبندی انوکھی تحقیق

مولوی محمد حسین نیلوی دیوبندی مماتی نے لکھا ہے:

جس طرح حیات دنیا میں ارواح وابدان عنصریہ کے ذریعے متحرک ہوتی ہیں اورتمام اعمال وتصرفات بجالاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام اوربعض کاملین کی ارواح وفات کے بعد عالم برزخ میں مثال اور برزخی اجسام کے ذریعے حرکت کرتی ہیں اورنماز پڑھتی ہیں۔تلاوت قرآن، حج اورکئی دوسرے اعمال بجالاتی ہیں۔'' (ندائے حق ۱:۵۵۷)

یعنی مولوی مذکور کا حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اور بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ قبر میں ان کا مثالی جسم نماز پڑھ رہا تھا۔اصل جسم قبر میں بلاحرکت وجنبش موجود تھا۔بلفظہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثالی جسم دیکھا تھا اوراصلی جسم پاس میں بلاحرکت وجنبش پڑا ہوا تھا۔اس پر مولوی صاحب کے پاس کون سی دلیل ہے واضح کریں۔

تو ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام قبورمقدسہ میں حقیقی حیاۃ کے ساتھ زندہ ہیں اورنمازیں ادا فرماتے ہیں۔کیا انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی کوئی شخص اپنی قبر میں نماز پڑھتا ہے یا کہ نہیں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایات قابل مطالعہ ہیں۔

امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت نقل فرمائی ہے کہ

یوسف بن عطیۃ قال سمعت ثابت البنانی یقول لحمید الطویل ھل بلغک یا ابا عبید اللہ ان احدا یصلی فی قبرہ الا الانبیاء قال لا قال ثابت اللھم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبرہ فاذن لثابت ان یصلی فی قبرہ.

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم،۲: ۳۱۹،شرح الصدور، ۲۵۶ سبل الھدیٰ والرشاد،۱۲: ۳۶۷ شعب الایمان للبیھقی بسند آخر،۳: ۱۵۶ مصنف ابن شیبہ عن حماد قال ثابت ۱۴: ۵۰)

(کتاب الزہد طبقات ابن سعد ۷/۲۳۳ مختصراً)

جناب یوسف بن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ثابت سے سنا کہ انہوں نے حمید الطّویل سے فرمایا کہ اسے ابوعبید کیا تجھے کوئی ایسی حدیث پہنچی ہے کہ حضرات انبیائے کرام کے

علاوہ بھی کوئی شخص قبر میں نماز پڑھتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو حضرت ثابت نے دعا مانگی اے اللہ اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق و اجازت دیتا ہے تو ثابت کو اجازت دینا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھے۔

یعنی جناب حمید الطّویل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی مرفوع روایت نہیں ملی کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا بھی کوئی شخص قبر میں نماز پڑھتا ہے یا کہ نہیں اور اگر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام بھی قبر میں نماز نہ پڑھتے ہوتے تو پہلے نمبر پر تو حضرت بنانی جو کہ مشہور ثقہ تابعی ہیں اور جنہوں نے حضرت عبداللہ بن (مسلم)

حضرت عبداللہ مغفل (نسائی)

حضرت عبداللہ بن زبیر (بخاری)

حضرت ابو برزہ اسلمی اور حضرت عمر بن ابی سلمہ مخزومی ربیب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ترمذی و نسائی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابہ کرام سے روایت لی ہے۔ اور اپنے وقت کے اولیائے کرام میں تھے۔ یہ سوال نہ کرتے اور اگر کر ہی دیا تھا تو جناب حضرت حمید الطّویل ہی اس سوال کو رد کر دیتے کہ انبیاء بھی تو قبور میں نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت امام ثابت بنانی کا سوال کرنا اور حمید الطّویل کا اس کو رد نہ کرنا بتاتا ہے کہ حضرات تابعین بھی پڑھتے ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ کیا حضرات انبیائے کرام علیہ السلام کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ کسی کو فضیلت بخشی ہے یا کہ نہیں۔

اولیائے کرام کا قبور میں نماز پڑھنا

حضرت ثابت بنانی ان خوش نصیب اولیاء میں سے ہیں جو کہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور قرآن کی تلاوت بھی فرماتے ہیں۔

شیبان بن جسر عن ابیه قال : انا واللہ الذی لا الٰه الا هو ادخلت ثابت البنـانی لحده ومعی حمید الطویل او رجل غیره شک محمد قال فلما سوینا

علیه اللبن سقطت لبنة فاذا انا به یصلی فی قبره فقلت للذی معی الا تری . قال : اسکت فلما سوینا علیه و فرغنا أتینا ابنته فقلنا لها ما کان عمل ابیک ثابت؟ فقـالـت و مـا رأیتـم فـاخبـرنـا هـا فقالت کان یقوم اللیل خمسین سنة فاذا کان السـحـر ، قـال فـی دعـائه اللهم ان کنت اعطیت احداً من خلقک الصلوة فی قبـره فـاعطنیها فما کان الله لیرد ذلک الدعا. (حلیۃ الاولیاء ۲:۳۱۹) احوال القبور و احوال اہلہا الی النشور لابن رجب حنبلی ص ۳۶۔ اقامۃ الحجۃ از مولانا عبدالحی لکھنوی ص ۷، تحقیق عبدالفتاح ابو غدہ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب عیون الاخبار لابن قتیبہ ۲: ۳۴۳ کتاب الزہد)

شیبان بن جسر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں حضرت ثابت بنانی کی لحد میں داخل ہوا اور میرے ساتھ حمید الطّویل یا کوئی دوسرا شخص (راوی محمد کو شک ہے) بھی تھا جب ہم نے لحد پر اینٹیں لگا کر برابر کر دیا تو ایک اینٹ گر گئی، دیکھا کہ حضرت ثابت قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اس شخص سے جو کہ میرے ساتھ تھا کہا کیا تو نے دیکھا اس نے کہا کہ خاموش رہو جب ہم قبر کو بنانے کے بعد فارغ ہوئے تو حضرت ثابت کی بیٹی کے پاس آئے اور اس سے ہم نے پوچھا کہ تمہارے والد کیا عمل کیا کرتے تھے اس نے کہا کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔ ہم نے بیان کیا تو اس نے کہا کہ انہوں نے پچاس سال تک رات کو قیام کیا۔ جب صبح ہوتی تو وہ دعا کرتے اور کہتے اے میرے اللہ اگر تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو مجھے بھی یہ توفیق عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو رد نہیں کیا۔

تو الحمد للہ ثابت ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے اولیا بھی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور راوی نے اپنی روایت کردہ حدیث ”**الانبیـاء احیاء فی قبورهم یصلون**“ کو ہر لحاظ سے ثابت کر دیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت ثابت بنانی سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

و قد صح عن ثابت البنانی التابعی انه قال اللهم ان کنت اعطیت احد ا ان یصلی فی قبره فاعطنی ذلک فرئ بعدموته یصلی فی قبره.

اور حضرت ثابت بنانی تابعی سے یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے دعا مانگی اے اللہ اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو مجھے بھی اجازت دینا تو ان کی وفات کے بعد ان کو دیکھا گیا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت امام محمد بن یوسف صالحی شامی تلمیذ امام سیوطی فرماتے ہیں:

آپ امام ابونعیم والی سابقہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و جاء ت هذه الحکایت من غیر وجه. (سبل الہدیٰ والرشاد ۱۲: ۳۶۷)

یہ حکایت کہ حضرت ثابت بنانی اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں:

عفان عن حماد بن سلمة قال : کان ثابت یقول اللهم ان کنت اعطیت احداً الصلوة فی قبره فاعطنی الصلوة فی قبری فیقال ان هذه الدعوة استجیبت و انه رئ بعد موته یصلی فی قبره فیما قیل. (سیر اعلام النبلاء ۵: ۲۲۲)

حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بنانی کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی سعادت بخشتا ہے تو مجھے بھی میری قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما تو کہتے ہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کو وفات کے بعد دیکھا گیا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

اسی سند اور انہیں الفاظ کے ساتھ اس حکایت کو حضرت امام حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزی نے بھی روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(تہذیب الکمال ۳: ۲۲۷، طبع دار الفکر، بیروت)

اور اسی طرح "مرشد الزوار الی قبور الابرار" جلد ا ص ۹۷ پر، عن حسین بن شیبان عن ابیہ کی سند سے بھی ایک روایت موجود ہے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

و کان رضی الله تعالیٰ عنه یقوم اللیل خمسین سنة فاذا کان السحر یقول فی دعائه اللهم ان کنت اعطیت احداً من خلقک الصلوة فی قبره فاعطنیها فلما مات و سوی علیه اللبن وقعت علیه لبنة فاذا هو قائم یصلی فی قبره. (الطبقات الکبریٰ المسماۃ بلواقح الانوار فی طبقات الاخیار ۱:۳۶ الحلبی مصر)

اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس سال تک رات کو قیام کرتے رہے جب صبح ہوتی تو دعا مانگتے کہ اے اللہ اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو مجھے بھی عطا فرما۔ پس جب آپ فوت ہوئے اور آپ کی قبر کو برابر کیا گیا تو ایک اینٹ گر پڑی تو اس وقت آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت شیخ موسیٰ ماہین زولی کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا

حضرت ثابت بنانی کے واقعہ مبارکہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت شیخ موسیٰ بن ماہین زولی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی آتا ہے جیسا کہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی نے نقل فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

استوطن رضی الله تعالیٰ عنه مار د بن وبها مات رحمه الله تعالیٰ و قد کبر سنة و قبر بها ظاهر یزار. و لما وضعوه فی لحده نهض قائما یصلی و اتسع له القبر و اغمی علی من کان نزل قبره. (الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۴۰)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماردبن میں رہتے تھے اور وہیں فوت ہوئے ان کی وہاں قبر ظاہر ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ جب ان کو لحد میں رکھا گیا تو وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے اور ان کی قبر وسیع ہوگئی اور جو شخص آپ کی لحد میں اترا تھا وہ یہ دیکھ کر بے ہوش ہوگیا۔

اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم کے اس جیسے واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا

شمار مشکل ہے لیکن چونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں اس لئے انہی حوالوں پر اختصار کرتے ہوئے اس کو ختم کرتے ہیں۔ ان حوالوں سے مقصود صرف یہ ہے کہ جب اولیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں تو پھر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ اپنی قبور مقدسہ میں نمازیں پڑھیں۔

اخرجه ابوالحسن مسلم بن الحجاج النيشابوری رحمه الله من حديث حماد بن سلمة عنهما ، واخرجه من حديث الثوری و عيسى بن يونس وجرير بن عبد الحميد عن التيمی. اھ

اس حدیث کو امام مسلم حجاج نیشاپوری نے حماد بن سلمہ سے اور انہوں نے ان دونوں (سلیمان تیمی اور ثابت) سے روایت کیا اور ثوری کی حدیث عیسیٰ بن یونس وجریر بن عبدالحمید نے تیمی سے اس کو روایت کیا ہے۔

ا؎ اس حدیث شریف کی تخریج پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔ اور اس کی شرح بھی پچھلے صفحات میں ہوچکی ہے۔

حدیث نمبر۹:

اخبرنا احمد بن علی الحرشی ثنا حاجب بن احمد ثنا محمد بن يحيى ثنا احمدبن خالد الوهبی ثنا عبدالعزيز بن ابی سلمة عن عبد الله بن الفضل الهاشمی عن ابی سلمة بن عبد الرحمن عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : لقد رأيتنی فی الحجر و انا اخبر قريشا عن مسرای فسألونی عن اشيآء من بيت المقدس لم اثبتها فكربت كربا ما كربت مثله قط فرفعه الله لی انظر اليه ما يسألوننی عن شيیء الا انبأتهم به.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا (اس وقت میں قریش کو سفر معراج کی تفصیل بتا رہا تھا۔ قریش نے بیت المقدس کی بعض ایسی اشیاء کے بارے میں مجھ سے پوچھا جو اس وقت میرے ذہن میں نہ تھیں۔ مجھے اس وقت اتنی پریشانی ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ایسی پریشانی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور لوگوں کے سوالوں کے جوابات دے رہا تھا۔

اس حدیث شریف اور دیگر واقعہ معراج کے متعلق مروی احادیث میں پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر ہے جس سے مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور جہاں چاہیں باذن اللہ تشریف لے جائیں کیونکہ وہ اپنی قبروں میں بھی تھے۔ بیت المقدس میں بھی جیسا کہ مذکورہ حدیث میں واضح ہے اور آسمانوں میں بھی تھے اس لئے ثابت ہوا کہ ان کی زندگی تو متحقق ہے ان احادیث سے ان کا اطراف عالم میں تصرف بھی ثابت ہو رہا ہے۔

و قد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا موسى قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كانه من رجال شنؤه و اذا عيسى بن مريم قائم يصلي اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي و اذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلوة فأممتهم فلما فرغت من الصلوة قال لي قائل : يا محمد! هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام.

اخرجه مسلم في صحيح من حديث عبدالعزيز.

بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی جماعت کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ کم گوشت والے گھنگھریالے بالوں والے تھے گویا قبیلہ شنوہ سے ہوں اور حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور وہ عروہ بن مسعود ثقفی کے مشابہ تھے اور یہ بھی دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جو کہ تمہارے آقا یعنی خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ آخر نماز کھڑی ہوئی اور میں نے ان کی امامت کی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ایک کہنے والے نے کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ مالک جہنم کے داروغہ ہیں اسے سلام کیجئے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سلام کرنے میں پہل کی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالعزیز کی سند سے بیان کیا۔

حضرت امام تقی الدین سبکی ان تمام روایات کو جمع فرما کر لکھتے ہیں: هذه الاحاديث كلها في الصحيح. (شفاء السقام ۱۸۵)
یہ تمام احادیث صحیح کے حکم میں ہیں۔

انبیائے کرام کا کائنات عالم میں تصرف کرنا

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالعزیز کی سند سے بیان فرمایا:

یہاں ہم چند احادیث ایسی نقل کرتے ہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں قید نہیں بلکہ آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ حج وغیرہ کریں۔ ایک حدیث شریف جو کہ امام مسلم نے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

لقيت موسىٰ عليه السلام فاذا رجل حسبته قال مضطرب رجل رأس كانه من رجال شنوءة ولقيت عيسىٰ فاذاربعة احمر كانما خرج من ديماس يعني حماما و رأيت ابراهيم و انا اشبه و لده به. (مسلم ۱:۹۵، باب الایمان وباب الاسراء برسول اللہ، بخاری ۱:۴۸۹ باب و اذكر في الكتاب مريم)

میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ان کے بال شریف پریشان تھے گویا کہ وہ آل شنوءہ کے آدمی ہیں اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملا سرخ وسفید رنگ کے خوبصورت آدمی تھے ایسے لگتے تھے کہ ابھی ابھی حمام سے نکل کر آئے ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بالکل میری طرح کے تھے۔

اس حدیث شریف کے الفاظ اس طرح ہیں:

اراني ليلة عند الكعبة فرأيت رجلا آدم كاحسن ماانت رأمن الرجال من اُدم الرجال له لمّة كاحسن ما انت رأى من اللحم قد رجلها فهي تقطر ماء متكئاً على رجلين او على عواتق رجلين يطوف بالبيت فسألت من هذا فقيل هذا المسيح بن مريم.

(مسلم شریف ۱:۹۵، باب الایمان وذکر المسیح، بخاری ۱:۴۸۹ باب واذكر في الكتاب مريم کتاب الایمان لابن مندہ ۲:۷۴۳:۳، ۲:۷۳۰)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک رات خانہ کعبہ میں ایک نہایت خوبصورت آدمی کو دیکھا کہ پانی کے قطرے موتیوں کی طرح اس کے پاؤں یا ایڑیوں پر گر رہے تھے۔ یہ شخص نہایت عقیدت سے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے تو کہا گیا کہ یہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔

وفی حدیث سعید ابن المسیب و غیرہ انه لقیهم فی مسجد بیت المقدس و فی حدیث ابی ذر ومالک بن صعصعة فی قصة المعراج انه لقیهم فی جماعة الانبیاء فی السموات و کلمهم و کلموه.

اور حضرت سعید بن المسیب وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان انبیائے کرام علیہم السلام سے مسجد اقصیٰ میں ملے تھے اور حدیث ابی ذر اور مالک بن صعصہ کی حدیث میں واقعہ معراج میں ہے کہ آپ انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت سے آسمانوں میں ملے تھے آپ نے ان سے کلام کیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام کیا۔

ایک حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں: **کانی انظر الی موسیٰ واضعا اصبعیه فی اذنیه.** (مسلم ۱:۹۵ کتاب الایمان لابن مندہ ۲:۷۳۶)

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں گویا کہ انہوں نے دونوں کانوں میں انگلیاں دی ہوئی ہیں۔

ان روایات سے یہ صاف طور پر ظاہر ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام ظاہری زندگی کے بعد بھی زندہ ہیں اور جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں جیسا کہ ابھی متن میں امام بیہقی کا فرمان آرہا ہے۔

مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کانی انظر الی موسیٰ بن عمران فی هذا الوادی محرما

بین قطونیتین.

(مسند ابی یعلی موصلی، ۵:۵۶ بتحقیق الاثری المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۰:۱۶۵ حلیۃ الاولیا لابی نعیم ۴:۱۸۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں اس وادی میں احرام باندھے ہوئے ہیں قطونیتین کے درمیان۔

عن ابن عباس: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مر بوادی الازرق فقال ای واد هذا فقالوا هذا وادی الازرق قال کأنی انظر الیٰ موسیٰ هابطا من الثنیة وله جوار الی اللہ بالتلبیة ثم اتی علی ثنیة هرشا فقال ای ثنیة قالوا هذا ثنیة هرشا قال کانی انظر الی یونس بن متی علی ناقة حمراء جعدة علیه جبة من صوف خطام ناقته خلبة وهو یلبی.

(مسلم شریف ۱:۹۴ کتاب الایمان مسند ابی یعلی ۳:۸۳ شعب الایمان ۳:۴۴۰)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وادی ازرق سے گزرے تو فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلندی سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں وہ بلند آواز میں تلبیہ کہہ رہے ہیں پھر آپ ہرشا کی وادی پر آئے۔ آپ نے پوچھا یہ کونسی وادی ہے لوگوں نے کہا یہ ہرشا کی وادی ہے۔ آپ نے فرمایا گویا میں یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک طاقت ور سرخ اونٹنی پر سوار ہیں۔ انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے۔ اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ تلبیہ کر رہے ہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام حج کرتے ہیں کبھی پیدل اور کبھی سواری پر تو ظاہر ہے کہ حج اپنی قبور مقدسہ سے نکل کر ہی کرتے ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا وادئ ازرق میں اور سیدنا یونس علیہ السلام کا وادئ ہرشا میں تلبیہ پڑھتے ہوئے آنا اور پھر اونٹنی پر سوار ہونا یقیناً یہ اجسام کی صفت ہے کیونکہ ارواح کو تو اونٹنی پر سواری کی حاجت ہی نہیں ہے اور یہ واقعہ بھی بیداری کا ہے جبکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ساتھ تھے۔ لیکن یہاں صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دیکھنے کا ذکر نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ کوئی منکر یہ کہہ دے کہ یہ تمام واقعات خواب کی حالت کے ہیں اس لئے ایک ایسا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جس میں یہ تمام شبہات خود ہی ختم ہو جائیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

قال بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأینا بردا ویدا فقلنا یا رسول اللہ ماھذا برد الذی رأینا بردا ویدا قال: و قد رأیتموہ ؟ قلنا نعم : قال ذلک عیسی بن مریم سلم علی.

(الکامل لابن عدی ۵:۱۲۵۷۸ ابن عساکر بسند آخر خصائص الکبری ۲:۹۱ نوریہ رضویہ سکھر)

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ ایک چادر اور ایک ہاتھ دیکھا تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سردی کیسی ہے جو ہمیں محسوس ہوئی اور یہ ہاتھ کیسا ہے جو ہم نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اس ہاتھ کو دیکھا ہم نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: یہ عیسی بن مریم ہیں جنہوں نے مجھے سلام کیا تھا۔

اس حدیث شریف سے صاف واضح ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جہاں چاہیں تشریف لے جائیں اور ان کی زیارت غیر انبیاء کے لئے بھی ممکن ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ انبیائے کرام علیہم السلام حج کرتے ہیں تلبیہ پڑھتے ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ بظاہر دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اور وہ دارالجزاء میں ہیں نہ کہ دارالعمل میں اور یہ اعمال تو دارالعمل کے ساتھ خاص ہیں نہ کہ دارالجزاء کے ساتھ تو اس کا جواب امام نووی و تقی الدین سبکی نے امام قاضی عیاض سے نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

فاعلم : ان للمشائخ وفیما ظھر لنا عن ھذا اجوبۃ احدھا کالشھداء بل افضل منھم والشھداء احیاء عند ربھم فلا یبعد ان یحجوا و یصلوا کما ورد فی الحدیث الآخر. (شرح مسلم للنووی ۱:۹۴ شفاء السقام ۱۸۶)

جاننا چاہئے کہ مشائخ کے کلام سے جو ہمارے لئے ظاہر ہوا اس کے کئی جواب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے بہت زیادہ افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تو یہ بعید نہیں کہ حج کریں اور نمازیں پڑھیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

ویسے بھی چونکہ یہ دنیا تو عام آدمی کے لئے بھی قید خانہ کی حیثیت رکھتی ہے تو جب آدمی قید خانہ سے چھوٹے تو وہ آزاد ہے جہاں چاہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے۔ ملاحظہ فرمائیں پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مبارکہ:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المومن و انما مثل المومن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی سجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض و یتفسح فیھا.

بیشک دنیا کافر کے لئے جنت اور مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ جب مومن کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید میں تھا اب اس کو آزاد کر دیا گیا پھر زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔

تخریج حدیث:

۱۔ کتاب الزہد لابن مبارک (عن عبداللہ بن عمرو) ۲۱۱ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ 〃 ۱۳:۳۳۵ ادارۃ القرآن کراچی
۳۔ مسند امام احمد 〃 ۲:۱۹۷ المکتب الاسلامی بیروت
۴۔ مسند امام احمد (عن ابی ہریرہ) 〃 ۲:۳۲۳، ۲:۳۸۹ 〃 〃
۵۔ کتاب الزہد للامام احمد 〃 〃 〃 ۳۷ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۔ حلیۃ الاولیاء 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۷۔ حلیۃ الاولیاء (عن عبدالرحمٰن عمر) ۸:۱۷۷،۸:۱۸۵ ″ ″

۸۔ الکامل لابن عدی (عن ابی ہریرہ) ۳:۶۰۴ دارالمعرفۃ بیروت

۹۔ فردوس الاخبار للدیلمی بن عمر ۵:۴۱۶ برقم ۸۳۳۳

۱۰۔ مستدرک للامام حاکم عن سلیمان ۳:۶۰۴ دارالمعرفۃ بیروت

۱۱۔ ″ ″ عبداللہ بن عمرو ۴:۳۱۵

۱۲۔ الزہد الکبیر للبیہقی ۱۸۹ دارالقلم کویت

۱۳۔ عبداللہ بن عمرو ۶۱۸، ۲۲۳

۱۴۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۶:۲۶۹، ۲۳۶ مکتبۃ المعارف ریاض

۱۶۔ شرح السنۃ للامام بغوی ابی ہریرہ ۱۴:۲۹۷ المکتبۃ الاسلامی بیروت

۱۷۔ مسند الشہاب للقضاعی ابن عمر ۱:۱۱۸ موسسہ الرسالہ بیروت

۱۸۔ صحیح ابن حبان ۲:۳۸ دارالفکر بیروت

۱۹۔ المنتخب لعبد بن حمید ابن عمر ۱:۳۰۷ مکتبہ ابن حجر مکۃ المکرّمہ

۲۰۔ نوادرالاصول للامام حکیم ترمذی ۳۵، ۸۰، ۳۹۰ المکتبۃ العلمیہ مدینہ منورہ

۲۱۔ فردوس الاخبار للدیلمی ابی ہریرہ ۲:۳۵۲ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل

۲۲۔ کشف الاستار عن زوائد البزار ابن عمر ۴:۲۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت

۲۳۔ معجم السفر لابی طاہر احمد بن محمد السّلفی ابی ہریرہ ۲۵۷ اسلام آباد

۲۴۔ القند فی ذکر علماء سمرقند ۳۱۳ مکتبۃ الکوثر سعودی عرب

۲۶۔ تہذیب تاریخ دمشق ۲:۴۰۹، ۴۱۵ بیروت

۲۷۔ مسند ابی یعلی ابی ہریرہ ۶:۶۴، ۸۰ بتحقیق الاثری سعودی عرب

۲۸۔ صحیح مسلم ″ ۲:۲۰۷ کتاب الزہد کراچی

۲۹۔ ترمذی ″ ۲:۵۸ ″

۳۰۔ ابن ماجہ ″ ۳۰۳ ″ ″

۳۱۔ الجوع لابن ابی الدنیا سلیمان فارسی ۲۶ برقم ۳ دار ابن بیروت

۳۲۔ الضعفاء الکبیر للعقیلی ۳:۳۶۰ برقم ۱۳۹۳

۳۳۔ طبقات العرفیہ

۳۴۔ بہجۃ المجالس وانس المجالس ابن عبدالبر القرطبی ۲:۱۰۶، ۲:۱۷۸

۳۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی عن قتادۃ بن النعمان بن زید ۱۹:۱۵

۳۶۔ مجمع الزوائد ۱۰:۲۸۸ دارالکتاب العربی بیروت

۳۷۔ التذکرہ فی الاحادیث المشتہرہ للزرکشی ۱۳۳ دارالکتب العلمیہ بیروت

۳۸۔ کتاب الزہد لابی داؤد السجستانی ابن عمرو ۲۷۷ دارالسّلفیہ بمبئی

۳۹۔ ذم الدنیا لابن ابی الدنیا ″ ۵۹ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت

۴۰۔ تاریخ بغداد ۱۱:۳۴۸ دارالکتب العلمیہ بیروت

۴۱۔ ″ ابن عمر ۶:۴۰۱، ۱۲:۴۳۲ ″ ″

۴۲۔ الترغیب والترتیب للاصبہانی ابی ہریرہ ۲:۲۰۷ دارالحدیث قاہرہ

۴۳۔ ذم الدنیا لابن ابی الدنیا سلیمان فارسی ۱۲ بیروت

۴۴۔ اعلام النبوۃ للماوردی ۲۶۷ باب جوامع الکلم داراحیاء العلوم بیروت

۴۵۔ تاریخ اصبہان لابی نعیم ۱:۳۴۰ ایران

۴۶۔ المقاصد الحسنۃ للسخاوی ۳۵۰ دارالکتاب العربی بیروت

۴۷۔ موضع اوہام الجمع والتفریق الامام خطیب بغدادی انس بن مالک ۱:۴۴۲

ابن شیبہ کے الفاظ یوں ہیں:

فاذا مات المومن یخلی بہ یسرح حیث شاء. (مصنف ابن ابی شیبہ

۱۴:۳۵۵)

جب مومن فوت ہوتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔

اس سے بڑھ کر صحابہ کرام کا عقیدہ دیکھیں کہ آدمی اس جہاں سے چلے جانے کے بعد بالکل آزاد ہے جہاں چاہے اللہ کے حکم سے جائے اور سیر کرے۔

حضرت امام عبداللہ بن مبارک کے یہاں اس کی سند اس طرح ہے:

اخبرنا سفیان بن عیینة عن یحی بن سعید و علی بن زید بن جدعان عن سعید بن المسیب. (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱:۲۶۲ تا ۲۶۵)

اس سند میں پہلے راوی سفیان بن عیینہ ہیں جو کہ زبردست ثقہ ہیں اور حجت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے راوی یحیی بن سعید ہیں۔ یہ راوی بھی زبردست ثقہ ہیں اور کسی نے بھی ان پر جرح نہیں کی۔ یہ بالاتفاق ثقہ حجت ہیں ملاحظہ ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۳۷ تا ۱۳۹)

اور تیسرے راوی سعید بن المسیب ہیں۔ یہ بہت بڑے تابعی ہیں۔ حضرت عمر و عثمان و زید بن ثابت، حضرت عائشہ، حضرت سعد و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر بے شمار صحابہ سے سماع ثابت ہے زبردست ثقہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱:۵۴،۵۵)

اور پھر امام سفیان بن عیینہ کے متابع امام عبداللہ بن مبارک اور عباد بن العوام اور یحیی بن سعید کے متابع علی بن زید بن جدعان ہے۔ (عند عبداللہ بن مبارک فی الزہد)

اور سفیان بن عینہ کا متابع جریر بھی ہے۔ (عند ابی الدنیا)

حضرت سعید بن میبّب سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان فارسی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے تو ایک دوسرے سے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے وفات پا گئے تو مجھے خبر دینا وہاں برزخ میں کیا پیش آتا ہے۔ تو دوسرے نے کہا کیا مردے بھی باہم مل سکتے ہیں تو پہلے نے جواب دیا:

نعم ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاء ت.

ہاں کیوں نہیں مومنوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انہیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

۱۔ الزہد لابن المبارک ص ۱۴۴، برقم ۴۲۹ ولفظہ لہ ص ۱۴۴

۲۔ التوکل علی اللہ لابن ابی دنیا محدث ص ۵۱

۳۔ المنامات لابن ابی دنیا ص ۲۳

۴۔ احوال القبور لابن رجب حنبلی ۱۱۶

۵۔ شرح الصدور للسیوطی ۳۵۶

۶۔ کتاب الروح لابن قیم ۳۳

۷۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم عن المغیرہ بن عبدالرحمٰن ۱:۲۰۵

۸۔ احیاء العلوم ۴:۵۲۷

تو اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ارواح مومنین برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں تشریف لے جاتی ہیں۔

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت:

ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاء ت و نفس الکافر فی سجین.

(کتاب الزہد لابن المبارک ۱۴۴ و ابن مندہ نقلہ ابن رجب حنبلی فی احوال القبور ۱۱۶)

مومنین کی روحیں زمین برزخ میں ہوتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کفار کی روحیں قید عذاب میں ہوتی ہیں۔

حضرت شیخ علامہ ابن احمد بن محمد ابراہیم عزیزی (م ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں:

فاذا فارق الدنیا فارق السجن و انتقل الی انفساخ و دیار السرور والا فراح. (السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ۳:۱۶۲)

جب دنیا سے جدا ہو گیا تو وہ قید سے چھوٹ گیا اور فراغی اور کشادگی اور سرور و فرحت کی

طرف منتقل ہوگیا۔

حضرت امام ولی کامل قطب وقت امام صدرالدین قونوی فرماتے ہیں:

وذلک انهم غیر محصور ین فی الجنة و غیرها.

(رسالۃ النصوص،۶۶ للامام قونوی)

اس کے ساتھ ساتھ وہ (انبیاء واولیاء) جنت اور قبور میں محصور نہیں ہیں (بلکہ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں وہ آزاد ہیں)۔

حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

ان الروح اذاانخلعت من هذا الهيكل و انفقت من القيود بالموت تعول الى حيث شاء ت . (التیسیر شرح الجامع الصغیر)

بے شک روح جب اس قالب سے جدا اور موت کے سبب دیگر قیدوں سے آزاد ہوتی ہے تو جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے۔

حضرت علامہ ثناءاللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

ان الله تعالیٰ یعطی لارواحهم قوة الاجساد فیذهبون من الارض والسماء والجنة حیث یشائون و ینصرون اولیاء هم ویدمرون اعداء هم.

(تفسیر مظہری زیر آیہ و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات،۱:۱۵۲،۱۵۳)

اللہ تعالیٰ (انبیاء واولیاء) کی ارواح کو اجساد کی قوت عطا فرمادیتا ہے۔لہذا وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک وذلیل وخوار کرتے ہیں۔

حضرت قاضی ثناءاللہ صاحب ہی دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ درحق شہداء میفر ماید(........بل احیاء عند ربهم ....) اقول مراد شاید آں باشد کہ حق تعالیٰ ارواح شان راقوت اجساد میدہد ہر جا کہ خواہند سیر کنند وایں حکم مخصوص بشہداء نیست انبیاء وصدیقین از شہدا افضل اند واولیاء ہم درحکم شہدا اند کہ جہاد بالنفس

کردہ اند کہ جہاد اکبر است (رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر) ازاں کنایت است ولہذا اولیاءاللہ گفتہ اند (ارواحنا اجسادنا و اجسادنا ارواحنا) یعنی ارواح، کار اجساد می کنند وگاہی اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید می گویند کہ رسول خدا را سایہ نبود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارواح ایشاں وز مین وآسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند میروند ودوستاں ومعتقداں را در دنیا وآخرت مددگاری میفر مایند ودشمنان را ہلاک مینمایند واز ارواح شان بطریق اویسیہ فیض باطنی میرسد وبسبب ہمیں حیات اجساد آنہا را در قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم میماند.(تذکرۃ الموتی والقبور ۴۱،۴۲ طبع استنبول،ترکی)

اللہ تعالیٰ شہدا کے حق میں فرماتا ہے۔(بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد شاید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی سی طاقت عطا فرماتا ہے وہ جہاں چاہتا ہے سیر کرتے ہیں اور یہ حکم شہداء کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ انبیائے کرام اور صدیقین شہداء کے حکم میں ہیں کیونکہ انہوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے جو کہ جہاد اکبر ہے (ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے) اس پر دلیل کافی۔اسی لئے اولیاءاللہ نے فرمایا (ہماری روحیں ہمارے جسم اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں) ہماری روحیں جسموں کا کام کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم نہایت لطافت کے سبب برنگ ارواح ظاہر ہوتے ہیں۔اسی لئے کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔ان کی روحیں زمین وآسمان اور جنت میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتی ہیں اور دنیا وآخرت میں اپنے دوستوں اور چاہنے والوں (امتیوں اور مریدوں) کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں (منکروں) کو ہلاک کرتی ہیں اور ان کے بطریق اویسیہ فیض باطنی پہنچتا ہے اور یہی سبب ہے کہ ان کے جسم زندہ رہتے ہیں اور خاک ان کو کھاتی نہیں ہے بلکہ ان کے کفن بھی اسی طرح تروتازہ اور نئے رہتے ہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ثمرہ آں اتصال باآں بزرگاں است در قبر وحشر امداد ایشاں ایں طالب را وقتاً بعد وقت۔(رسالہ بیعت در مجموعہ رسائل مطبوعہ احمدی دہلی،۲۷ طبع نصرت العلوم گوجرانوالہ ۱:۵۶)

فائدہ اس بیعت کا یہ ہے کہ قبر وحشر میں بیعت کرنے والوں کو ایک قسم کا اتصال ورشتہ قائم ہو جاتا ہے اور طالب یعنی مرید کو وقتاً فو قتاً اس سے امداد ملتی رہتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

فکذا لک الانسان قد یکون فی حیاته الدنیا مشغولا بشهوة الطعام والشراب والغلمة و غیرها من مقتضیات الطبیعة والرسم لکنه قریب الماخذ من الملاء السافل قوی الا نجذاب الیهم فاذا مات انقطعت العلاقات و رجع الی مزاجه ملوق بالملائکة وصار فیهم و الیهم کالها مهم و سعی فیها یسعون فیه.

(حجۃ اللہ البالغہ ۳۵ باب اختلاف احوال الناس)

بالکل اسی طرح انسان کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کھانے پینے اور شہوات نفسانی اور اسی طرح دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم و معاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کا تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اس کو زیادہ میلان و کشش ہوتی ہے لہذا جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام جسمانی علائق اور تعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل طبیعت کی طرح عود کرتا ہے اور پھر ملائکہ سے مل کر انہی کا ہو جاتا ہے اور انہی سے الہام اس کو بھی ہوتے ہیں اور انہی کی طرح وہ بھی تصرف کرتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

و بالجملۃ بعد ازاں کہ ثابت شد کہ روح باقیست واورا تعلقے خاص باجزاء بدن بعد مفارقت ازوی وتغیر کیفیت او نیز باقیست کہ بدان علم وشعور بزائر ان قبر واحوال ایشاں دارد و ارواح کمل کہ درحین حیات ایشاں بسبب مکانت ومنزلت از رب العزت کرامات تصرف وامداد داشتند بعد ازممات چوں بہما قرب باقی اند نیز تصرفات دارند چنانچہ درحین تعلق کلی بجسد داشتند یا بیشتر ازاں انکار استمد اد در وجہی صحیح نمی نمائد مگر آنکہ از اول امر منکر شوند ای تعلق روح راشدن بالکلیہ و جمیع وجوہ بعد مفارقت و زوال علاقہ حیات وآں خلاف منصوص است و براں تقدیر زیارت ورفتن بقبو رہمہ لغو بے معنی گردد۔

(فتاوی عزیزیہ ۱۰۷ تا ۱۰۸ ادارالاشاعت العربیہ کوئٹہ)

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ روح باقی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق اجزائے بدن کے ساتھ اس سے مفارقت اور تغیر کیفیت کے بعد بھی باقی ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے ان میں علم اور شعور پیدا ہوتا ہے جس سے قبر کی زیارت کرنے والوں اور ان کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے اور کامل لوگوں کی ارواح جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں زندگی میں قدر ومنزلت حاصل تھی اور کرامات وتصرفات اور لوگوں کی امداد کرتے تھے ان کو بعد از وفات بھی یہ تصرف حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح کہ وہ اس وقت کرتے جب ان کے بدنوں کے ساتھ روح کا کلی تعلق حاصل تھا۔ (زندہ تھے) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تصرف کرتے ہیں اور ان سے استمداد کا انکار کرنے کی کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ پہلی بات کا انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ روح کا بدن کے ساتھ بالکل ہی تعلق نہیں ہے اور بدن سے مفارقت کے بعد تمام وجوہ سے زندگی کا تعلق قطع ہو چکا ہے اور یہ کہنا تو نصوص کے خلاف ہے اور اس طرح تو قبروں کی زیارت اور وہاں جانا سب لغو و بیکار و بے معنی ہو جائے گا۔

کل ذلک صحیح لا یخالف بعضه بعضا فقدیری موسیٰ علیه السلام "قائم یصلی فی قبره" ثم یسری بموسی و غیره الی بیت المقدس کما اسری نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیراهم فیه ثم یعرج بهم الی السموات کما عرج بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد به خبر الصادق و فی کل ذلک دلالة علی حیاتهم و مما یدل علی ذلک.

یہ روایات صحیح ہیں۔ ان میں کوئی حدیث دوسری کے خلاف نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یقیناً ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ وغیرہ نے بیت المقدس کی طرف رات کو سفر کیا جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کو سفر کیا۔ چنانچہ وہاں بھی انہیں دیکھا۔ آپ موسیٰ علیہ السلام ان (انبیاء) کے ساتھ آسمانوں پر چڑھے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوپر تشریف لے گئے

چنانچہ وہاں بھی انہیں دیکھا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی اور مختلف اوقات میں ان کا نماز پڑھنا یہ عقلی لحاظ سے بھی جائز ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ یہ تمام احادیث انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

....

جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کلام پڑھیں اور سوچیں کہ اب علمائے دیوبند تو خانوادۂ شاہ ولی اللہ کا نام جپتے ہیں لیکن عقائد ان کے بالکل برعکس اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء واولیاء سے استمداد کا انکار کرنے کی کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن شاید اب علمائے دیوبند نے وہ صحیح وجہ معلوم کر لی ہے اور اس وجہ سے بے دریغ امت محمدیہ کو مشرک قرار دے رہے ہیں۔

یہ نومولود فرقہ مختلف ناموں سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور لوگوں کو علمائے حق اہلسنت سے متنفر کرنے کی ناکام سعی میں لگا ہوا ہے۔ اس کے نومولود ہونے کا ثبوت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان مبارک سے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ فرماتے ہیں:

انما اطلنا الکلام فی ھذا المقام رغما لانف المنکرین فانه قد حدث فی زماننا شرذمة ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون ما یقولون و مالھم علی ذلک من علم ان ھم الا یخرصون.

(لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح بحوالہ حیات الموات فی بیان سماع الاموات ص ۱۳۸، طبع لاہور حامد اینڈ کمپنی)

ہم نے اس مقام پر کلام کو طول دیا منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لئے کہ ہمارے زمانے میں معدودے چند ایسے پیدا ہوئے کہ حضرات اولیائے کرام سے استمداد کے منکر ہیں اور اول فول بکتے ہیں اور انہیں اس پر کچھ علم نہیں۔ یونہی انکل پچو لگاتے ہیں۔

پچھلے صفحات میں دیئے گئے حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء واولیائے کرام

اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں چاہیں اللہ کے فضل وکرم سے تشریف لے جاتے ہیں جیسا کہ مصنف کتاب کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

اور واقعہ معراج کے فوائد میں سے علامہ شعرانی کا حوالہ پیچھے گذر چکا ہے کہ ایک شخص بیک وقت کئی مقامات پر ہوسکتا ہے۔ اور یہ امر کاملین سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ کریں۔

حضرت امام بدرالدین آلوسی بغدادی فرماتے ہیں: **ان جبرائیل علیه السلام مع ظھوره بین یدی النبی علیه السلام فی صورة دحیه کلبی وغیره لم یفارق سدرة المنتھی.** (روح المعانی ۱۲:۳۷ طبع ملتان)

بے شک جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہی سے جدا نہیں ہوتے۔

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی ارواح طیبات تو ارواح ملائکہ سے کہیں زیادہ قوت وتصرف کی صفت سے متصف ہیں بالخصوص ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس تو روح الارواح ہے اور انبیائے کرام کے اجسام بھی ارواح کی طرح تصرفات فرماتے ہیں جیسا کہ معراج کی رات کو مشاہدہ میں آیا۔ تو ان کے لئے کونسی بڑی بات ہوگی کہ وہ قبروں میں ہونے کے باوجود آسمانوں اور بیت المقدس میں بھی ہوں بلکہ ایک وقت میں ہزاروں بلکہ لاکھوں مقامات پر جلوہ گر ہوں اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ہی وقت میں لاکھوں لوگ مختلف مقامات میں زیارت کرسکتے ہیں جیسا کہ حضرات علماء کرام کی اس پر تصریحات موجود ہیں۔

حضرت علامہ بدرالدین محمود آلوسی بغدادی تحریر فرماتے ہیں:

وقد اثبت غیر واحد تمثل النفس و تطورھا لنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعد وفاته وادعیٰ انه علیه الصلوۃ والسلام قد یری فی عدة مواضع فی وقت واحد مع کونه فی قبره الشریف یصلی. (روح المعانی ۱۲، ۱۴، پارہ ۲۳)

اور کئی حضرات نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وصال شریف کے بعد کئی صورتوں میں متشکل ہوکر تشریف لانا ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر آپ کو دیکھا گیا ہے باوجود یہ کہ آپ اپنی قبر شریف میں نماز بھی پڑھ رہے ہیں۔

اور مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں: **و لا یحسن منی ان اقول کل ما یحکی عن الصوفیة من ذلک کذب لا اصل له لکثرة حاکیه و جلالة مدعیة.**

(روح المعانی ۱۲:۳۹ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)

اور یہ بات مجھے کسی طرح بھی زیب نہیں دیتی کہ میں کہہ دوں تمام واقعات جو حضور علیہ السلام کے ظاہر و باہر تشریف لانے کے متعلق صوفیاء کرام سے منقول ہیں وہ سب جھوٹ ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں حالانکہ اس کو بیان کرنے والے بہت سارے ہیں اور اس کا دعویٰ کرنے والے جلیل القدر ہیں۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

و قال الامام الغزالی رحمه الله تعالیٰ و الرسول علیه السلام له الخیار فی طواف العوالم مع ارواح الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم لقد راه کثیر من الاولیاء.

(تفسیر روح البیان آخر سورۃ الملک ۱۰:۹۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارواح صحابہ کے ساتھ عالم کا طواف و تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے اور بے شمار اولیائے کرام نے آپ کو دیکھا ہے۔

حضرت امام نور الدین حلبی فرماتے ہیں:

و یدل لذلک ما رویناه من انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لیلة الاسراء رای اخاه موسیٰ یصلی فی قبره و جاء الی بیت المقدس فراه ایضا و صلی موسیٰ خلفه مع اسوة الانبیاء صلوات الله علیه و علیهم ثم فارقه و صعد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الی السمآء السادسة فوجده فیها و کذلک آدم و عیسیٰ و یحییٰ و یوسف و ادریس وهارون و ابراهیم صلی بهم صلی الله

تعالیٰ علیهم وسلم فی بیت المقدس و جسدهم فی السمٰوات و هم دونه فی الفضل فهو اولی منهم بکونه موجودا فی کل مکان و مقیما فی قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

(تعریف اہل الاسلام و الایمان بان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یخلو منہ مکان والازمان بحوالہ سعادۃ الدارین:۴۵۹)

اور جو ہم نے بیان کیا کہ انبیائے کرام (جہاں چاہیں تشریف لے جائیں) اس پر وہ دلالت کرتا ہے جو کہ ہم نے روایت کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور جب آپ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ان کو وہاں بھی دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے پیچھے تمام انبیاء کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ان سے جدا ہوئے اور آسمانوں کی طرف چڑھے تو چھٹے آسمان پر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا اور اس طرح دیگر انبیائے کرام جیسے حضرت آدم و عیسیٰ و یحییٰ و یوسف و ادریس و ہارون و ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا کہ ان تمام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی اور اس وقت ان کے اجساد آسمانوں میں تھے حالانکہ یہ تمام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فضیلت میں کم ہیں تو ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے زیادہ حقدار ہیں کہ اپنی قبر میں مقیم ہونے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ موجود ہوں۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

ان الانبیاء یسیرون فی الکون باشباحهم و ارواحهم و یحجون و یعتمرون متی اذن الله تعالیٰ لهم فی ذلک کما کانوا احیاء و ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ملاء العوالم العلویة و السفلیة لانه افضل عباد الله تعالیٰ.

(رسالہ مذکورہ بحوالہ سعادۃ الدارین ص۴۶۱)

بے شک حضرات انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں سیر کرتے ہیں اپنی ارواح اشباح کے ساتھ حج و عمرے کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کو اذن عطا فرماتا ہے۔ اور وہ اس عمل میں

بالکل زندوں کی طرح زندہ ہیں اور بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام جہان علویہ وسفلیہ بھرے پڑھے ہیں۔

(یعنی آپ سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں) کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں سے افضل ہیں۔

حضرت قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں:

رویة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بصفته المعلومة ادراک علی الحقیقة و رؤیته علی غیر صفته ادراک للمثال .... و لا یمتنع رویة ذاته الشریفة بجسده و روحه و ذلک لانه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و سائر الانبیاء احیاء ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا و اذن لهم بالخروج من قبورهم و التصرف فی الملکوت العلوی و السفلی و لا من یراه کثیرون فی وقت واحد لانه کالشمس. (الحاوی للفتاوی،۲:۲۶۳ للسیوطی، الفتاوی الحدیثیہ،۳۰۰ لابن حجر مکی الہیتمی)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رویت اگر صفت معلومہ پر ہوتو یہ آپ کی مثال کی زیارت ہوگی اور آپ کی ذات شریفہ کا دیدار جسد اور روح کے ساتھ یہ محال نہیں ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں ان کی ارواح قبض کرنے کے بعد واپس ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور ان کو اپنی قبور سے نکلنے اور کائنات علوی و سفلی میں تصرف کرنے کی عام اجازت ہے اور اس سے بھی کوئی چیز مانع نہیں کہ آپ کی ایک ہی وقت میں کئی لوگ زیارت کریں کیونکہ آپ سورج کی طرح ہیں۔

حضرت علامہ ابن عربی کی عبارت سے ذات اور مثال کا مسئلہ بھی حل ہوگیا کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر زیارت کرنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس صفت میں ملاحظہ کرتا ہے جو کہ عام احادیث مبارکہ میں آئی ہے تو چاہئے ایک وقت میں کروڑوں اشخاص زیارت کریں۔ وہ آپ کی ذات کی زیارت کریں گے نہ کہ آپ کی مثال کی۔

اور پھر قبروں سے نکل کر تصرف فرمانا بھی ظاہر ہوگیا۔ ان کی یہ عبارت علامہ سیوطی اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اپنی کتب میں نقل فرمائیں جیسا کہ اوپر حوالہ گذرا اور انہوں نے اس کی تائید فرمائی تردید نہیں فرمائی جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

فحصل من مجموع هذه النقول والاحادیث ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حیی بجسده و روحه انه یتصرف و یسیر حیث شاء فی اقطار الارض و فی الملکوت وهو بهیئته التی کان علیها قبل وفاته لم یتبدل منه شیی و انه مغیب عن الابصار کما غیبت الملئکة مع کونهم احیاء باجسادهم فاذا اراد الله رفع الحجاب عمن اراد اکرامه برویته علی هیئته التی هو علیها.

(الحاوی للفتاوی ۲/۲۶۵)

ان تمام دلائل اور احادیث سے یہ حاصل ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسد انور اور روح پاک کے ساتھ زندہ ہیں اور زمین کے اقطار اور ملکوت علویہ وسفلیہ میں جہاں چاہیں سیر کرتے اور تصرف فرماتے ہیں اور آپ کی ہیئت مبارکہ ظاہرہ زندگی جیسی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ آنکھوں سے اوجھل ہیں جس طرح کہ فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ پس جب اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ ان کی زیارت کروائے تو پردے اٹھا دیتا ہے تو ان کی اسی ہیئت یعنی ذات شریفہ کی زیارت ہوجاتی ہے۔

حضرت ولی کامل عمر بن سعید فوتی طواری کروی فرماتے ہیں:

ان الاولیاء یرون النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقظة و انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یحضر کل مجلس او مکان اراد بجسده وروحه وانه یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض و فی الملکوت و هو بهیئته اللتی

کان علیھاقبل وفاتہ لم یتبدل منہ شیء وانہ مغیب عن الابصار کما غیبت الملائکۃ مع کونھم احیاء باجسادھم .

(رماح حزب الرحیم علی نحورحزب الرجیم ۱:۲۱۹ ، دار الکتاب العربی بیروت ،الفصل الحادی والعشر ون)

بیشک حضرات اولیائے کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مجلس میں جہاں چاہیں اپنی روح وجسد کے ساتھ تشریف فرما ہوتے ہیں،اور وہ زمین اور ملکوت میں جہاں چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں اور سیر کرتے ہیں اور اسی حالت مبارکہ پر ہیں جس پر ظاہر زندگی میں تھے۔اور ان میں کچھ بھی تبدیلی نہیں آئی اور وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں جیسے کہ فرشتے غائب ہیں حالانکہ وہ اپنی جسموں کے ساتھ زندہ ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں: لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سائر الانبیاء احیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا و اذن لھم فی الخروج من القبور وتصرف فی الملکوت العلوی و السفلی .

(رماح حزب الرحیم علی نحورحزب الرجیم ۱:۲۲۸)

کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام زندہ ہیں ان کی روحیں قبض کرنے کے بعد ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور ان کو قبور سے نکال کر ملکوت علوی وسفلی میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

حضرت صاحب الفضیلۃ الشیخ مصطفیٰ ابو یوسف الحمامی (من علماء الازہر وخطیب المسجد الزینبی) فرماتے ہیں:

و ھذا الحدیث و ما قبلہ یثبتان ان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرجون من قبورھم بابدانھم الحقیقۃ لا بسین الثیاب ماشین او راکبین او یذھبون الی حیث یحجون و یلبون و یراھم یعینہ من کشف اللہ عن بصیرتہ

من العباد .

(غوث العباد ببیان الرشاد ص ۱۷۷،طبع مکتبہ ایشق استنبول)

یہ اور اس سے پہلی حدیث ثابت کرتی ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے حقیقی بدنوں کے ساتھ لباس زیب تن کئے ہوئے پیدل یا سوار ہوکر اپنی قبور مقدسہ سے باہر تشریف لاتے ہیں اور جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں حج کرتے اور تلبیہ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں سے جن کی بصارت کے پردے اٹھا دیئے ہیں وہ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ اس کتاب پر مندرجہ ذیل اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء ومحدثین کی تقاریظ ہیں۔

الشیخ محمد البلادی خطیب المسجد الحسینی ونقیب الاشراف بالدیار المصریۃ۔
الشیخ محمود ابو دقیقہ مدرس تخصیص الازہر
الشیخ محمد عبد الفتاح العنانی المدرس بکلیۃ الشریعۃ الاسلامیۃ
الشیخ محمد البحیر من علماء الازہر الشافعیۃ بالقسم الثانوی
السید محمد بن محمد زبارۃ الیمنی امیر القصر السعید صنعا یمین
محمد حبیب اللہ الشنقیطی خادم العلم بالحرمین شریفین
الشیخ محمد زاہد الکوثری وکیل المشخیۃ الاسلامیہ بالآشانہ
محمد حفنی بلال وکیل الحرم الزینبی واحد العلماء المالکیۃ

اولیاء اللہ کا بیک وقت کئی مقامات پر تشریف فرما ہونا:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو بڑی شان والے مقام والے ہیں ان کے غلام اولیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شان عطا فرمائی ہے کہ وہ بیک وقت کئی مقامات پر جلوہ گر ہو سکتے ہیں اور اس کی تائید میں حضرت علامہ جلال الدین السیوطی نے ایک مستقل کتاب بعنوان ''المنجلۃ فی تطور الولی'' لکھی ہے جو کہ آپ کے ''الحاوی للفتاوی ۱/۲۱۷ تا ۲/۲۲۲'' میں موجود ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہرگاہ جنیاں را بتقدیر اللہ سبحانہ ایں قدر بود کہ بشکل باشکال گشتہ آمال غریبہ بوقوع آرند ارواح کمل را اگر ایں قدرت عطا فرمایند چہ محل تعجب است و چہ احتیاج بہ بدن دیگر ازیں قبیل است آنچہ ازیں بعض اولیاء اللہ نقل می کنند کہ در ایک آں در امکنہ متعددہ حاضری گردند و افعال متباینہ بوقوع آرند۔ (مکتوبات شریف مکتوب ۱۸ جلد دوئم)

جب جنوں کو قدرت الٰہی سے یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر عجیب وغریب کام سرانجام دیتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو یہ طاقت عنایت فرما دے تو کونسی تعجب کی بات ہے اور ان کو دوسرے مثالی بدنوں کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح بعض اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ وہ آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مختلف اقسام کے کام وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد پاک نے تو اپنے اس مکتوب شریف میں یہ بات بھی واضح فرما دی کہ ان کے متعدد مقامات پر ہونے کے لئے مثالی اجسام کی بھی ضرورت نہیں وہ اپنے اصلی جسموں کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و کذلک یجعل لنفوس بعض اولیاء اللہ فانھم یظھرون انشاء اللہ تعالیٰ فی آن واحد فی امکنۃ شتی باجسادھم . (تفسیر مظہری ۳:۲۷۷)

یونہی خدائے تعالیٰ اپنے بعض ولیوں کو یہ طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایک آن سے متعدد مقامات میں اپنے جسموں کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا حقی فرماتے ہیں:

قال الشعرانی و اخبرنی من صحب الشیخ محمد الخضرمی انہ خطب فی خمسین بلدۃ فی یوم واحد خطبۃ وصلی بھم .

(تفسیر روح البیان جلد ۹ ص ۲۱۶)

امام شعرانی نے فرمایا مجھے اس شخص نے خبر دی جو کہ شیخ محمد خضرمی کی خدمت میں رہا کرتا تھا کہ حضرت شیخ خضرمی نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں پچاس مختلف شہروں میں خطبہ جمعہ دیا اور نماز کی امامت فرمائی۔

اور اب دیوبندی حکیم الامت جناب اشرف علی تھانوی کی بھی سنئے:

حضرت محمد خضرمی کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائی اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی رات شب باش ہوئے ہیں۔

(جمال الاولیاء ۱۸۸، مکتبہ اسلامیہ بلال گنج لاہور)

ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرات انبیائے کرام کی شان وراء الوراء ہے۔ ان کے غلام اولیائے کرام بھی ایک وقت میں کئی مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں۔

؎ یہ تو حال ہے خدمت گاروں کا سردار کا عالم کیا ہوگا۔

ہمارے آقا و مولیٰ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقی حیات کی ایک بین دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کو بیداری میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بیداری میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من رآنی فی المنام فسیر انی فی الیقضۃ و لا یتمثل الشیطان بی.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میرا ہم شکل نہیں ہو سکتا۔

تخریج حدیث:

۱۔ صحیح بخاری ۲:۱۰۳۵ کتاب التعبیر طبع کراچی
۲۔ صحیح مسلم ۲:۲۴۲ 〃
۳۔ ابوداؤد شریف ۲:۳۲۹ 〃
۴۔ مسند ابی یعلی ۱:۴۰۴ بیروت
۵۔ المجمع الکبیر عن ابی جحیفہ ۲۲:۹۷ بغداد
۶۔ مسند امام احمد عن ابی ہریرہ ۱:۴۰۰ بیروت
۷۔ شرح السنۃ 〃 ۱۲:۲۲۷ 〃
۸۔ الکامل لابن عدی بکرہ ۲:۶۲۷ سانگلہ ہل
۹۔ فردوس الاخبار للدیلمی ابی ہریرہ حدیث نمبر ۵۹۸۹ 〃
۱۰۔ تاریخ بغداد 〃 〃 ۱۰:۲۸۴ بیروت
۱۱۔ مسند البزار لما فی کشف الاستار ۳:۱۷۷ باب فی ما رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم 〃
۱۲۔ سنن ابن ماجہ ۲۷۸ 〃 رویۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کراچی
۱۳۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۷:۱۸۱ 〃 〃 〃 بیروت
۱۴۔ صحیح ابن حبان ۷:۶۱۸ بتحقیق یوسف کمال حوت 〃

امام آلوسی فرماتے ہیں:

فقد وقعت رویته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعد وفاته لغیر واحد من الکاملین من هذه الامة والاخذ منه یقظة.

(روح المعانی ۱۲:۳۵، پارہ نمبر ۲۲ مکتبہ امدادیہ ملتان)

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیکھنا آپ کی وفات کے بعد اور بیداری میں آپ سے اخذ فیض امت محمدیہ کے لئے بکثرت کاملین واقع ہو چکا ہے۔

علامہ آلوسی ہی مزید فرماتے ہیں:

کان کثیر الرویة لرسول اللہ علیه الصلوة والسلام یقظة ومناما.

(ایضا)

حضرت شیخ خلیفہ بن موسی سوتے جاگتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کثرت سے دیکھنے والے تھے۔

حضرت امام عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں:

لا یمنع الرویة ذاته علیه السلام بجسده و روحه .

(زرقانی علی المواہب ۱:۸)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جسد وروح کے ساتھ دیکھنا محال نہیں۔

حضرت ولی کامل سیدی عمر بن سعید الفوتی فرماتے ہیں:

ممن یراه یقظة من السلف الشیخ ابو مدین المغربی شیخ الجماعت وشیخ عبد الرحیم القناوی والشیخ موسیٰ الزوادی والشیخ ابو الحسن الشاذلی والشیخ ابو عباس المرسی والشیخ السعود بن العشائر و سیدی ابراهیم المتبولی والشیخ جلال الدین السیوطی وکان یقول رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و اجتمعت به یقظة نیفا و سبعین مرة و اما سیدی ابراهیم المتبولی فلا یحصی اجتماعه به لانه یجتمع به احواله کلها .... و کان ابو العباس المرسی یقول لو احتجب عنی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ساعة ماعددت نفسی من المسلمین .

(رماح حزب الرحیم علی نحور حزب الرجیم ہامش علی جواہر المعانی ۱:۲۱۹، الفصل الحادی و الثلاثون: دارالکتاب العربی، بیروت ۱۹۷۳ء)

اسلاف میں جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا ہے ان میں سے شیخ ابو مدین مغربی، شیخ الجماعۃ شیخ عبدالرحیم، القناوی، وشیخ موسیٰ الزوادی، شیخ ابوالحسن شاذلی،

شیخ ابوالعباس المرسی، شیخ سعود بن ابی العشائر سیدی ابراہیم متبولی، شیخ جلال الدین سیوطی۔ اور وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری میں ستر سے زیادہ مرتبہ دیکھا اور ان کی مجلس کی ہے۔ اور سیدی ابراہیم متبولی نے تو جتنی بار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت ومجلس کی ہے اس کا شمار ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تو ہر وقت مشاہدہ میں رہتے تھے اور شیخ ابوالعباس المرسی کہتے ہیں کہ اگر ایک لحظہ کے لئے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔

دیوبندی جماعت کے ابن حجر ثانی مولوی انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے:

و یمکن عندی رویته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقظة لمن رزقه الله سبحانه کما نقل عن السیوطی اثنین و عشرین مرة وساله عن احادیث صححها بعد تصحیحه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .

(فیض الباری شرح صحیح بخاری ص ۱:۲۰۴)

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جاگتے ہوئے بیداری کی حالت میں دیکھنا ممکن ہے جس کو اللہ یہ نعمت عطا فرمائے۔ جیسے کہ سیوطی سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو بائیس (۲۲) مرتبہ بیداری میں دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصحیح کے بعد سیوطی نے ان احادیث کو صحیح کہا۔

اس عبارت سے دو چیزیں ظاہر ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھنا حق ہے جو کہ آپ کی حیاۃ حقیقی اور حاضر وناظر ہونے پر دلیل ہے۔ دوسری اس عبارت سے حضرت علامہ سیوطی کی عزت وشان کا بھی پتہ چلا کہ آپ کیسی شخصیت ہیں۔ حالانکہ کشمیری صاحب نے اس میں بھی بخل سے کام لیا ہے کہ صرف بائیس مرتبہ لکھا ہے حالانکہ آپ کو بہتر مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت بیداری کی حالت میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ امام شعرانی نے کہا کہ

شیخ صالح عطیہ ابناسی، شیخ قاسم مغربی اور قاضی زکریا نے امام سیوطی سے سنا:

یقول رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقظة بضعاً و سبعین مرة. (الیواقیت والجواہر، ۱:۱۳۳)

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ستر سے زیادہ مرتبہ بیداری کی حالت میں دیکھا ہے۔

یہ شان ہے حضرت علامہ جلال الدین سیوطی کی جو عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ آج کل کے مردہ دل اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خالی ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے ایسے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصحیح کو نا قابل قبول بنا رکھا ہے۔ کہ وہ یعنی علامہ سیوطی متساہل ہیں۔ کیا تمہارا ایمان ناقص نہیں؟ نہ جانے ان عقل کے اندھوں کو کیا ہو گیا ہے جبکہ انہیں کا ابن حجر ثانی مولوی انور شاہ کشمیری تو کہے کہ علامہ سیوطی نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث کی تصحیح کرانے کے بعد ان احادیث کو صحیح کہا ہے لیکن یہ اپنے باطل عقائد کا بھرم رکھنے کے لئے کہہ رہے ہیں کہ علامہ سیوطی متساہل ہیں، ان کی تصحیح کردہ حدیث کو ہم نہیں مانتے۔ اس سے بڑی بدبختی اور بدقسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایسے آدمی کو متساہل قرار دیا جائے جو اپنی زندگی میں چلتے پھرتے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کرتا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ جس حدیث کو تم نے علامہ سیوطی کے متساہل ہونے کے وجہ سے ٹھکرا دیا ہو اسی حدیث کی تصحیح علامہ نے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کروائی ہو۔

کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

یہاں نجدی ذہنیت کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو چاہے خواب میں دیکھا جائے یا بیداری میں (اگر کوئی مجبوراً بیداری والی روایت تسلیم کر لے تو) آپ کی مثال نظر آتی ہے آپ خود نظر نہیں آتے۔ اس پر کچھ بحث تو گزر چکی ہے مختصراً یہاں عرض کرتے ہیں۔

حضرت العلام علامہ نور الدین حلبی فرماتے ہیں:

فمتی کان کذلک مناما کان فی عالم الخیال والمثال و متی کان یقظة کان فی صفتی الجمال و الاجلال علی غایة الکمال کما قال القائل.
لیس علی الله بمستنکران یجمع العالم فی واحد.

(بحوالہ سعادۃ الدارین للنبہانی ۴۵۸، ۴۵۹ طبع مصر)

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوتی ہے تو عالم خیال اور عالم مثال میں ہوتی ہے اور جب بیداری میں ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صفت جمال واجلال اور پورے کمال کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ کسی قائل نے کیا خوب کہا ہے کہ خدا تعالیٰ پر محال نہیں کہ وہ ایک ذات میں سارا جہاں جمع کردے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

و اذا را د الله رفع الحجاب عمن اراد اکرامه برویته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم راه علی هیئته التی هو علیها لا مانع من ذلک و لا داعی التخصیص برویة مثاله . (الحاوی للفتاوی ۲:۲۷۵)

جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے حبیب علیہ السلام کی زیارت سے مشرف کرنا چاہتا ہے تو حجاب اٹھا دیتا ہے اور زیارت کرنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی حالت میں دیکھتا ہے جس حالت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات ظاہری میں جلوہ افروز تھے۔ اس پر نہ کوئی استحالہ ہے اور نہ ہی کوئی وجہ اس تخصیص کی ہے کہ حضور کی مثالی صورت نظر آتی ہے (بلکہ آپ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس نظر آتے ہیں)

تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں اور خوش قسمت لوگ آپ کی زیارت بھی کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر۱۰:

ما اخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا ابو جعفر احمد بن عبد الحمید الحارثی ثنا الحسین بن علی الجعفی ثنا عبد الرحمن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : افضل ایامکم الجمعة فیه خلق آدم و فیه قبض و فیه النفخة، و فیه الصعقة، فاکثروا علی من الصلوة فیه فان صلاتکم معروضة علی قالوا: و کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت یقولون بلیت . فقال : ان الله قد حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیهم السلام اخرجه ابو داؤد الجستانی فی کتابه السنن ، وله شواهد منها.

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن انہوں نے انتقال فرمایا اور اسی دن صور پھونکا جائے گا۔ اسی دن دوبارہ اٹھنا ہے۔ اس لئے اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا؟ حالانکہ آپ تو ختم ہو چکے ہوں گے (جیسا کہ کہتے ہیں کہ وہ بوسیدہ ہوگیا) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔

اس کو ابو داؤد سجستانی نے سنن ابی داؤد میں روایت کیا ہے اور اس کے کئی شواہد ہیں۔

....

تخریج حدیث:

۱۔ ابوداؤد ۱/ ۱۵۷

۲۔ نسائی فی المجتبیٰ ۱: ۲۰۳

۳۔ ابن ماجہ ۷۶ کتاب فرض الجمعہ ۱۱۹ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴۔ ابن ابی شیبہ ۲: ۵۱۶

۵۔ کتاب الصلوٰۃ ابن ابی عاصم ص ۵۰ برقم ۶۳

۶۔ مسند امام احمد ۴: ۸

۷۔ مستدرک امام حاکم ۴: ۵۴

۸۔ صحیح ابن خزیمہ ۳: ۱۱۸

۹۔ صحیح ابن حبان ۳: ۷۸

۱۰۔ سنن دارمی ۱: ۳۰۷ باب فی فضل الجمعۃ

۱۱۔ السنن الکبریٰ للبیہقی ۳: ۲۴۸ کتاب الجمعۃ

۱۲۔ السنن الصغیر ۱: ۲۳۵ باب فضل الجمعۃ

۱۳۔ شعب الایمان ۲: ۱۱۰

۱۴۔ دلائل النبوۃ ۲: ۵۶۷ برقم ۵۰۹ (لابی نعیم)

۱۵۔ معرفۃ الصحابہ ۲: ۳۵۴ (لابی نعیم)

۱۶۔ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر ۳: ۱۵۷

۱۷۔ نوادرالاصول حکیم ترمذی ۳۸۶

۱۸۔ فضل الصلوۃ للقاضی اسماعیل ۱۱

۱۹۔ السنن الکبریٰ للنسائی ۱: ۵۱۹ المعجم الکبیر (للطبرانی) ۱: ۲۱۷ برقم ۵۸۹

یہ صحیح روایت بھی حیاۃ الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر واضح دلیل ہے اور اس روایت کی تصحیح کرنے والے محدثین بھی بے شمار ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدالدین محمد یعقوب الفیروزآبادی صاحب قاموس (م ۸۱۷ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

و نص علی صحته جماعة من الحفاظ. (الصلات والبشیر ۷۴)

اوراس کی صحت پر محدثین کی ایک پوری جماعت نے نص فرمائی ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

و امثال ذلک دلائل قاطع علی انهم احیاء باجسادهم و منها ماتقدم من حدیث اوس بن اوس ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء و فیه دلیل واضح و قد ذهب الی ماذکرنا دلیله و اوضحنا حجته جماعات اهل العلم وصرحوا به منهم الامام البیهقی والاستاذ ابو القاسم القشیری . والامام ابو حاتم والامام ابن حبان و ابو طاهر الحسین بن علی الزدستانی و صرح به ایضا الشیخ تقی الدین ابو عمرو بن الصلاح والشیخ محی الدین النووی والحافظ محب الدین الطبری و غیرهم.

(الصلات والبشر فی الصلاۃ علی خیر البشر ص ۱۸۴)

اور یہ اس طرح کی مثالیں (معراج کی رات مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ملاقات) دلائل ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں اوران کی حیات کی دلیلوں میں سے ایک دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت اوس بن اوس سے مروی ہے جو کہ گذر چکی ہے کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے اجسام حرام کر دیئے ہیں اوراس میں حیاۃ الانبیاء کی واضح دلیل ہے۔اوراس کی دلیل کہ ہم نے بیان کیا اس کو محدثین کی جماعت نے بہت وضاحت سے بیان کیا ہے ان میں سے جنہوں نے اس کی صراحت کی ہے امام بیہقی ، استاد ابوالقاسم القشیری، امام ابوحاتم ،ابن حبان وابوطاہر حسین بن علی ازدستانی اوران کے ساتھ صراحت کی شیخ ابوعمرو بن الصلاح اور شیخ محی الدین نووی اورمحبّ الدین طبری ودیگر بے شمار ائمہ کرام نے بھی فرمائی ہے۔

امام حاکم فرماتے ہیں:هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری و لم یخرجاه. (مستدرک علی الصحیحین ۱:۲۷۸)

یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے اورانہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین و لم یخرجاه. (مستدرک ۴:۵۶۰)

یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام ذہبی نے تلخیص مستدرک میں دونوں مقامات کی تصحیح کو قائم رکھا اورفرمایا:علی شرط (خ) یعنی یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک علی المستدرک ۱:۲۷۸)

امام عبدالغنی فرماتے ہیں:و قال الحافظ عبد الغنی انه حسن صحیح.

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

علامہ عزیزی فرماتے ہیں:قال الشیخ و هو حدیث صحیح. (السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ۲:۱۴۱) شیخ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:و روینا فی سنن ابی داؤد و النسائی و ابن ماجه بالاسانید الصحیحة. (کتاب الاذکار ۱۰۶)

ابوداؤد، نسائی اورابن ماجہ نے اس کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ملا علی قاری (مرقات ۳:۲۳۸ طبع ملتان) میں اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت علامہ شہاب الدین احمد خفاجی فرماتے ہیں:

و هذا الحدیث رواه ابو داؤد والنسائی و احمد فی مسنده و البیهقی وغیرهم و صححوه.

(نسیم الریاض ۳:۵۰۲ فصل فی تخصیصه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتبلیغ صلاۃ)

اس حدیث کو ابوداؤدونسائی اورامام احمد نے مسند میں اورامام بیہقی وغیرہم نے روایت کیا اورتمام نے اس کی تصحیح کی ہے۔

قطب وقت حضرت مولانا الحاج فقیر اللہ جلال آبادی فرماتے ہیں:

رواہ احمد وابوداؤد و النسائی و قد صح هذا الحديث ابن خزيمة و ابن حبان و الدار قطنی. (قطب الارشاد ۳۷۹)

اس کو امام احمد، امام داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا اور اس حدیث کو امام ابن خزیمہ امام ابن حبان اور امام دارقطنی نے صحیح کہا ہے۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه وابن خزیمه و ابن حبان والحاکم و الدار قطنی وابو نعیم و صححه ابن خزیمه و ابن حبان و الحاکم والدار قطنی و ابن دحیة وحسنه عبد الغنی و ابن دحیة المنذری وغیرهم.

(الفتاوی الرضویہ ۴:۳۵۴)

اس کو روایت کیا امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم امام دارقطنی اور امام ابونعیم نے۔ اور اس کو امام خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام دارقطنی وابن وحیہ نے صحیح کہا اور حافظ عبدالغنی وامام منذری اور ان کے سوا دیگر حضرات نے حسن کہا ہے۔

ان تمام مختصر حوالوں سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ ان کے اجساد مبارکہ تر وتازہ ہیں اور ان پر ہمارا درود وسلام پیش کیا جاتا ہے۔

اعتراض:

اس حدیث شریف پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جو کہ حضرت امام بخاری اور ابی حاتم وغیرہ کی طرف سے وارد کیا گیا ہے اور آج کل کے منکرین حیات الانبیاء اس کو بڑے شد ومد سے بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ انبیائے کرام کے اجسام اس

طریقے سے صحیح سالم نہیں اور نہ ہی ان میں ارواح ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اعتراض یہ ہے کہ اس روایت میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے اور راوی حدیث حسین جعفی نے غلطی سے تمیم کی بجائے جابر کہہ دیا۔ جبکہ حسین جعفی کا ابن جعفر سے سماع ہی نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث منکر ہے۔ (اقامۃ البرہان از سجاد بخاری ص ۲۲۸، توحید خالص از مسعود الدین عثمانی ۲:۳۰ تا ۳۷ تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی از اسماعیل سلفی، ۱۴۱ وغیرہم)

جواب:

یہ علت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی بلاشک امام بخاری وابن ابی حاتم اس فن کے امام ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے کہ اس سے غلطی نہ ہو سکے۔ لہٰذا یہاں بھی ان کو سہو ہو گیا اور ان کی بیان کردہ علت کو ملت اسلامیہ کے بے شمار مایہ ناز محققین نے پرزور طریقے سے رد کیا ہے۔

ابن تیمیہ کے شاگرد خاص جناب علامہ ابن القیم نے تحریر کیا ہے:

و جواب هذا التعليل من وجوه : احدها ان حسين بن علی الجعفی قد صرح بسماعه له من عبد الرحمن ابن يزيد بن جابر قال ابن حبان فی صحيحه حدثنا ابن خزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علی حدثنا عبد الرحمن بن يزيد بن جابر فصرح بالسماع منه. و قولهم انه ظن ابن جابر و انما هو ابن تميم فغلط فی اسم جده . بعيد فانه لم يكن يشتبه علی حسين هذا بهذا مع نقده وعلمه بهما و سماعه منهما. (جلاء الافہام ۳۶،۳۷)

اور اس علت کا جواب کئی وجوہ سے دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ حسین بن علی الجعفی نے عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے سماع کی صراحت کی ہے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا۔ ہم کو حدیث بیان کی ابن خزیمہ نے ان سے بیان کی ابوکریب نے انہوں نے کہا ہمیں بیان کی حسین بن علی نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن یزید نے پس ان سے سماع کی

صراحت ہے اور معترضین کا یہ کہنا کہ یہاں ابن جابر نہیں بلکہ ابن تمیم ہے اور راوی کو غلطی لگی کہ اس نے ابن جابر کا گمان کیا یہ بات بہت بعید ہے کیونکہ حسین جیسے نقاد و متبحر فن پر باوجود دونوں (ابن جابر و ابن تمیم) سے سماع حاصل ہونے کا اس کا مشتبہ رہنا عقل سے دور ہے۔

حضرت امام مجدالدین فیروزآبادی فرماتے ہیں:

والاولی ان یذھب الی ما ذھب الیه ابو داؤد و النسائی فان شانھم اعلیٰ وھم علموا حال اسنادہ و له شواھد تقویة من عند ابن حبان و غیرہ.

(الصلات والبشر فی الصلوۃ علی خیر البشر،۴۷ المجد الدین فیروزآبادی طبع مکتبہ اشاعۃ القرآن، لاہور)

بہتر یہ ہے کہ وہی موقف اختیار کیا جائے جو کہ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اختیار کیا ہے کیونکہ ان کی شان بلند ہے اور وہ اسناد کے حال کو معترضین سے بہتر جانتے ہیں اور اس کے شواہد بھی موجود ہیں (کہ ابن جابر سے حسین کا سماع ثابت ہے) امام ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت محدث جلیل امام احمد بن حجر ہیتمی مکی فرماتے ہیں:

و فی روایة اخری صحیحة خلافا لمن طعن فیھا فقد اخرجھا ابنا خزیمة و حبان و الحاکم فی صحاحھم و قال ھذا حدیث حسن صحیح علی شرط البخاری و لم یخرجاہ و من صححه ایضا النووی فی اذکارہ وحسنه عبد الغنی المنذری و قال ابن دحیة انه صحیح محفوظ بنقل العدل عن العدل و من قال انه منکر او غریب لعلة خفیةفقد استروح لان الدار قطنی ردھا.

(الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرّم ص۲۰ الفصل الثانی فی فضل الزیارۃ)

اور دوسری صحیح روایت میں ہے اس شخص کے خلاف کہ جس نے اس میں طعن کیا ہے کہ جس کا ابن خزیمہ و ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں اخراج کیا ہے اور امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور امام بخاری کی شرط پر ہے لیکن انہوں نے اس کا اخراج نہیں کیا اور امام

نووی نے اذکار میں اس کو صحیح کہا اور منذری نے اس کو حسن کہا اور امام ابن دحیہ نے کہا کہ یہ صحیح ہے اور محفوظ ہے۔ عادل عادل سے روایت کر رہا اور جس نے کہا کہ یہ منکر یا غریب ہے خفیہ علت کے سبب سے تو اس نے بے کار کلام کیا ہے کیونکہ اس کو دار قطنی نے رد کیا ہے۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

ولکن قد ردھذہ العلة الدار قطنی و قال ان سماع حسین عن ابن جابر ثابت والی ھذا جنح الخطیب. (القول البدیع،۱۵۸)

لیکن اس علت کا امام دار قطنی نے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ حسین کا ابن جابر سے سماع ثابت ہے اور اسی طرف خطیب بغدادی کا رجحان ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

قال میرک و رواہ ابن حبان فی صحیحه و الحاکم و صححه و زاد ابن حجر بقوله و قال صحیح علی شرط البخاری رواہ ابن خزیمه فی صحیحه قال النووی اسنادہ صحیح و قال المنذری له علة دقیقة اشار الیھا البخاری نقله میرک قال ابن دحیة انه صحیح بنقل العدل عن العدل و من قال انه منکر او غریب لعلة خفیة به فقد استروح لان الدار قطنی ردھا.

(مرقات:۳:۲۳۸،۲۳۹ طبع ملتان جلد۳ ص۴۵۴،۴۵۵ مکتبہ حقانیہ ملتان)

محدث عظیم امام میرک نے فرمایا کہ اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی اور امام ابن حجر نے صحیح علی شرط بخاری کے الفاظ زیادہ کئے اور اس کو روایت کیا امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، امام نووی نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے اور منذری نے کہا اس میں دقیق علت ہے جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے اور اس کو میرک نے نقل کیا ہے۔ امام ابن دحیہ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے عادل راوی عادل سے روایت کر رہا ہے اور جس نے یہ کہا کہ یہ منکر یا غریب ہے ایک خفیہ علت کے سبب تو اس کی یہ بات بالکل لغو ہے کیونکہ امام دار قطنی نے اس علت کا رد کیا ہے۔

تنبیہ:

امام ابوحاتم کی جرح اصل میں ابواسامہ پر تھی کہ اس نے ابن جابر سے نہیں سنا بلکہ ابن تمیم سے سنا اور غفلت سے ابن تمیم کی بجائے ابن جابر کہہ دیا اگرچہ حسین جعفی بھی ابن تمیم سے روایت کرتا ہے لیکن اس کا دونوں سے سماع ثابت ہے مگر ابواسامہ کا صرف ابن تمیم سے ہے۔

بعض حضرات نے اس نکتہ کو نہ سمجھا اور وہ دونوں پر جرح کرنے لگے جیسا کہ ابن عبد الہادی نے کہا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی شاگرد ابن تیمیہ نے کہا ہے:

قوله حسين الجعفى روى عن عبد الرحمن بن يزيد بن تميم خطأ الذى يروى عبدالرحمن بن يزيد بن تميم فيقول ابن جابر و يغلط فى اسم الجد قلت و هذا الذى قاله الحافظ ابو الحسن هو اقرب و أشبه بالصواب و هو ان الجعفى روى عن ابن جابر و لم يروى عن ابن تميم والذى يروى عن ابن تميم و يغلط فى اسم جده هو ابو اسامه كما قاله الاكثرون فعلى هذا يكون الحديث الذى رواه حسين ابن جابر صحيحا لان لاشعث عن اوس حديثا صحيحا لان رواته كلهم مشهورون بالصدق و الامانة والثقة والعدالة ولذلک صححه جماعة من الحفاظ كابى حاتم بن حبان والحافظ عبدالغنى المقدسى و ابن دحية و غيرهم و لم يأت من تكلم فيه و ما ذكره ابو حاتم الرازى فى العلل لا يدل الا على تضعيف رواية ابى اسامة عن ابن جابر لا على ضعف رواية الجعفى عنه. (الصارم المنکی ۲۷۵،۲۷۶)

اور ان کا کہنا کہ حسین جعفی عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے روایت کرتا ہے یہ غلط قول ہے کیونکہ یہ روایت حسین نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے کی ہے اور ابواسامہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے روایت کرتا ہے اور وہ اس کے دادا کے نام میں غلطی کر جاتا ہے اور کہتا ہے ابن جابر۔ میں کہتا ہوں یہی بات حافظ ابوالحسن نے فرمائی ہے اور یہ زیادہ اقرب اور صحت کے زیادہ

مشابہ ہے کہ حسین الجعفی ابن جابر سے روایت کرتا ہے اور جو ابن تمیم سے ذکر کرتا ہے وہ ابواسامہ ہے اور عبدالرحمٰن کے دادا کے نام میں غلطی کر جاتا ہے جیسا کہ اکثر محدثین نے فرمایا ہے۔ پس یہ حدیث جس کو حسین نے ابن جابر سے انہوں نے ابوالاشعث سے انہوں نے اوس سے روایت کی۔ یہ صحیح روایت ہے کیونکہ اس کے تمام رواۃ مشہور بالصدق و امانت اور مشہور بالثقاہت و عدالت ہیں، اس لئے محدثین کی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے جیسا کہ ابن حبان حافظ عبدالغنی مقدسی ابن دحیہ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات۔ اور نہیں لائے اس کا کلام جس نے اس پر کلام کیا ہے اور امام ابوحاتم رازی نے جو علل میں بیان کیا ہے وہ صرف ابواسامہ کی روایت کی تضعیف کرتا ہے حسین جعفی کی روایت کی تضعیف نہیں کرتا۔

تو معلوم ہوا کہ یہ علت کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی اور الحمدللہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حقیقی جسمانی زندگی پر یہ روایت نص کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی علیہ ماعلیہ نے لکھا ہے:

یہ روایت صحیح نہیں ہے اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اس طرح یہ روایت تین چیزوں کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔

۱۔ جسد مبارک کا اپنی دنیاوی حالت پر برقرار رہنا۔

۲۔ روح کا واپس آجانا اور قیامت تک کے لئے آپ کی مدینہ والی قبر میں زندہ رہنا۔

۳۔ درود کے اعمال کا پیش کیا جانا، خاص طور پر جمعہ کے دن چونکہ یہ حدیث صحیح نہیں لہٰذا ان امور میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوا۔ (توحید خالص ص۳ ملخصا)

الحمدللہ ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایت ہر لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، کسی پر جرح نہیں ہے۔ آجا کر امام بخاری اور ابوحاتم رازی کا اعتراض صرف ابن جابر کے نام پر تھا وہ بھی الحمدللہ صاف ہو گیا۔ اس طرح امام بخاری و دیگر معترضین کے اعتراضات کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔ اب جبکہ یہ روایت ہر لحاظ سے ثابت و صحیح ہے تو

مذکورہ بالا تینوں چیزیں ثابت ہوگئیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسد دنیاوی حالت پر برقرار ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف والی قبر میں زندہ موجود ہیں اور درود شریف کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اجساد مبارکہ جہاں کہیں بھی ہوں وہ اسی طرح صحیح وتر وتازہ رہتے ہیں جس طرح ظاہری زندگی میں تھے۔ وہ چاہیں قبروں میں ہوں یا پھر زمین سے باہر جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کا واقعہ درج ہے کہ آپ فوت ہونے کے بعد کافی عرصہ تک اپنے عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے رہے جب تک عصا کو دیمک نے کھایا نہیں اس وقت تک آپ وہیں کھڑے رہے۔ آپ کے جسم اقدس کو کچھ گزند نہ آئی۔ دوسرا واقعہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے کہ آپ چالیس راتیں مچھلی کے پیٹ میں رہے لیکن ان کے جسم کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ (ان کی پوری تفصیل حیاۃ النبی از حضرت غزالی زمان رازی دوراں علامہ احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ملاحظہ فرمائیں)

انبیائے کرام کے اجساد مبارکہ ہر حالت میں سلامت وتر تازہ رہتے ہیں اس سلسلہ میں

ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

یونس بن بکیر حضرت ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم نے قلعہ تستر فتح کیا ہرمزان کے گھر مال ومتاع میں ایک تخت پایا جس پر ایک آدمی کی میت رکھی ہوئی تھی، اوران کے سر کے قریب ایک مصحف تھا۔ ہم نے وہ مصحف اٹھا کر دیکھا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت عمر نے حضرت کعب کو بلایا انہوں نے اس کو عربی میں لکھ دیا عرب میں پہلا آدمی میں ہوں جس نے اسے پڑھا۔ میں نے اسے قرآن کی طرح پڑھا ابو خالد بن دینار کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے کہا اس صحیفہ میں کیا تھا انہوں نے کہا تمہارا احوال و امور اور تمہارے کلام کے لہجے ہیں۔ اور آئندہ ہونے والے واقعات۔ میں نے کہا تم نے اس آدمی (میت) کا کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے دن کے وقت متفرق طور پر تیرہ قبریں

کھودیں۔ جب رات آئی تو ہم نے ان کو دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ وہ لوگوں سے مخفی رہیں اور کوئی انہیں قبر سے نکال نہ پائے۔ میں نے انہیں کہا ان سے لوگوں کی کیا امیدیں وابستہ تھیں۔ انہوں نے کہا جب بارش رک جاتی تو لوگ ان کے تخت کو باہر لاتے تو بارش ہوجاتی۔ میں نے کہا تم اس نیک آدمی کے بارے میں کیا گمان رکھتے تھے کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا انہیں دانیال کہا جاتا تھا۔

اس کے بعد یہ حدیث شریف امام ابن کثیر نے نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دانیال دعا ربہ عز وجل انہ یدفنہ امۃ محمد فلما افتتح ابو موسیٰ الاشعری تستر و جدہ فی تابوت تغرب عروقۃ و دریدہ. (البدایہ والنہایہ ۲:۴۱ ولفظہ لہ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دانیال علیہ السلام نے اپنے رب عز وجل سے یہ دعا کی تھی کہ انہیں امت محمدیہ دفن کرے جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلعہ تستر فتح کیا تو انہیں تابوت میں اس حال میں پایا کہ ان کے تمام جسم اور گردن کی سب رگریں برابر چل رہی تھیں۔

دیگر حضرات محدثین نے بھی اس واقعہ کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے ملاحظہ ہو:

المصنف لابن ابی شیبہ ۱۳: ۲۷، ۲۸ — دلائل النبوۃ للامام بیہقی ۱: ۳۸۲

کتاب الاموال لابی عبید قاسم ۳۴۳ — تاریخ طبری لابن جریر ۴: ۲۲۰

سیر لابن اسحاق ۱: ۶۶ — فتوح البلدان ۳۷۱

المحلی لابن حزم ۵: ۳۸۷ — بدائع الزہور امام محمد بن احمد بن ایاس الحنفی ۱۵۶ طبع مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

فوائد تمام الرازی ۴: ۲۶۲ کتاب الانبیاء علیہم السلام۔

ان دونوں روایتوں سے اتنی بات بلاتردد واضح ہے کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک

سینکڑوں سال گزر جانے کے باوجود نہ صرف صحیح سالم تھا بلکہ ان کے جسم کی رگیں اور نبض بھی چل رہی تھی لیکن آج منکرین حیات الانبیاء کی حالت دیکھیں کہ مرنے کے بعد چہرے ہی تبدیل ہو جاتے ہیں اور منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتے۔

اب سوال یہ ہے کہ اتنے سالوں تک جسم صحیح وسالم رہنا اس کی رگیں ونبض چلنا یہ کونسی حیات پر دلالت کرتا ہے۔صرف حیات برزخی یا پھر حیات حقیقی دنیاوی پر؟ یقیناً حقیقی دنیاوی زندگی حاصل ہے۔اب اگر اس جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہی نہیں اور وہ اعلیٰ علیین میں ہے یا پھر وہ جسم مبارک میں ہی نہیں تو یہ رگیں بدستور چلنا اور نبض کا حرکت کرنا چہ معنی دارد؟ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے توسل سے بارش وغیرہ طلب کی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱:

مااخبرنا ابو عبد الله الحافظ : ثنا ابو بكر بن اسحاق الفقيه ثنا احمد بن علي الأ بار ثنا احمد بن عبد الرحمن بن بكار الدمشقي ثنا الوليد بن مسلم حدثني ابو رافع عن سعيد المقبری عن ابی مسعود الانصاری عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال : اكثرو الصلاة عليّ يوم الجمعة فانه ليس احد يصلي علي يوم الجمعة الا عرضت علي صلاته.

قال ابو عبد الله رحمه : ابو رافع هذا هو اسماعيل بن رافع:

(حدیث شریف اوس بن اوس کے) شواہد میں ایک یہ ہے: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے روز مجھ پر زیادہ کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔اس میں ایک راوی ابو رافع ہیں۔ابو عبداللہ (الحاکم) نے کہا کہ یہ اسماعیل بن رافع ہے۔

تخریج حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل محدثین نے اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے:

مستدرک للامام حاکم ۲:۴۲۱
شعب الایمان للامام بیہقی ۳:۱۱۱۰، باب فضل الصلوۃ علی النبی لیلۃ الجمعہ
کتاب الصلوۃ علی النبی ابن ابی عاصم ص ۵۰ برقم ۶۴

امام شمس الدین السخاوی فرماتے ہیں:

رواه الحاكم و قال صحيح الاسنادوالبيهقي في شعب الايمان و حياة الانبياء في قبورهم له ابن ابي عاصم في فضل الصلوة له و في سنده ابورافع و هو اسماعيل بن رافع و ثقه البخاری و قال يعقوب بن شيبه يصلح حديثه

لـلشواهد و المتابعات لكن قد ضعفه النسائي و يحيى بن معين و قيل انه منكر الحديث. (القول البدیع ١٥٩)

اس کو امام حاکم نے روایت کیا اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے اور امام بیہقی نے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کیا اور امام ابن ابی عاصم نے فضل الصلوۃ میں روایت کیا اس کی سند میں ابورافع ہے۔اس کا نام اسماعیل بن رافع ہے۔اس کو امام بخاری نے ثقہ کہا ہے اور یعقوب بن سفیان نے کہا کہ شواہد اور متابعات کے طور پر پیش ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن امام نسائی اور یحیی بن معین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔اور کہا گیا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا ایک راوی ابورافع مختلف فیہ ہے۔ بعض محدثین اس کی ثقاہت کے قائل ہیں جبکہ دوسرے اس کی تضعیف کے۔لہذا راوی حسن الحدیث ٹھہرا لیکن چونکہ یہ روایت صرف اوس بن اوس کی مؤید اور شاہد کے طور پر پیش کی جارہی ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حسن تو حسن ضعیف روایت بھی شاہد کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا۔

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے:

و هذانا و ان كان ضعيفين فيصلحان للاستشهاد.

(جلاء الافہام ص ٤١)

یہ دونوں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن استشہاد کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

حدیث نمبر ١٢:

اخبرنا علي بن احمد عبدان الكاتب ثنا احمد بن عبيد الصفار ثنا الحسن بن سعيد ثنا ابراهيم بن الحجاج ثناحماد بن سلمه عن يزيد بن سنان عن مكحول الشامي عن ابى امامة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:

"اكثروا على من الصلوة في كل يوم جمعة فان صلاة امتى تعرض

علي في كل يوم جمعة فمن كان اكثرهم علي صلاة كان اقربهم مني منزلة"

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لئے کہ میری امت کا درود ہر جمعہ کے روز مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔اب جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا وہ درجہ میں سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا۔"

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام بیہقی نے اس کو بطور تائید پیش کیا۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

رواه البيهقي بسند حسن لا بأس به.

(القول البدیع ١٥٨ وجدید ص ٣٢ بتحقیق محمد عوامۃ)

اس کو امام بیہقی نے بسند حسن روایت کیا ہے اور اس کی سند **لا بأس به** ہے (یعنی اس کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے)

امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں:

و هذا سناد جيد. (شفاء السقام ٤٩)

اور یہ سند جید ہے۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ قدیم وجدید میں یہاں راوی کا نام: یزید بن سنان لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ راوی یزید بن سنان نہیں بلکہ برد بن سنان ہے جیسا کہ السنن الکبریٰ ٣:٣٤٩ میں موجود ہے۔

امام مجدالدین فیروزآبادی فرماتے ہیں:

اسناده جيد ورجاله ثقات و خرجه البيهقي و جماعة.

(الصلات والبشر ص ٧٥)

اور اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور امام بیہقی اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

اس کو امام دیلمی نے بھی روایت کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

فردوس الاخبار بماثور الخطاب المخرج علی کتاب الشہاب ۱:۱۰۵

اور امام بیہقی نے اس کو اپنی کتاب السنن الکبریٰ ۳:۲۴۹ میں روایت کیا ہے۔

امام منذری فرماتے ہیں:

رواہ البیھقی باسناد حسن الا ان مکحولا . قیل لم یسمع عن ابی امامۃ. (الترغیب والترہیب ۲:۵۰۳ باب فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اعتراض:

اس حدیث شریف پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں مکحول نے حضرت ابوامامہ سے روایت کی ہے اور ان کا حضرت ابوامامہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ منذری کے حوالہ سے گذرا اور دیگر محدثین میں امام سخاوی وغیرہ نے بھی یہ اعتراض نقل کیا ہے۔

جواب:

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جمہور محدثین کا قول ہے کہ مکحول کا حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ اس طرح یہ روایت مرسل ہوگی جو کہ ہمارے نزدیک قابل حجت وقبول۔ اور دوسرا یہ کہ یہ روایت صرف تائید میں پیش کی جارہی ہے تو اس طرح کی روایت شواہد کے طور پر پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں اور پھر اس کی شواہد اور مؤیدات بھی کئی روایات ہیں جن کو حضرت امام محمد بن یوسف صالحی شامی نے ''سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد،۱۲:۴۴۴ تا ۴۴۶'' میں بیان کیا ہے اور ان میں سے کچھ ہم یہاں بیان کریں گے۔ اور پھر یہ بات بھی اتفاقی نہیں ہے کہ مکحول کا حضرت ابوامامہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

امام سخاوی فرماتے ہیں:

نعم فی مسند الشامین (۴/۳۱۶) للطبرانی التصریح بسماعہ منہ.

(القول البدیع ۱۵۸)

ہاں امام طبرانی کی مسند الشامین میں مکحول کے ابوامامہ سے سماع کی صراحت کی گئی ہے۔

یہ تو ثابت ہوا کہ امام طبرانی وغیرہ کے نزدیک مکحول کا حضرت ابوامامہ سے سماع ثابت ہے۔

الامام الحافظ صلاح الدین ابی سعید خلیل بن کیکلدی العلائی (م ۷۶۱ھ) فرماتے ہیں:

و اما مکحول فانہ اطلق الروایۃ جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وقد قیل انہ لم یسمع الا من انس بن مالک و واثلۃ بن الاسقع و ابی امامہ و فضالۃ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنھم.

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ۲۱ مقدمہ)

اور مکحول تو وہ مطلق صحابہ کی جماعت سے مرسل روایات بیان کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس نے سوائے مالک بن انس، واثلہ بن الاسقع، ابوامامہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کسی صحابی سے نہیں سنا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مکحول کا حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ہونا یا نا ہونا اختلافی مسئلہ ہے۔ لہٰذا یہ حتماً نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا سماع حضرت ابوامامہ سے ثابت نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض:

اس میں ایک راوی ''برد بن سنان'' ہے جو کہ ضعیف ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ثابت ہوئی۔

جواب:

برد بن سنان پر اگرچہ کچھ محدثین نے کلام کیا ہے لیکن وہ جرح مبہم ہے اس لئے قابل

قبول نہیں اور محدثین کے ایک جم غفیر نے اس کی تعدیل کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام عثمان بن سعید دارمی نقل فرماتے ہیں:

و سألته عن برد بن سنان فقال ثقه.

(تاریخ عثمان بن سعید الدارمی ۷۹)

برد بن سنان کے بارے میں میں نے امام ابن معین سے پوچھا تو فرمایا کہ ثقہ ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

قلت لا حمد برد بن سنان قال لیس به بأس.

(سوالات ابی داؤد صاحب السنن لاحمد بن حنبل ص ۲۵۶ طبع مدینہ منورہ)

میں نے امام احمد سے برد بن سنان کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔

قال اسحاق بن منصور و معاویة بن صالح عن یحیی بن معین ثقة و کذلک قال عثمان بن سعید الدارمی عن یحیی و عن دحیم و ابو عبد الرحمن النسائی و عبد الرحمن بن یوسف بن خراش و قال عباس الدوری عن یحیی لیس بحدیثه بأس و قال عمرو بن علی عن یزید بن زریع ما رأیت شامیا اوثق من برد وقال النسائی فی موضع آخر لیس به بأس و قال ابو زرعة لا بأس به وقال فی موضع آخر کا ن صدوقا فی الحدیث . و ذکر ابن حبان فی الثقات . (تہذیب الکمال للمزی ۳:۲۶ وتہذیب التہذیب ۱:۴۲۹)

اسحاق بن منصور اور معاویہ بن صالح امام یحیی بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے۔ ایسے ہی عثمان بن سعید الدارمی امام یحیی سے اور دحیم وابوعبدالرحمٰن النسائی وعبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش سے نقل کرتا ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ عباس الدوری امام یحیی سے نقل کرتے ہیں کہ اس کی حدیث میں کچھ حرج نہیں۔ عمرو بن علی یزید بن زریع سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے شامیوں میں برد سے زیادہ ثقہ کسی کو نہیں دیکھا۔ نسائی نے کہا کہ یہ لا بأس بہ ہے۔ ابوزرعہ نے بھی اسی طرح کہا اور ایک دوسری جگہ کہا کہ حدیث میں صدوق ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر

کیا ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی صحیح اور قابل احتجاج ہوئی۔

اور پھر اس کی تائید میں جیسا کہ میں نے عرض کیا بے شمار روایات ہیں۔

یہاں ایک صحیح السند مرسل روایت ہم نقل کرتے ہیں:

عن ابی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: اکثروا الصلوة علی یوم الجمعة فانه مشهودة تشهده الملئکة و ان احدا لن یصلی علی الا عرضت علی صلاته حتی یفرغ منها قال: قلت: و بعد الموت قال و بعد الموت ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجسادالانبیاء فنبی الله حیی یرزق.

(ابن ماجہ ۱۱۸ کتاب الجنائز قدیمی کتاب خانہ کراچی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ وہ حاضری کا دن ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تم میں سے کوئی بھی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ درود شریف پڑھتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ پیشی بعد از وفات بھی ہوگی تو فرمایا کہ بیشک اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجسام کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔

یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند جید ہے جیسا کہ بے شمار محدثین نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ پچھلی روایت اور حدیث اوس بن اوس کی بھی مؤید اور شاہد ہے۔ اس کی سند کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں:

حضرت امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری فرماتے ہیں:

رواہ ابن ماجة باسناد جید. (الترغیب والترہیب ۲:۵۰۳)

اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا جید سند کے ساتھ۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

اخرجه ابن ماجه و رجاله ثقات. (القول البدیع ۱۵۸)

اس کی تخریج ابن ماجہ نے کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت شہاب الدین احمد بن ابی بکر الکنانی بوصیری (م۸۴۰ھ) فرماتے ہیں:

هذا اسناد رجاله ثقات.

(مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ ۱:۲۹۴ کتاب الجنائز)

اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

علامہ قاضی شوکانی نے تحریر کیا ہے:

و قد اخرج ابن ماجه باسناد جيد. (نیل الاوطار ۳:۲۴۸ باب فضل یوم الجمعۃ)

ابن ماجہ نے اس کو جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں: **رواه ابن ماجه برجال ثقات عن ابی الدرداء مرفوعاً.** (زرقانی علی المواہب ۵:۳۳۶)

اس کو امام ابن ماجہ نے ایسے راویوں کے ساتھ جو تمام کے تمام ثقہ ہیں حضرت ابو الدرداء سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام فاسی اور امام مناوی فرماتے ہیں: **قال الدميری و رجاله كلهم ثقات.**

(مطالع المسرات بجل دلائل الخیرات ۲۳۲ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۲:۸۶ طبع بیروت)

امام دمیری نے فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

قلت رجاله ثقات. (تہذیب التہذیب لابن حجر ۳:۳۹۸ مکتبہ الاثریہ نگلہ ہل)

میں کہتا ہوں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت علامہ علی بن احمد بن ابراہیم العزیزی (م۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں: **رجاله ثقات.** (السراج المنیر شرح جامع الصغیر ۱:۲۸۳ مکتبۃ الایمان مدینۃ المنورہ)

اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت امام علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی (م۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

و روی ابن ماجه باسناد جيد كما قال المنذری.

(وفاء الوفاء ۴:۱۳۵۳ الفصل الثانی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

امام ابن ماجہ نے اس کو سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ امام منذری نے کہا ہے۔

حضرت امام علی بن سلطان محمد القاری (م۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

(رواه ابن ماجه) ای باسناد جيد نقله ميرک عن المنذری و له طرق كثيرة بالفاظ مختلفة.

(مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۳:۲۴۸ باب الجمعۃ الفصل الثانی جلد ۳ ص ۴۷۰، مکتبہ حقانیہ ملتان)

اس کی سند جید (بڑی پختہ) ہے امام میرک نے منذری سے نقل کیا ہے اس کے طرق بہت سے ہیں جو کہ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

و فی اخری رجالها ثقات. (الجوہر المنظم ص ۲۰، الفصل الثانی فی فضل الزیارۃ)

اور دوسری روایت (ابن ماجہ) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت امام محمد بن یوسف صالحی شامی فرماتے ہیں:

وروی ابن ماجه برجال ثقات.

(سبل الہدی والرشاد ۱۲:۴۴۴، الباب السادس فی المواطن التی یستحب الصلوۃ علیہ فیہا)

ابن ماجہ نے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند صحیح اور جید ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اعتراض: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس کے راوی زید بن ایمن کا عبادہ بن نسی سے

سماع ثابت نہیں ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے جیسا کہ حضرت امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں: **رجاله ثقات الا انها منقطعة.**

(الجوہر المنظم ص۲۰) اور اسی طرح امام سخاوی و دیگر محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔

جواب: یہ اعتراض کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا ہے اور اس کا مفصل و تحقیقی جواب آئندہ صفحات میں حدیث نمبر ۱۹ کے تحت دیا جائے گا۔

حدیث حضرت اوس کی مؤید ایک اور روایت بھی ہے جو کہ مرسل ہے جس کو امام قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ سخاوی نے القول البدیع میں نقل کیا ہے۔

و عن ابن شهاب الزهری رفعه مرسلا قال اكثروا علی من الصلوة فی الليلة الغراء و اليوم الازهر فانهما يؤديان عنكم و ان الارض لاتاكل اجساد الانبياء .

(القول البدیع، ۶۰ طبع وجدید صفحہ ۳۲۳ بتحقیق محمد عوامہ) (الشفاء ۲:۶۴) (نسیم الریاض ۳:۳۰۵)

امام ابن شہاب زہری نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسل روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ہر جمعرات اور جمعہ کو کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیونکہ ان میں تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے اور بے شک زمین انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی۔

حدیث نمبر۱۳:

اخبرنا ابو الحسن علی بن محمد بن علی السّقاء الاسفرا ئینیی قال: قال حدثنی والدی ابو علی ثنا ابو رافع اسامه بن علی بن سعید الرازی بمصر ثنا محمد بن اسماعیل بن سالم الصایغ حدثنا حکامة بنت عثمان بن دینار اخی مالک بن دینار قالت حدثنی ابی عثمان بن دینار عن اخیه مالک بن دینار عن انس بن مالک خادم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : ان اقربکم منی یوم القیامة فی کل موطن اکثرکم علیی صلوة فی الدنیا: من صلی علی فی یوم الجمعة و لیلة الجمعة قضی الله له مائة حاجة ، سبعین من حوائج الآخرة و ثلاثین من حوائج الدنیا یوکل الله ملکایدله فی قبری کما یدخل علیکم الهدایا یخبرنی من صل علی باسمه و نسبه الی عشیرته فاثبته عندی فی صحیفة بیضآء.

بسند مذکور: حضرت انس بن مالک خادم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلا شبہ قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو دنیا کے اندر تم میں سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھتا ہوگا۔ جس نے جمعرات اور جمعہ کو مجھ پر درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا، ستر حاجتیں آخرت کی اور تیس حاجتیں اس دنیا کی۔ نیز ایک فرشتہ کو موکل بنا دیا جائے گا جو کہ اس کا درود لے کر اس طرح میری قبر میں آئے گا جیسے تمہارے پاس کوئی تحائف لے کر آتا ہے۔ جس نے مجھ پر درود شریف پڑھا وہ فرشتہ مجھے اس کے نام نسب اور خاندان کی اطلاع وخبر دیتا ہے پس وہ درود میں اپنے نورانی صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔

تخریج حدیث:

۱۔ شعب الایمان للبیہقی ۳:۱۱۱ باب فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ الجمعۃ

۲۔ الترغیب والترہیب للاصبہانی ۱:۵۲۵، ۲:۳۲۰ فصل فی ترغیب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۳۔ القند فی ذکر علماء سمرقند للنجم الدین سمرقندی ۴۵۷ ترجمہ ابی حسان عیسیٰ بن عبداللہ بن عمر و بن محمد البصری

۴۔ کنز العمال فی السنن والاقوال والافعال للہندی ۱:۵۰۶
الباب السادس فی الصلوۃ علیہ وعلی آلہ علیہ الصلوۃ والسلام

۵۔ نور اللمعۃ فی خصائص الجمعۃ للسیوطی ۱۰۳
باب السابعۃ والستون الاکثار من الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۶۔ القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع للسخاوی ۱۵۶ و طبع جدید ۳۱۷

۷۔ رواہ ابن بشکوال وابو الیمن ابن عساکر ودیلمی فی مسند الفردوس کذا فی القول البدیع ۱۵۶

سبحان اللہ کیا شان ہے درود پاک کی اور کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے وظیفے اور اوڑھنا بچھونا درود وسلام کو ہی بنا لیا ہے۔ اذان کے بعد درود وسلام، نماز کے بعد درود وسلام اور پھر ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی کئی بار اور مذکورہ حدیث شریف میں خوشخبری صرف ایک مرتبہ پڑھنے والے کے لئے ہے کہ اس کی سو حاجتیں پوری کی جاتی ہیں اور پھر جو ہمیشگی کرے قیامت کے دن نبی اکرم نور مجسم محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہوگا۔ کسی مومن کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

اور کتنی بدبختی اور بدنصیبی ہے ان لوگوں کی جنہوں نے صرف اپنا وطیرہ ہی یہ بنا رکھا ہے کہ ہر حالت میں درود شریف کو بند کرنا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اذان کے ساتھ نہ پڑھو۔ کبھی کہتے ہیں کہ نماز کے بعد نہ پڑھو۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلق فرما دیا کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے والے کی سو حاجتیں پوری جائیں گی جن میں ستّر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ جواذان

کے ساتھ پڑھے گا یا نماز کے بعد پڑھے گا تو وہ اس سعادت سے محروم رہے گا۔ اگر کہیں یہ حدیث شریف ہے تو ہمیں بھی اس کا پتہ بتائیں کہ وہ کہاں ہے کس کتاب میں ہے؟

اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ درود ابراہیمی پڑھو۔ اس کے علاوہ اور کوئی درود شریف نہ پڑھو۔ فلاں صیغہ سے پڑھو فلاں صیغہ سے نہ پڑھو۔ بلکہ مطلق فرمادیا ہے کہ درود شریف پڑھنے والا قیامت کے دن میرے قریب ہوگا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور پھر بھی درود شریف کی محافل کو بند کرانے کے لئے دن رات مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ درود وسلام پڑھنے کی توفیق دے۔

اعتراض:

امام سخاوی فرماتے ہیں:

رواہ البیھقی فی حیاۃ الانبیاء فی قبورھم لہ بسند ضعیف.

(القول البدیع ص ۱۵۶ طبع جدید ص ۳۱۷)

تو ثابت ہوا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

جواب:

اگر اس کی سند میں کچھ ضعف بھی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ بطور تائید پیش کی گئی ہے۔ ویسے بھی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پیش کی جاسکتی ہے اور پھر اس کی موید وشاہد روایات بھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی علی فی کل یوم مائۃ مرۃ قضی اللہ لہ مائۃ حاجۃ سبعین منھا لآخرہ وثلاثین منھا لدنیا.

جس نے مجھ پر ہر روز ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری

فرمائے گا۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔

اخرجہ ابن مندہ والحافظ ابو موسیٰ المدینی. وقال حدیث حسن غریب. سبل الہدیٰ والرشاد للامام الصالحی الشامی ۱۲: ۴۲۷ باب فی فضل الصلوۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

اور اس حدیث شریف کا دوسرا شاہد ومؤید:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلاۃ.

۱۔ جامع ترمذی ۱: ۶۴ باب صفۃ الصلوۃ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طبع فاروقی ملتان)
۲۔ شعب الایمان ۲: ۲۱۲.....
۳۔ صحیح ابن حبان ۳: ۷۹۳ برقم ۹۰۸
۴۔ ابن ابی شیبہ ۱۱: ۵۰۵
۵۔ کنز العمال ۱: ۴۸۹
۶۔ کامل ابن عدی ۳: ۹۰۴، ۶: ۲۳۴۲
۷۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۱۸۱ برقم (۹۸۰)
۸۔ طبقات المحدثین لابی الشیخ ۴: ۳۵۴،
۹۔ شرف اصحاب الحدیث للخطیب بغدادی ۳۵ جامعۃ القراء
۱۰۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱: ۱۷۱)

امام محمد بن یوسف صالحی شامی فرماتے ہیں:

رواہ ابن ابی شیبہ و ابن حبان و صححہ وابو نعیم و ھکذا رواہ ابن ابی عاصم ایضا فی فضل الصلاۃ لہ و ابن عدی فی الکامل والدینوری فی المجالسۃ والدار قطنی فی الافراد والتیمی فی الترغیب وغیرہ.

(سبل الہدی والرشاد ١٢: ٤٢٧ فصل فی فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اعتراض:

یہ روات بھی ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ''حسن غریب'' کہ یہ حسن غریب ہے۔ اور اس میں ایک راوی موسیٰ بن یعقوب ابو محمد المدنی الزمعی ہے جو کہ ضعیف ہے اور امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہ اس روایت میں متفرد ہے۔

جواب:

اگر بات ایسے ہی ہوتی جیسی کہ معترض صاحب نے بیان کی ہے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں تھا کیونکہ یہ روایت بطور شاہد و مؤید پیش کی جارہی ہے اور ضعیف روایت بطور شاہد پیش کی جاسکتی ہے۔

دوسرے نمبر پر امام دار قطنی کا اس راوی کو متفرد قرار دینا بھی صحیح نہیں۔ اور پھر مذکورہ راوی اگر بقول امام دار قطنی متفرد بھی ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی توثیق کرنے والے محدثین موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام حافظ جمال الدین یوسف مزی نقل فرماتے ہیں:

قال عباس الدوری عن یحیی بن معین: ثقة . و عن ابی داؤد : صالح . وذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات روی له البخاری فی : الادب. والباقون سوی المسلم. (تہذیب الکمال للمزی ١٨: ٥٢٣)

امام عباس الدوری نے یحیی بن معین سے نقل فرمایا کہ یہ ثقہ ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ صالح ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں اس سے روایت لی اور سوائے مسلم کے دیگر اصحاب صحاح نے بھی روایت لی۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

والزمعی قال فیه النسائی انه لیس بالقوی لکن وثقه ابن معین فحسبک به . و کذا وثقه ابو داؤد و ابن حبان و ابن عدی و جماعة.

امام نسائی نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ قوی نہیں ہے لیکن ابن معین نے ثقہ کہا اور ان کی توثیق تیرے لئے کافی ہے۔ ایسے ہی امام ابن حبان، امام ابن عدی اور محدثین کی ایک پوری جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

(المقاصد الحسنۃ ٢٢١ للسخاوی مطبوعہ دارالکتب عربیہ بیروت)

حدیث نمبر ١٤:

و فی هذا المعنی الحدیث الذی اخبرنا ابو علی الحسین بن محمد الروذباری انبأ ابو بکر بن داسه ثنا ابو داؤد ثناء احمد بن صالح قال قرأت علی عبد الله بن نافع قال اخبرنی ابن ابی ذئب عن سعید المقبری عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:

''لا تجعلوا بیوتکم قبورا و لا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم.''

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود شریف پڑھو بیشک تمہارا درود شریف مجھے پہنچ جاتا ہے تم کہیں بھی ہو۔

تخریج حدیث:

١۔ سنن ابی داؤد ١: ٢٧٩ ابی ہریرہ کتاب المناسک باب زیارۃ القبور
٢۔ مسند امام احمد ٢: ٣٦٧ ابی ہریرہ مسند ابی ہریرہ
٣۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ٦: ٢٨٣ ابی ہریرہ فی ترجمۃ ہشام الدستوائی
٤۔ مسند ابی یعلی ١: ٢٤٥ عن علی بن الحسین (بتعلیق الاثری)
٥۔ مسند ابی یعلی ٦: ١٧١ عن حسن بن علی
٦۔ المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی ١: ٢٦٨ عن علی بن حسین، کتاب الحج، باب الادب عند زیارۃ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۷۔ مصنف عبدالرزاق ۳:۷۱عن حسن بن علی، باب القطوع فی البیت

۸۔ مصنف عبدالرزاق ۳:۵۷۷حسن بن علی باب السلام علی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۹۔ الاحادیث المختارہ ۲:۴۹حسن بن علی (مسند حسن ابن علی عن ابیہ)

۱۰۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۳:۸۳حسن بن علی

۱۱۔ تہذیب تاریخ دمشق ۴:۱۶۵حسن بن علی

۱۲۔ فضل الصلوۃ علی النبی للقاضی ۱۳علی بن حسین بن علی

۱۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۳:۳۴۵حسن بن علی، کتاب الجنائز باب من کرہ زیارۃ القبور

۱۴۔ موضع اوہام الجمع والتفریق للخطیب بغدادی ۱:۳۵۱علی بن حسن

۱۵۔ فردوس الاخبار للدیلمی ۵:۱۶۵

۱۶۔ التاریخ الکبیر للبخاری ۳:۱۸۶

اس حدیث شریف سے بعض جاہل نام کے عالم لوگوں نے یہ مسئلہ اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرنا منع ہے جو کہ سراسر ناانصافی ،رسول دشمنی اور تحریف فی کلام الرسول کے مترادف ہے اور سبیل المؤمنین کی کھلی مخالفت ہے۔

قارئین محترم! ایک طرف ابن تیمیہ اور اس کی ناخلف ذریت کے معدود چند لوگ ہیں جبکہ دوسری طرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے علمائے حقہ کا جم غفیر ہے۔ متقدمین ومتاخرین علمائے اسلام بیک زبان یہ فرمارہے ہیں کہ روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیات اعظم ترین قربات میں سے ہے اور اس حدیث شریف سے زیارت کی کثرت پر استدلال ہوتا ہے۔

حضرت امام حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری فرماتے ہیں:

یحتمل ان یکون المراد به الحث علی کثرت زیارة قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و ان لا یهمل حتی لا یزار الا فی بعض الاوقات کالعید الذی لا یاتی فی العام الامرتین قال یؤید هذا التاویل ما جاء فی الحدیث نفسه لا

تجعلوا بیوتکم قبورا ای لا تترک الصلاة فی بیوتکم حتی تجعلوها کالقبور التی لا یصلی فیها . (شفاء السقام ص۸۰)

اس میں احتمال ہے کہ آپ کی مراد قبر شریف کی زیارت پر ابھارنا ہو اور یہ کہ اس میں سستی نہ کرے جیسا کہ عید کہ وہ سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے اور اس تاویل کی مؤید وہ حدیث شریف ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ یعنی وہاں نماز پڑھنا ترک نہ کرو کہ وہ قبور کی طرح ہو جائیں کہ جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی۔

حضرت امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

و یحتمل ان یکون المراد لا تتخذوا له وقتا مخصوصا لا تکون الزیارة الا فیه کما تری کثیر من المشاهد لزیارتها یوم معین کالعید و زیارة قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لیس فیها یوم بعینه بل ای مکان .

(شفاء السقام ص۸۰)

اور اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زیارت کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص نہ کرو کہ اس وقت کے سوا زیارت بھی نہ کرو جیسا کہ عام مشاہد کے بارے میں تو نے دیکھا کہ ان کی زیارت یوم خاص میں کی جاتی ہے جیسے کہ عید۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کسی معین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جس دن چاہے زیارت کرے۔

حضرت امام احمد بن حجر ہیتمی مکی فرماتے ہیں:

قلت بعد ان یعلم ان الحدیث منازع فی ثبوته و لکن ثبوته و الاصح الکلام فی مقامین اولهما ما نقل من جماعة من اهل البیت فی مسند عبد الرزاق وغیره تمسکا بهذا الحدیث لیس نهیا عن اصل الزیارة و انما هو نهی لمن اتی بها علی غیر الوجه المشروع فیها . (الجوہر المنظم ۱۵)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے صحت وعدم صحت کے بارے میں اختلاف ہے لیکن بغرض تسلیم ثبوت اس کے بارے میں دو مقامات پر صحیح کلام ہے ان میں سے پہلا جو کہ مصنف عبد

الرزاق میں اہل بیت کی ایک جماعت سے نقل کیا گیا ہے اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے کہ اس میں اصل زیارت سے منع نہیں فرمایا گیا بلکہ صرف اس سے منع کیا گیا ہے جو کہ غیر مشروع طریقے سے قبر شریف پر آئے۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

ذکرت فی کتاب الدر المنضود فی الصلوة علی صاحب المقام المحمود الحدیث والجواب عنه ببسط مما هنا و عبارته ونهیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن جعل قبر عیدا یحتمل انه للحث علی کثرت الزیارة و لا تجعل کالعید الذی لا یوتی فی العام الامرتین والاظهر انه اشار الی النهی الوارد فی الحدیث الآخر عن اتخاذ قبره مسجدا ای لا تجعل زیارة قبری عیداً من حیث الاجتماع لها کهو للعید و قدکانت الیهود والنصاری لزیارة قبور انبیائهم و یشتغلون عندها باللهو والطرب فنهی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم امته عن ذلک ان یتجاوز فی تعظیم قبره ما امر وا به عن ذلک او ان یتجاوز فی تعظیم قبره ما امروا به والحث علی زیارة قبره الشریف قد جاء فی احادیث بینتها فی حاشیة الایضاح مع الرد علی من انکر ذلک و هو ابن تیمیة. (الجوہر المنظم ۱۷۱، الفصل اصول فی مشروعہ قبر نبینا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

میں نے اپنی کتاب الدر المنضود فی الصلوۃ علی صاحب المقام المحمود میں یہ حدیث اور اس کا جواب ذکر کیا ہے جو کہ شرح وبسط وتفصیل کے ساتھ ہے اور وہاں عبارت یوں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی قبر کو عید بنانے سے منع کرنے میں احتمال ہے کہ کثرت پر بر انگیختہ کرنا مراد ہو اور اس کو عید کی طرح نہ بناؤ کہ وہ سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے اور اس میں اشارہ ہے اس نہی کی طرف جو کہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قبر کو مسجد نہ بناؤ یعنی میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ، اجتماع کے لحاظ سے جیسا کہ عید کے لئے ہوتا ہے اور تحقیق یہود ونصاری اپنے انبیاء کی قبور کی زیارت کے لئے جمع ہوتے تھے اور وہاں کھیل تماشے میں مشغول ہوجاتے

تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کھیل سے منع فرمادیا۔ یا پھر قبر کی تعظیم میں اس حد سے گذرنے میں منع فرمایا جس کا حکم دیا گیا ہے اور پھر قبر شریف کی زیارت کثرت سے کرنے پر بہت ساری احادیث مروی ہیں جن کو میں نے حاشیہ الایضاح میں بیان کردیا ہے اور منکر کا رد کیا ہے جو کہ ابن تیمیہ ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

الغرض اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس نہی سے منع کرنا زیارت کا ہوتا تو آپ صاف صاف منع فرماتے اور جب آپ نے مورد نہی عید بنانا کیا تو ضرور نہی ایسے امور سے ہوگی کہ جن سے عید ہوتی ہے نہ مطلق زیارت سے اور نہ سفر زیارت سے۔ پس باوجود ان احتمالات کے استدلال کیونکر مقبول ہوگا اور مطلق زیارت یا سفر کا منع ہونا کیسے ثابت ہوگا۔ اور ایک احتمال پنجم یہ ہے کہ غرض اس حدیث سے باطل کرنا اس اعتقاد کا ہے صلاۃ وسلام کا ثواب اور وصول اس کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر ہی کے نزدیک ہوتا ہے نہ دور سے جیسے عید کی عبادات مخصوصہ اور ثواب مخصوص اسی روز کے ساتھ مخصوص ہیں کسی اور روز میں نہیں ہوسکتے ہیں۔ پس ارشاد ہوا کہ تم میری قبر کو مثل عید نہ سمجھو اور جملہ وصلوا وسلموا علی فان صلوتکم وسلامکم تبلغنی ما کنتم منضم فرماکے ارشاد ہوا کہ ثواب صلاۃ وسلام کا اور وصول اس کا مخصوص حضور کے ساتھ نہیں ہے بلکہ قرب وبعد دونوں حالتوں میں باقی ہے۔

(السعی المشکور فی رد المذہب الماثور ۱۰۵ طبع ۱۲۹۴ھ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا تتخذوا قبری عیداً (الحدیث)

وفرمودہ شما وآنکہ در اندلس است برابر در قرب ومثل ایں از امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمدہ مانا کہ آں مرد کہ ایں اماماں دین اوراں منع کردند از حد اعتدال در گذرانیدہ باسد یا اثر تکلیف و تصنع دروی مشاہدہ فرمود۔ مقصود شان تنبیہ وتعلیم ایں معنی بود کہ در حضور معنی قرب مسافت و بعد آں یکی ست چنانچہ گفتہ است۔

دراہ عشق مرحلہ قرب وبعد نیست۔ می بینمت عیاں ودعامی فرستمت۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ۲۰۱ طبع لکھنؤ ۱۲۸۶ھ، ۱۸۶۹ء)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید مت بناؤ (الحدیث) اور فرمایا کہ تم اور باشندگان اندلس نزدیکی میں برابر ہیں۔ اسی طرح کی روایت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ شخص جس کو ان اماماں دین نے منع کیا حد اعتدال سے گذر گیا یا ہر تکلف اور بناوٹ کی علامات اس میں ملاحظہ فرمائی ہوں گی۔ یا ان کی تنبیہ اور تعلیم ہوگی کہ حضور باطنی میں قرب وبعد دونوں برابر ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

توان مختصر حوالوں سے یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف سے جہاں حیاۃ الانبیاء ثابت ہوتی وہاں کم ازکم وہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا جس کو ابن تیمیہ اور اس کی ذریت ثابت کرنا چاہتی ہے۔

لیکن چونکہ یہ روایت ابن تیمیہ اور اس کے اندھے مقلدین کے نزدیک روضۂ شریف کی زیارت کی ممانعت پر دال ہے۔ اس لئے اس کی سند کے بارے میں بھی کچھ دیکھ لینا چاہئے۔

اس روایت میں ایک راوی ہے عبداللہ بن نافع۔ یہ راوی مختلف فیہ ہے۔

حضرت امام جمال الدین مزی نقل فرماتے ہیں:

قال ابو طالب عن احمد بن حنبل : لم یکن صاحب حدیث کان ضعیفاً فیه . و لم یکن فی الحدیث بذاک . وقال ابو حاتم لیس بالحافظ هو لین فی حفظه و قال البخاری فی حفظه شیی . قال ابن عدی روی عن مالک غرائب ذکره ابن حبان فی کتاب الثقات : وقال کان صحیح الکتاب و اذا حدث من حفظه ربما اخطأ. (تہذیب الکمال للمزی ۱۰:۵۸۲)

(تہذیب التہذیب للعسقلانی ۶:۵۱) (شفاء السقام للسبکی ۸۰)

امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ محدث نہیں بلکہ حدیث میں ضعیف تھا۔ اور حدیث میں پختہ نہیں۔ امام ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ حافظ نہیں۔ اس کا حافظہ کمزور تھا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ اس

کے حفظ میں کچھ کمی تھی۔ ابن عدی نے کہا امام مالک سے غرائب نقل کرتا تھا۔ امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ یہ اگر کتاب سے بیان کرے تو صحیح ہے جب حافظہ سے بیان کرتا ہے تو اکثر غلطی کر جاتا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ روایت اس راوی کی وجہ سے کمزور ہے اور زیارت قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے شمار صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اور جہاں تک اس حدیث کے مویدات وشواہد کا تعلق ہے تو امام علی بن حسین کی روایت میں ایک راوی علی بن عمر ہے جو کہ مجہول ہے ملاحظہ فرمائیں: تقریب ۲۴۸ اور دوسری سند حسن بن حسن میں سہیل مستور ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (۲/۱/۲۴۷)

حدیث نمبر ۱۵:

و فی هذا المعنی الحدیث الذی اخبرنا ابو محمد عبدالله بن یحیی بن عبد الجبار السکری ببغداد ثنا اسماعیل بن محمد السفار ثنا عباس بن عبد الله الترقفی ثنا ابو عبد الرحمن المقری ثنا حیوة بن شریح عن ابی صخر عن یزید بن عبد الله بن قسیط عن ابی هریره ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال:

ما من احد یسلم علی الا رد الله روحی حتی اردّ علیه السلام.

اور اسی معنی (حیات الانبیاء ووصول درود شریف) میں ایک وہ حدیث جو کہ بسند مذکور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی مجھ پر (صلاۃ و) سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تخریج حدیث:

۱۔ ابوداؤد: ۲۸۶ کتاب المناسک باب زیارۃ القبور

۲۔ مسند اسحاق بن راہویہ ا:۴۵۳ مسند ابی ہریرہ

۳۔ مسند احمد بن حنبل ۲:۵۲۷ مسند ابی ہریرہ

۴۔ سنن الکبریٰ للبیہقی ۵:۲۲۵ الدعوۃ الکبیر ا/۱۴۰ ا برقم ۱۵۸

۵۔ شعب الایمان ۲:۲۱۷ باب فی تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۶۔ السنن الصغیر ۲:۲۱۰

۷۔ المعجم الاوسط (للطبرانی) ۳/۳۸۷ برقم (۳۱۱۴)

۸۔ تاریخ اصبہان لابی نعیم ۲:۳۵۳

۹۔ الرسائل القشیریہ لابی قاسم ۱۶

۱۰۔ الترغیب والترہیب ۲:۴۹۹ الترغیب فی اکثار الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۱۔ فضائل الاعمال ۹۰ ۷لضیاء المقدسی

یہ حدیث بھی الحمدللہ صحیح ہے اور حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوی اور بین دلیل ہے۔

حضرات محدثین کرام نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے:

رواہ ابوداؤد بسند صحیح. (المجموع شرح المہذب للنووی ۸:۲۷۲) اس کو امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

و روینا فیه ایضا باسناد صحیح عن ابی هریرة . (کتاب الاذکار ۱۰۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

باسناد حسن بل صححه النووی . (القول البدیع ص ۱۵۵)

اس کی اسناد حسن ہے بلکہ امام نووی نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔

حضرت امام زرقانی مالکی فرماتے ہیں: **باسناد صحیح .**

(زرقانی شرح مواہب ۸:۳۰۸ فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت امام محمد بن یوسف صالحی شامی فرماتے ہیں:

وروی الامام احمد و ابو داؤد والبیهقی بسند صحیح.

(سبل الہدیٰ والرشاد ۱۲:۲۵۶، باب فی حیاۃ فی قبرہ)

امام احمد وابوداؤد و بیہقی نے اس کو بسند صحیح روایت کیا ہے۔

حضرت امام سیوطی فرماتے ہیں:

اسنادہ من طریق ابی داؤد واخرجه ایضا احمد والبیهقی بسندحسن.

(مناہل الصفا تخریج احادیث الشفاء ص ۲۰۵)

اس کی سند حسن ہے۔

حضرت علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

رواہ ابو داؤد واحمد و بیهقی وسندہ حسن.

(شرح شفاء ۴:۹۹ لعلی القاری)

اس کی سند حسن ہے۔

حضرت علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

وهذا اسناد صحیح . (شفاء السقام ص ۴۱)

اور یہ سند صحیح ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح و کذا قال فی الریاض و کذا قال ابن حجر : رواته ثقات . (تحفۃ الذاکرین بعدۃ الحصن الحصین من کلام سید المرسلین ۲۸)

امام نووی نے اذکار میں کہا کہ اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ ریاض الصالحین میں اور اسی

طرح امام ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت امام نورالدین احمد سمہودی فرماتے ہیں:

روی ابو داؤد بسند صحیح کما قال السبکی.

(وفاء الوفا باخبار دارالمصطفی ۴:۱۳۴۹، الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا۔

حضرت علامہ امام قاسم بن قطلو بغا جمال حنفی فرماتے ہیں:

اخرجہ الامام احمد وابوداؤد وسندہ صحیح .

(التعریف والاخبار فی تخریج احادیث الاختیار ص ۱۰۵ (قلمی نسخہ))

علامہ ابن قیم جوزیہ فرماتے ہیں:

و قد صح اسناد ھذا الحدیث. (جلاء الافہام ص ۱۹)

اور اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

حضرت علامہ مجد الدین فیروزآبادی صاحب القاموس (م ۸۱۷ ھ) فرماتے ہیں:

فاخرج الامام احمد و ابوداؤد فی سننہ باسناد صحیح.

(الصلات والبشر فی الصلاۃ علی خیر البشر ۱۰۴)

اس کی اسناد صحیح ہے۔

نجدی مفتی عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے لکھا:

و قد اخرج ابو داؤد بسندجید . (مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ۲:۳۹۴)

اور امام ابوداؤد نے پختہ سند کے ساتھ اس کا اخراج کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد مولوی اسماعیل سلفی نے لکھا: ''حدیث نمبر ۶ صحیح ہے اس میں سلام کے وقت روح کا ذکر ہے۔ (تحریک آزادیٔ فکر اور شاہ ولی اللہ کے تجدیدی مساعی ص ۴۱۳)

تفہیم حدیث:

اس حدیث شریف کی تفہیم میں بھی زبردست ٹھوکریں کھائی ہیں اور ''رد روح'' پر عجیب

وغریب گل افشانیاں فرمائی ہیں اور جو لوگ دوسروں کو اسلاف کی راہ اپنانے اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے بلکہ اپنے نام کے ساتھ سلفی بھی لکھتے ہیں وہ اس حدیث شریف کے مطالعہ کے سلسلہ میں بالکل اسلاف کے خلاف چلتے نظر آتے ہیں اور خود ساختہ مفہوم بیان کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

قارئین محترم! ملاحظہ فرمائیں منکرین کس کس طریقہ سے اس حدیث کے مفہوم سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عثمانی لکھتا ہے:

''عجیب بات ہے کہ یہ دلیل بھی وہی گروہ پیش کرتا ہے جو اس باب کا عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے تمام لوگ وفات کے بعد قبر میں زندہ ہیں۔ جب یہ بات ہے تو سلام کے وقت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کے لوٹائے جانے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے، دوسری طرف بہت سے حضرات اس روایت کو پیش فرما کر کہتے ہیں کہ وقت کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گذرتا کہ کوئی نہ کوئی دنیا میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام نہ پڑھ رہا ہو اس لئے آپ کے جسم اطہر سے وابستہ رہ کر ایک حیات مسلسل کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ بات یہ بھی نہیں بنتی کیونکہ ''رد'' کا لفظ بے معنی قرار پائے گا۔ آخر ایسی دلیل کا کوئی کیا جواب دے۔ ساتھ ساتھ یہ بات کہ دنیا میں ایک وقت میں ہزاروں لاکھوں انسان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے رہتے ہیں، ان سب سلاموں کا جواب دینا اللہ کے سوا کسی اور کی طاقت سے تو باہر معلوم ہوتا ہے۔''

(توحید خالص ۲:۱۹، از کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی)

قارئین کرام! آپ حضرات اندازہ لگائیں کہ ان لوگوں کی تحقیق کا طریقہ کیا ہے، اصل میں یہ بدقسمت لوگ سمجھتے ہیں کہ جو ہمارے گندے ذہن میں آیا وہی عین حق ہے اور وہی تحقیق ہے اگر یہ مسلمان ہوتے تو فرمان آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے۔ یہ قرآن وحدیث کا نام لینے والے دیکھیں کس طرح قرآن وحدیث کو رد کر رہے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں ایک اور نام نہاد توحید پرست نے لکھا ہے:

''اس میں سلام کے وقت ردروح کا ذکر ہے یہ حیات دنیوی کے خلاف ہے۔حافظ سیوطی نے جس قدر جوابات دیئے ہیں ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا اپنا ذہن بھی اس حدیث کے متعلق صاف نہیں۔جواب میں تذبذب اور خبط نمایاں ہے۔''(تحریک آزادی فکر،از مولوی محمد اسماعیل سلفی وہابی ص۴۱۴)

اب اس خبطی سے کوئی پوچھے کہ جناب سلفی صاحب جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم اقدس تروتازہ ہے روح بھی اس میں لوٹادی گئی تو پھر دنیوی زندگی ہونے میں کونسی چیز مانع ہے؟

اور جب آپ اس حدیث کو صحیح بھی مانتے ہیں تو پھر اس پر عقیدہ رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر منورہ میں حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ کیوں نہیں مانتے۔جب حدیث بھی صحیح اور ثابت ہو جس کا آپ کو خود اقرار ہے تو پھر فرمان رسول کو بلاوجہ رد کرنا کیا یہی اہل حدیثی ہے یا کہ گمراہی؟ حقیقت میں آپ لوگ اہل حدیثی کا لباس اوڑھ کر منکرین حدیث ہیں اور احادیث کا مفہوم ومطلب اپنی نارسا عقل کے مطابق کرتے ہیں اور جو اس گندے اور گستاخ ذہن میں نہ آئے اس کا انکار کردیتے ہیں۔

قارئین کرام! ایک اور نام نہاد توحیدی کی بات کو سنئے اور ان کی عقل کا ماتم کیجئے ،لکھا ہے:

''اشکال کہ اس غلط وخود ساختہ تقریر سے ترمذی صاحب قارئین کے ذہنوں میں یہ باطل نظریہ بیٹھانا چاہتے ہیں کہ آپ کی روح طیبہ آپ کے بدن مبارک کے اندر موجود ہے حالانکہ یہ نظریہ ان نصوص صریحہ کے سراسر خلاف ہے جس میں آپ کی روح طیبہ اعلیٰ علیین اور جنت میں ہونے کی تصریح ہے۔''(اقامۃ البرہان ص ۲۴۷،از سجاد بخاری مماتی پنڈوی)

جناب بخاری صاحب اگر یہ عقیدہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارکہ بدن اقدس میں ہے یہ باطل ہے (معاذ اللہ) تو پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام باطل پر

عقیدہ بنائے ہوئے ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مبارک فرمان کا مطلب کیا ہوگا: لا تجتمع امتی علی الضلالۃ کہ میری امت گمراہی پر اجماع نہیں کرے گی۔

اور پھر آپ نے فرمایا: نصوص صریحہ.

تو جناب ذرا نصوص صریحہ کی تعریف تو فرمادیں کہ نصوص کس کو کہا جاتا ہے اور پھر اپنی تعریف کے مطابق اپنے دلائل کو نصوص سے ثابت فرمائیں اور پھر آپ کا یہ کہنا کہ آپ کی روح طیبہ اعلیٰ علیین اور جنت میں ہونے کی تصریح ہے۔

یہ بیان فرمائیں اعلیٰ علیین اور جنت دو علیحدہ علیحدہ مقام ہیں یا کہ ایک ہی مقام کے دو نام ہیں۔اگر ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں تو اس کے لئے دلیل درکار ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ ہیں تو پھر دریافت طلب بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح بیک وقت دونوں مختلف مقامات پر موجود ہیں تو کیا آپ کے نزدیک یہ توحید کے خلاف ہے یا کہ نہیں اگر ہے تو آپ مشرک ٹھہرے اور اگر نہیں تو پھر جب دو مقامات پر ہونا شرک نہیں تو تین یا اس سے زیادہ مقامات پر ہونا شرک کیسے ہوسکتا ہے۔

اور پھر اگر اعلیٰ علیین اور جنت میں بیک وقت موجود ہے تو کیا آپ کا جسد اقدس جو کہ جنت میں اعلیٰ علیین سے افضل ہے اس میں ہونے پر کیا استحالہ ہے۔

اور آپ حضرات کا روح اقدس کو اعلیٰ علیین یا جنت میں ہونے کو ترجیح دینا کن نصوص قطعیہ سے ثابت ہے جب کہ قبر منورہ اعلیٰ علیین اور جنت سے بھی افضل تو قرآن مجید کی آیت وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ کے تحت روح طیبہ بھی افضل مقام پر ہی رہنی چاہئے۔اور اگر بدقسمتی یا بدعقیدگی کی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ کو جنت یا اعلیٰ علیین سے افضل نہیں مانتے تو کم از کم اتنا تو مانتے ہوں گے کہ یہ جنت ہے اگر یہ بھی نہیں مانتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے آپ کیا مطلب اخذ کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال مابين بيتي و منبري روضة من رياض الجنة ومنبري علي حوضي.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (اور میرا منبر میرے حوض پر ہے)

۱۔ (بخاری، ۱۵۹۱) باب فضل الصلوۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ
۲۔ مسلم، ۱:۴۴۶، کتاب الحج باب فضل ما بین قبرہ ومنبرہ
۳۔ مسلم " عن عبد اللہ بن زید
۴۔ مسند امام احمد، ۲:۲۳۶، ۲۳۷، ۴۳۸، ۴۶۶، ۵۳۳، ۳:۴، ۴۹، ۴۰
۵۔ مسند حمیدی حدیث نمبر ۲۹۰ ۱:۱۳۹ عن عمار
۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱:۴۳۹
۹۔ مصنف عبد الرزاق ۳:۱۸۲ عن ابی ہریرہ وعبد اللہ بن زید
۲:۱۸۳ باب منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۱۰۔ مسند ابی یعلی الموصلی ۱:۱۱۸
۱۱۔ ترمذی ۲:۲۳۱ باب ما جاء فی فضل المدینۃ
۱۲۔ موطا امام مالک ۱۸۳ عن ابی سعید الخدری وعبد اللہ بن زید باب مسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۱۳۔ کتاب المعجم لابن اعرابی ۴:۴۰ عن ابی ہریرہ وابی سعید فی ترجمہ ابو یحیی بن ابی مسرۃ
۱۴۔ المعجم الصغیر للطبرانی ۳:۲۹۱
۱۵۔ تاریخ اصبہان لابی نعیم ۱:۹۲، ۲۲۸، ۲:۲۷۶، ۳۳۲ الجنۃ الباحث
۱۶۔ کامل لابن عدی ۳:۱۱۸۲ عن ابی ہریرہ وعلی
۱۷۔ کشف الاستار ۲:۵۷ باب فیما بین القبر والمنبر

اور پھر بعض طرق حدیث میں تو اس طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ عن زوائد مسند الحارث ۱۳۴ برقم ۳۹۷، ۳۹۶ برقم حدیث

۱۸۔ ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة
۱۹۔ مسند احمد ۳:۶۴
۲۰۔ مسند ابی یعلی ۲:۱۳۴۱ بتعلیق حسین اسد
۲۱۔ تاریخ بغداد ۴:۴۰۳ عن ابی سعید ۱۱:۲۲۸ عن جابر ۱۱/۲۹۰ عن سعد ۱۲:۱۱۶۰ ابن عمر۔
۲۲۔ فوائد للتمام ۲:۲۶۵
۲۳۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲:۳۲۴
۲۴۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲:۲۹۴
۲۵۔ کشف الاستار عن زوائد البزار ۲:۵۶ باب فیما بین القبر والمنبر
۲۶۔ السنن الکبریٰ للبیہقی ۵:۲۴۶ عن عبید اللہ بن عمر۔

"تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ ہی جنت ہے تو جس حدیث شریف میں آپ کی روح مبارکہ جنت میں ہونا وارد ہوا ہے اس سے مراد یہی جنت ہے۔ لہٰذا مولوی مذکور کا اس سے انکار صرف ضد اور جہالت ہے۔

اشکال:

ہاں اس حدیث شریف میں ایک اشکال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں تو پھر اس حدیث شریف میں جو روح کا آپ کی طرف لوٹانے کا ذکر ہے اس کا کیا معنی و مطلب ہوگا۔

حل اشکال:

علمائے اسلاف میں سے بے شمار علما نے اس اشکال کے بہترین حل پیش کئے ہیں ان میں سے کچھ اختصار کے طور پر ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

حضرت علامہ مجدالدین فیروزآبادی صاحب القاموس فرماتے ہیں:

فان قلت: ما معنی قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : رد الله علیی روحی؟ قلت ذکرعنه جوابان. احدهما ذکره البیهقی و هو ان المعنی الا وقد ردالله روحی یعنی ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعد ما مات ودفن رد الله علیه روحه لاجل سلام من یسلم علیه واستمرت فی جسده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

اگر تو کہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹاتا ہے کا کیا معنی ہے تو میں کہونگا کہ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں ان میں سے ایک امام بیہقی نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے یعنی تحقیق اللہ نے میری روح میری طرف لوٹادی ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات کے بعد جب دفن کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح لوگوں کے سلاموں کے جوابات عنایت فرمانے کے لئے آپ کو لوٹادی اور وہ ہمیشہ آپ کے جسم اقدس میں ہے۔

حضرت امام سبکی فرماتے ہیں:

والثانی : یحتمل ان یکون ردا معنویا و هوان یکون روحه الشریفة مشتغلة بشهود الحضرة الالهیة والملاء الاعلیٰ من هذا العالم فاذا سلم علیه اقبلت روحه الشریفة علی هذا العالم فیدرک : سلام من یسلم علیه و یرد علیه.

(شفاء السقام ص۵۰،۵۱)

اور دوسرا جواب: اس میں احتمال ہے کہ یہاں رد روح سے مراد رد معنوی ہے کیونکہ آپ کی روح مبارکہ اس جہاں سے بے نیاز ہوکر بارگاہ الٰہی اور ملاء اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو جب بھی کوئی شخص سلام بھیجتا ہے تو آپ کی روح طیبہ اس جہاں کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے تاکہ سلام کا ادراک کرکے سلام کرنے والے کا جواب دے سکے۔

حضرت امام سبکی سے یہی جواب علامہ سخاوی نے ''القول البدیع'' ص ۱۶ پر اور علامہ

فیروزآبادی نے ''الصلات والبشر'' ص ۱۰۴ میں بیان فرمایا ہے۔

علامہ شوکانی نے حضرت علامہ ابن الملقن سے نقل کیا ہے:

والمراد برد الروح النطق لانه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حیی فی قبره وروحه لاتفارقه لما صح : ان الانبیاء احیاء فی قبورهم.

(تحفۃ الذاکرین للشوکانی ص ۲۸)

اور رد روح سے مراد یہاں نطق ہے کیونکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ سے جدا نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں مروی ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

رد روح سے مراد سرور ہے۔

حضرت علامہ ابن العماد فرماتے ہیں:

یحتمل ان یراد به هنا السرور مجازا فانه قد یطلق و یراد به ذلک.

(الجوہر المنظم لابن حجر مکی ۲۴)

احتمال ہے کہ یہاں رد روح سے مراد سرور اور خوشی ہو مجازی طور پر کیونکہ اس کا اطلاق عام طور پر خوشی وسرور کے معنی میں ہوتا ہے اور اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے۔

رد روح سے مراد نطق ہے۔

حضرت امام ابوالحسن بکری مصری والد البکری الکبیر (م ۹۵۲ھ) فرماتے ہیں:

و اعلم ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون و هذا الحدیث لیس ظاهره مراد او انما المراد بروحی منطقی لان قوة النطق لازمة للروح فعبر بها عنها والله اعلم. (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار للنبہانی ۴:۱۵۳)

جاننا چاہئے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور اس حدیث کا ظاہر مراد نہیں ہے۔ یہاں رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ قوۃ نطق روح کے لئے لازم ہے لہذا یہاں نطق کو روح فرمادیا گیا۔ واللہ اعلم

یہاں نطق سے مراد یہ نہیں ہے کہ مطلقاً آپ بولتے ہی نہیں مگر جواب سلام کے لئے جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسپر تنبیہ فرمائی ہے: اور بعض علماء نے عدم نطق کا مفہوم کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ یہاں عدم نطق اضطراری نہیں کیونکہ وہ تو ایک قسم کی سزا ہوتی ہے جیسا کہ

حضرت قطب وقت علامہ مولانا فقیر اللہ بن عبد الرحمٰن حنفی فرماتے ہیں:

و یمکن ان یقال ان عدم النطق یمکن ان یقول المثل ما ذکر من مشاهدة الملکوت و الاستغراق فی مشاهدة الرب فلا ینطق الا عند سلامة الامة.

(قطب الارشاد ۳۷۷)

یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے عدم نطق ممکن ہے جیسا کہ مشاہدۂ رب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ملکوت سے استغراق میں رہتے ہیں اور امت کے سلام کے سوا آپ نطق نہیں فرماتے۔

غزالی زماں رازئ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما من احد یسلم علی الا رد الله روحی حتی ارد علیه السلام.

نہیں کوئی جو سلام پڑھے مجھ پر لیکن اللہ تعالیٰ میری طرف میری روح لوٹا دیتا ہے کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

اس حدیث میں ''ما'' نافیہ ہے۔ ''احد'' نکرہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ نکرہ حیز میں نفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر ''من'' استغراقیہ عموم اور استغراق پر نص ہے۔ یعنی مجھ پر سلام بھیجنے والا کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سلام کی طرف میری توجہ مبذول نہیں ہوتی ہو۔ خواہ وہ قبر انور کے پاس ہو یا دور ہو ہر ایک کے سلام کی طرف متوجہ ہوں اور ہر ایک شخص کے سلام کا جواب خود دیتا ہوں۔

یہ حدیث اس امر کی روشن دلیل ہے کہ درود پڑھنے والے ہر فرد کا درود حضور علیہ السلام خود سنتے ہیں اور سن کر جواب بھی دیتے ہیں۔ خواہ شخص قبر انور کے پاس ہو یا دور ہو۔ (حیاۃ النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص ۵۵ مکتبہ فریدیہ، ساہیوال)

تو اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے والے کا سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

رد روح سے مراد سماعت مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

و یتولد من هذا الجواب جواب آخر. و هو ان تکون کناية عن السمع و یکون المراد ان الله تعالیٰ یرد علیه سمعه الخارق للعادة بحیث یسمع المسلم، و ان بعد قطره و یرد علیه من غیر احتیاج الی واسطة مبلغ.

(ابناء الاذکیاء ص ۴۳ طبع دار الحدیث مصر)

اور اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ رد روح پر آپ کی سمع خارق للعادۃ کو لوٹا دیتا ہے۔ اس طرح کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے ہیں خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو اور اس کو بغیر کسی وسیلہ کی احتیاج کے جواب دیتے ہیں۔

حضرت امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

او المراد بالروح السمع الخارق للعادة بحیث یسمع المسلم علیه من غیر واسطة و ان بعد او الموافق للعادة.

(الفتاوی الکبری الفقیہ ۲:۲۶ لابن حجر الہیتمی المکی)

اور یہ رد روح سے مراد سماعت خوارق عادت ہے کیونکہ آپ ہر سلام پڑھنے والے کے سلام کو سنتے ہیں بغیر کسی واسطہ کے اگرچہ وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو یا پھر موافق عادت کے (آپ اس کے سلام کو سنتے ہیں)

جواب سلام کی سعادت صرف زائر کے ساتھ مخصوص نہیں:

علمائے کرام نے بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس شخص کے سلام کا جواب چاہیں ارشاد فرمائیں اس میں دور و نزدیک کی کوئی قید نہیں ہے اگرچہ زائرین کے لئے خصوصی

شرف موجود ہے لیکن جواب ہر شخص کو عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''علماء اختلاف کردہ اند کہ ایں فضیلت عظمیٰ عام است مر ہر کسے را بشرف تسلیم بر سید کائنات علیہ افضل التسلیمات مشرف است خواہ زائر قبر شریف بود یا غائب از آنحضرت کبری در ہر مکان کہ باشد فظاہر عموم است.......بر تقدیر مدعا است کہ حیات است۔

علماء نے اختلاف کیا ہے کہ یہ (سلام کا جواب دینے کی) فضیلت ہر شخص کے لئے عام ہے جو بھی سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجنے کے شرف سے مشرف ہو خواہ زائر ہو یا پھر اس بارگاہ کبریٰ سے غائب۔ یا جہاں کہیں بھی ہو اور ظاہر حدیث عموم پر دلالت کرتی ہے۔ بہر حال مفید مدعا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات ہیں۔ (جذب القلوب ص ۱۸۱)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وظاهره الاطلاق الشامل لكل مكان و زمان و من خص الرد بوقت الزيارة فعليه البيان .

(شرح الشفاء لعلی القاری ۳:۴۹۹ فی تخصیصہ علیہ الصلوۃ والسلام بتبلیغ صلاۃ من صلی علیہ)

اور ظاہر اطلاق ہر زمان ومکان (قریب وبعید) کو شامل اور جس کو زیارت کے ساتھ خاص کیا اس کے لئے دلیل ضروری ہے (جو کہ ہے نہیں)

حضرت امام شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں:

و ما قيل ان رده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مختص بسلام زائره مردود لعموم الحديث فدعوى التخصيص تحتاج الدليل و يرده ايضاً الخبر الصحيح ما من احد يمر بقبر اخيه المومن كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الاعرفه ورد عليه السلام فلوا اختص رده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لزائره لم يكن له خصوصية به لما علمت ان غيره يشاركه فى ذلك.

(نسیم الریاض شرح الشفا للخفاجی ۳:۵۰۰ باب فی تخصیصہ علیہ الصلوۃ والسلام بتبلیغ صلاۃ من صلی علیہ)

اور جو کہا گیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب دینا صرف زائر کے ساتھ مختص ہے یہ قول مردود ہے کیونکہ حدیث میں عموم پایا جاتا ہے اور اس کی تخصیص دلیل کی محتاج ہے اور اس کو خبر صحیح بھی رد کرتی ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر پر گزرے اور وہ دنیا میں اس کو جانتا ہو تو وہ اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کو جواب دیتا ہے۔ تو اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی صرف زائر کو جواب دیں تو یہ آپ کی خصوصیت نہ ہوئی اس میں تو دوسرے لوگ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہیں۔

حضرت امام ابو الیمن ابن عساکر فرماتے ہیں:

واذا جاز رده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على من يسلم عليه من جميع الآفاق من امته بعد مسافة. (الجوہر المنظم لابن حجر مکی ۲۲)

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زائرین کو سلام کا جواب دینا جائز ہے تو اسی طرح جمیع آفاق واطراف سے جہاں سے بھی کوئی سلام کہے آپ کا جواب دینا جائز ہے چاہے وہ شخص کتنی ہی دور کی مسافت پر ہو۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر دور ونزدیک کے سلام کہنے والے کو جواب دیتے ہیں اور یہ تبھی متحقق ہو سکتا ہے جب آپ سب کے سلاموں کو سماعت فرمائیں۔ اور یقیناً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے امتیوں کے سلام سنتے بھی ہیں اور ان کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں تو کتنے خوش قسمت اور عالی نصیب لوگ ہیں جنہوں نے اپنا وظیفہ وطیرہ ہی الصلاة والسلام عليك يا رسول الله! بنایا ہوا ہے۔

یہ تو طے شدہ بات ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ آدمی سلام کرے جواب بھی انہیں الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بہتر الفاظ کے ساتھ۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو السلام عليكم کہتا ہے تو دوسرا بھی اس کے جواب میں عليكم السلام ہی کہے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس طرح کہے کہ السلام على فلان دوسرا بھی السلام على فلان ہی کہے گا۔ جب سنّی عاشق لوگ

حاضر کے صیغہ کے ساتھ السلام علیک یا رسول الله! عرض کرتے ہیں تو یقیناً پیارے آقا مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علیک السلام یا فلاں نام لے کر جواب دیتے ہیں تو وہ لوگ کتنے خوش بخت ہوئے جن کو اس طرح جواب سلام عطا ہو۔

اور کتنے بد بخت وہ لوگ ہیں جو خود تو اس عظیم نعمت سے محروم ہیں ہی دوسروں کو بھی دن رات روکنے اور ٹوکنے کی مذموم کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں ایسے بدعقیدہ لوگوں کے شر سے بچائے۔

اعتراضات:

بعض لوگوں نے اس صحیح حدیث پر بھی اعتراض کر کے اپنی قبر کی طرح صفحات سیاہ کئے ہیں۔ آیئے ان لوگوں کے اعتراضات ملاحظہ کریں۔ اور پھر ان کے جوابات۔

مولوی شیر محمد مماتی نے لکھا ہے:

حضرت علامہ سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ العالی نے ندائے حق جزء ثانی از جلد اول ۱۳۲ تا ۱۳۳ پر اسی حدیث کے دو راویوں ابو صخر حمید بن زیاد اور یزید بن عبداللہ بن قسیط پر مفصل جرح کردی ہے۔ (آئینہ تسکین الصدور ۶۲)

تو قارئین کرام! آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ واقعی اس حدیث شریف کے یہ دونوں راوی مجروح ہیں اور ان کی وجہ سے یہ حدیث واقعی ضعیف ہے؟

ابو صخر حمید بن زیاد

اس کے بارے میں حضرت امام جمال الدین مزی نقل فرماتے ہیں: قال عبدالله بن احمد بن حنبل : سئل ابی عن ابی صخر فقال لیس به بأس و قال عثمان بن سعید الدارمی سألت یحیی بن معین عن حمید الخراط : فقال ثقة لیس به بأس. (تہذیب الکمال ۵:۲۴۳)

امام احمد نے فرمایا کہ لیس به باس ہے۔ امام یحیی بن معین نے فرمایا کہ یہ ثقہ اور لیس به بأس ہے۔

امام ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی فرماتے ہیں: روی عنه حیوة احادیث و هو عندی صالح الحدیث و انما نکرت علیه هذین الحدیثین (المومن الموالف) و فی القدریة اللذین ذکر تهما و سائر حدیثه أرجو ان یکون مستقیما.

(الکامل لابن عدی ۲:۶۸۵)

اس سے حیوۃ نے احادیث روایت کی ہیں۔ وہ میرے نزدیک صالح الحدیث ہے اور اس کی صرف احادیث (المومن الموالف اور قدریہ کے بارے میں) کا انکار کیا گیا ہے جن دونوں کا ذکر میں نے کر دیا ہے اور بقیہ تمام احادیث میں میرے خیال میں یہ مستقیم الحدیث ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

هو حمید بن زیاد مدنی ولکن کذا یقال ، وهو ثقة.

(سوالات البرقانی للدارقطنی ص ۲۳)

کہ حمید بن زیاد ثقہ ہے۔

حضرت امام حافظ احمد بن عبداللہ بن صالح ابی الحسن عجلی فرماتے ہیں: حمید بن ابو صخر ثقة. (تاریخ الثقات للعجلی ۱۳۴)

کہ یہ ثقہ ہے۔

امام ابن شاہین فرماتے ہیں:

حمید بن زیاد ابو صخر لیس به بأس قال احمد و قال یحیی بن معین.

(تاریخ اسماء الثقات ممن نقل عنہم العلم لابن شاہین ۱۰۵)

کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام احمد اور امام یحیی بن معین نے فرمایا۔

امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں بیان فرمایا۔

(کتاب الثقات لابن حبان ۶:۱۸۸)

امام عثمان بن سعید الدارمی امام یحیی بن معین سے نقل فرماتے ہیں: و سألته عن حمید بن زیاد الخراط؟ فقال : لیس به بأس. (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی ۹۵)

کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ اور ثبت ہے۔ اس پر امام احمد یحیی بن معین اور امام نسائی سے جرح نقل کی گئی ہے۔

لیکن ساتھ ساتھ امام احمد و یحیی بن معین سے توثیق کے کلمات بھی مروی ہیں۔ لہٰذا یہ جرح مرجوح ہوگی یا پھر ان کی جرح و تعدیل میں توقف کیا جائے گا اب باقی صرف امام نسائی کی جرح رہ جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں: **حميد بن صخر ليس بقوى.**

(کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی ص ۲۸۸)

لیکن چونکہ یہ جرح مبہم ہے اس لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے معدلین بہت سارے محدثین ہیں جن میں سے کچھ کے حوالے گذر چکے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ یہ راوی ثقہ اور ثبت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

یزید بن عبداللہ بن قسیط

اس راوی پر دو طرح کے اعتراضات ہیں: ایک یہ کہ یہ راوی ضعیف ہے۔ (آئینہ، تسکین الصدور ۴۵۸، از شیر محمد مماتی، توحید خالص از مسعود عثمانی ۲: ۱۹)

ہم کہتے ہیں کہ یہ راوی بھی ثقہ ہے اور اس پر جو جرح نقل کی گئی وہ مرجوح ہے۔ کیونکہ ایک تو معدلین کے جم غفر کے خلاف صرف ابن ابی حاتم کی جرح ہے اور وہ بھی بہت ہی ہلکے درجے کی ہے اور ہے بھی جرح مبہم۔ ملاحظہ فرمائیں اس راوی کے بارے میں محدثین کی آراء:

حضرت امام ابن شاہین فرماتے ہیں: **يزيد بن عبدالله قسيط ثقة.**

(تاریخ اسماء الثقات ممن نقل عنہم العلم ص ۳۴۸)

کہ یہ ثقہ ہے۔

امام عثمان بن سعید الدارمی امام یحیی بن معین سے نقل فرماتے ہیں: **سألته عن يزيد بن عبداله بن قسيط ما حاله ، فقال صالح.** (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی ص ۲۳۰)

میں نے امام یحیی سے یزید کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ تو فرمایا صالح ہے۔

امام جمال الدین مزی نقل فرماتے ہیں:

قال اسحق بن منصور عن يحيى بن معين: صالح، ليس به بأس و قال النسائي ثقة وذكره ابن حبان في كتاب الثقات و قال ابو احمد بن عدى مشهور عندهم بالروايات . و قد روى عنه مالك غير حديث و هو صالح الروايات و قال ابراهيم بن سعد عن محمد بن اسحق حدثني يزيد بن عبد الله بن قسيط و كان فقيها ثقة وكان ممن يستعان به على الاعمال لا مانته و فقهه زاد ابن سعد بالمدينة و كان ثقه، كثير الحديث. (تہذیب الکمال للمزی ۲۰: ۳۳۹)

امام یحیی بن معین نے فرمایا کہ یہ صالح ہے اور اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔ امام نسائی نے اس کو ثقہ فرمایا۔ امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ امام ابن عدی نے فرمایا کہ یہ روایات میں محدثین کے نزدیک مشہور ہے اور امام مالک نے اس سے کئی احادیث لی ہیں اور وہ صالح الروایات ہیں۔ امام ابراہیم بن سعد نے فرمایا مجھے خبر دی یزید بن قسیط نے جو کہ فقیہ اور ثقہ تھا کہ اس کے ساتھ اعمال خیر اور فقہ میں مدد حاصل کی جاتی ہے۔ امام ابن سعد نے اتنا زیادہ کیا کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہے۔

امام مزی نے اس راوی کے بارے میں کوئی ایک بھی جرح کا کلمہ نہیں فرمایا۔

امام ذہبی نے فرمایا: **و ثقه.** (الکاشف ۳: ۲۴)

کہ اس کی توثیق کی گئی ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ راوی زبردست ثقہ ہے اور مماتیوں نے اپنے ضعیف ایمان کی وجہ سے اس کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب آیئے دیکھیں کہ جارحین نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے لکھا ہے:

''ابن حبان کہتے ہیں: **ربما اخطا** (کبھی کبھی خطا کرتا ہے) امام مالک کہتے ہیں لیس ہناک یعنی قوی نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳۴۲، ۳۴۳ جلد ۱۱)

ابن حبان ایک جگہ لکھتے ہیں: **کان ردی الحفظ.** ردی (خراب) حافظہ کا مالک تھا۔

امام رازی لکھتے ہیں میرے باپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: لیس بقوی. (توحید خالص ۲:۱۹)

مضبوط نہیں ہے۔

افسوس کہ یہ جاہل شخص ایک نئے فرقے کا بانی ہے اصول جرح وتعدیل سے بالکل ہی ناواقف و جاہل تھا۔ اور ثقہ راوی کو جرح مبہم کے ساتھ مجروح و نا قابل اعتماد ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کر رہا ہے۔

اس میں جہاں تک امام مالک کی جرح کا تعلق ہے تو یہ جرح نہیں بلکہ تعدیل ہے جیسا کہ

علامہ ابن عبد البر نے فرمایا: **و یزید قد احتج بہ مالک فی مواضع من المؤطا و ھو ثقہ من الثقات.** (تہذیب التہذیب ۱۱:۳۴۳)

یزید سے امام مالک نے مؤطا میں کئی مقامات پر احتجاج کیا اور وہ ثقات راویوں میں سے ایک ثقہ راوی ہے۔

اور جہاں تک امام ابن حبان کی جرح کا تعلق ہے ابن حبان نے اس راوی کو اپنی کتاب ''الثقات'' ۵:۵۴۳ میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ ربما اخطأ کہ کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے جبکہ دوسری طرف جو کہ ابن الہادی نے نقل کیا ہے کہ یہ راوی ردی الحفظ ہے اور ابن الہادی نے یہی نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کو اہل مدینہ کے اجل تابعین میں ذکر کیا ہے۔ لہذا ابن حبان کے کلام میں تضاد ہے لہذا یہ ساقط الاعتبار ہے نہ اس کی جرح کی حیثیت ہے اور نہ ہی توثیق کی

کوئی حیثیت رہ جاتی ہے۔ باقی رہ گئی ابن ابی حاتم رازی کی جرح کہ یہ راوی لیس بقوی ہے تو یہ جرح غیر مفسر مبہم ہے لہذا اصول کے تحت یہ جرح مردود ہے۔

اور ویسے بھی یہ ایسی جرح ہے ہی نہیں کہ اس کی حدیث کو ضعیف قرار دے دیا جائے۔ جیسا کہ خود

ابن ابی حاتم نے بیان فرمایا کہ:

و اذا قالوا لیس بقوی بمنزلۃ الاولی فی کتابۃ حدیثہ الا انہ دونہ.

(الجرح والتعدیل ۲:۳۷ باب بیان درجات رواۃ الاثار)

اور جب کہتے ہیں کہ لیس بقوی ہے تو یہ بمنزلہ پہلی جرح کے ہے لیکن اس سے کمزور درجہ ہے۔

یعنی ایسے راوی کی حدیث لکھی جائے گی جیسا کہ امام سیوطی نے نقل فرمایا:

و قولھم لیس بقوی یکتب حدیثہ و ھو دون لین.

(تدریب الراوی ۱:۳۴۶)

یعنی علماء کا قول لیس بقوی اس کی حدیث لکھی جائے گی اور یہ کمزور سے دوسرا درجہ ہے۔

امام نووی نے اس عبارت کو کتاب ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق ۱: ۳۳۰ میں بیان فرمایا ہے، تو ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے اور اس کی روایت بھی صحیح ہے۔

دوسرا اعتراض:

ابن تیمیہ نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ یزید نے ابو ہریرہ کو نہیں پایا اور یزید بن عبد اللہ خود ضعیف ہے اور ابو ہریرہ سے اس کی روایت کے سماع میں نظر ہے۔ (آئینہ تسکین الصدرور)

جواب:

یہ ابن تیمیہ کا یا تو تعصب ہے یا پھر جہالت، کیونکہ اس کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرنے والے حضرات کے سامنے ابن تیمیہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی روایت کرنے والے حضرت امام بخاری، امام ابوداؤد وغیرہ ہیں۔ امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لی ہے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں: یروی عن ابن عمرو ابی ھریرۃ.

(کتاب الثقات ۵:۵۴۳)

امام ابن حاتم لکھتے ہیں: روی عن ابن عمرو ابی ھریرۃ و ابی رافع.

(الجرح والتعدیل ۹:۲۷۳)

جبکہ حضرت علامہ امام جمال الدین مزی امام ابن عسقلانی امام ذہبی تمام نے بیان فرمایا کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتا ہے۔

اور ویسے بھی امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ۱۲۲ھ میں فوت ہوا اور ابوحسان الزیادی نے کہا کہ اس نے ۹۰ رسال عمر پائی کذا فی تہذیب الکمال ۲۰:۳۳۹ تو اس لحاظ سے اس کی ولادت ۳۲ھ قرار پاتی ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۸ھ ہے تو درمیان میں ۲۶ رسال کا طویل عرصہ اور محدثین کے اصول کے مطابق امکان لقاء کا کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔

حدیث نمبر ۱۶:

و فی ھذا المعنی الحدیث الذی اخبرنا ابو القاسم علی بن الحسین بن علی الطھمانی ابو الحسن بن محمدالکارزی ثنا علی بن عبد العزیز ثنا بو نعیم ثنا سفیان عن عبد اللہ بن السائب عن زاذ ان عن عبد اللہ مسعود قال ، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ان للہ عز وجل ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو کہ زمین میں سیر کرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

تخریج حدیث:

۱۔ السنن (المجتبیٰ) للنسائی ۱:۱۸۹ باب التسلیم علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۔ مسند للامام احمد ۱:۲۸۷ عن ابن مسعود

۳۔ السنن الکبریٰ للنسائی ۱:۳۸۰ 〃 〃

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۲:۵۱۷ 〃

۵۔ مصنف عبدالرزاق ۲:۲۱۵ 〃

۶۔ الصحیح لابن حبان ۳:۳۸۰ ذکرالبیان بأن سلام المسلم علی المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۷۔ موارد الظمان للہیثمی ۵۹۵ حدیث نمبر (۲۳۰۳)

۸۔ مسند لابی یعلی الموصلی ۵:۱۰۴ بتعلیق اثری

۹۔ مستدرک للامام حاکم ۲:۴۲۱ وقال صحیح الاسناد، کتاب التفسیر۔

۱۰۔ کتاب الصلوۃ علی النبی ابن ابی عاصم ص ۲۹ برقم ۲۸ ۲:۴۲۱ وقال صحیح الاسناد کتاب التفسیر۔ باب فضائل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۱۔ فضل الصلاۃ علی النبی للقاضی اسماعیل ص ۱۱ حدیث نمبر ۲۱

۱۲۔ اخبار اصبہان لابی نعیم ۲:۲۰۵

۱۳۔ حلیۃ الاولیاء 〃 ۴:۲۰۱، ۸:۱۳۰

۱۴۔ تہذیب تاریخ دمشق امام ابن عساکر ۴:۱۶۵، ۲:۲۵۶، ۲:۴۴۶

۱۵۔ مسند امام عبداللہ بن مبارک ۳۰

۱۶۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰:۲۷۰

۱۷۔ السنن للامام الدارمی ۲:۲۲۵

۱۸۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ امام تاج الدین السبکی ۱:۱۶۱ طبع جدید

نمبر	کتاب	مصنف	حوالہ	باب
۱۹۔	شرح السنۃ	للامام بغوی	۱۹۷:۳	
۲۰۔	تفسیر القرآن	؍ ؍	۵۴۳:۳	
۲۱۔	تاریخ بغداد	خطیب بغدادی	۱۰۴:۹	
۲۲۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۳۶۴	الجزء الثامن باب ذکر اللہ عز وجل
۲۳۔	کتاب العظمۃ	ابوالشیخ	۹۹۱:۳	ذکر خلق جبریل علیہ السلام روح الامین
۲۴۔	شعب الایمان	للامام بیہقی	۲۱۸:۲	باب فی تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجلالہ وتوقیر
۲۵۔	عمل الیوم واللیلۃ	للامام نسائی	۱۶۷	باب فضل السلام علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
۲۶۔	رسائل القشیریہ	للامام قشیری	۱۲	
۲۷۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	للہیثمی	۳۹۷:۱	باب ماتحصیل لامتہ فی حیاتہ و بعدمماتہ
۲۸۔	الدعوات الکبیر		۱۲۰:۱ حدیث نمبر ۱۵۹	
۲۹۔	کتاب العاقبۃ	للعبدالحق الاشبیلی	۱۱۹	
۳۰۔	الوفا	لابن الجوزی	۸۱۰	
۳۱۔	شفاء السقام	تقی الدین السبکی	۱۸۲	
۳۲۔	الارشاد	للخلیلی	۱۱۶	

یہ حدیث بھی الحمد للہ صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقی زندگی پر زبردست دلیل ہے۔مختلف حضرات محدثین کرام نے اس کو صحیح فرمایا ہے جیسا کہ

حضرت ملاعلی قاری نے فرمایا:

و فیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ وفرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ وایماء الی قبول السلام .

(مرقات شرح مشکوۃ ۲:۳۴۱ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفضلہا الفصل الثانی)

اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دائمی حیات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سلام کے پہنچنے سے خوشی اور آپ کا اس سلام کو قبول کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت علامہ عزیزی فرماتے ہیں: حدیث صحیح.

(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ۲:۱۱۱) یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت امام عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

قال الحاکم صحیح واقرہ الذھبی . قال الحافظ العراقی الحدیث متفق علیہ دون قولہ سیاحین. (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۲:۴۷۹)

امام حاکم نے فرمایا کہ صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی امام حافظ عراقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے سوائے کلمہ سیاحین کے۔

حضرت امام الحافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی فرماتے ہیں: رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیح. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۹:۲۴)

امام بزار نے اس کو صحیح کے راویوں سے روایت کیا ہے۔

حضرت نورالدین علی بن احمد سمہودی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

وروی البزار برجال الصحیح. (وفاء الوفا ۴:۱۳۵۳)

اس کو امام بزار نے صحیح وثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔

حضرت امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

رواہ النسائی و اسماعیل القاضی وغیرھما من طرق مختلفۃ باسانید صحیحۃ لاریب فیھا. (شفاء السقام ۴۵، باب فی علم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمن یسلم علیہ)

امام نسائی اور امام قاضی وغیرہ نے اس کو مختلف اسناد صحیحہ کے ساتھ روایت کیا اور ان کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے:

وھذا اسناد صحیح. (جلاء الافہام ۲۳ طبع نوریہ رضویہ) اور یہ سند صحیح ہے۔

حضرت شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ونسائی باسناد صحیح از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ۱۸۱ مطبوعہ نول کشور ۱۸۶۹ء)

اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت امام احمد شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں:

رواہ احمد والنسائی والبیھقی والدارمی و ابن حبان و ابو نعیم الخلعی بسند صحیح.

(نسیم الریاض شرح الشفاء ۴: ۵۰۰ فصل تخصیصہ علیہ الصلاۃ والسلام وتبلیغ صلاۃ من صلی علیہ وسلم من الانام)

امام احمد، نسائی، دارمی، ابن حبان، ابونعیم اور خلعی نے اس کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت امام مجد الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷) فرماتے ہیں:

رواہ النسائی فی الیوم واللیلۃ وابوحاتم البستی والامام احمد واسماعیل القاضی باسانید صحیحۃ. (الصلات البشر ۱۰۸)

امام نسائی، امام ابوحاتم البستی، امام احمد اور قاضی اسماعیل نے اس کو باسانید صحیح روایت کیا ہے۔

علامہ عبدالہادی شاگرد ابن تیمیہ نے لکھا:

و شعبہ عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن ابن مسعود و ھو

الصحیح. (الصارم المنکی ۲۶۶)

امام شعبہ نے عبداللہ بن سائب سے، انہوں نے زاذان سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور یہ روایت صحیح ہے۔

حضرت علامہ محمد الخانجی البوسنوی شارح کتاب ہذا فرماتے ہیں:

حدیث ابن مسعود اخرجہ النسائی واحمد والحاکم و صححہ والدارمی والبیھقی فی شعب والبزار و ابن حبان فی صحیحۃ فقال الخفاجی اسناد صحیح. (شرح حیاۃ الانبیاء ۱۶)

یہ حدیث شریف بھی الحمدللہ سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے اور واضح کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر منورہ میں زندہ ہیں مومنین کے درود وسلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر آپ معاذ اللہ زندہ نہ ہوتے تو درود وسلام کا فرشتوں کے ذریعہ لے جانا محض بے کار ثابت ہوگا اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری ذات (یبلغونی) کو فرشتے سلام پہنچاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی ذات مقدس روح اور جسم کے مجموعے کا نام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: یبلغو روحی کہ وہ میری روح کو سلام پہنچاتے ہیں۔ یا اگر جسم پر پیش کرتے ہیں تو آپ ارشاد فرماتے کہ صرف میرے جسم کو سلام پہنچاتے ہیں مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اپنی ذات اقدس کا تذکرہ فرمایا ہے جو کہ روح اور جسم کا مرکب ہے۔

اعتراضات اور ان کا رد:

اس روایت پر بھی شان رسالت کے بعض منکرین نے چند بے سروپا اعتراضات کئے ہیں۔ ہماری نظر میں پہلا اعتراض کہ اس کے راویوں میں ایک راوی سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں اور وہ یہ روایت 'عن' کے ساتھ کر رہے ہیں لہذا یہ روایت ضعیف اور مردود ہے۔

(آئینہ تسکین الصدور ۹۲، از شیر محمد ممتای دیوبندی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدلس راوی کا عنعنہ مردود ہوتا ہے لیکن معترض نے کما حقہ تتبع

نہیں کیا اور یہ فعل اہل علم کے نزدیک جہالت ہے۔ کیونکہ اس روایت میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحدیث کی صراحت کی ہے جیسا کہ حضرت امام اسماعیل بن اسحاق القاضی نے صراحت فرمائی ہے۔

حدثنا مسدد قال یحیی عن سفیان حدثنی عبد الله بن السائب.

(فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ۱۱)

اورحضرت تقی الدین سبکی نے اسی طرف اشارہ کیا:

و صرح الثوری بالسماع فقال حدثنی عبد الله بن السائب هكذا فی كتاب القاضی اسماعیل ، و عبد الله بن السائب و زاذان روی لهما مسلم و ثقهما ابن معین فالاسناد صحیح. (شفاء السقام ۴۵)

امام سفیان ثوری نے سماع کی صراحت فرمائی ہے اور **حدثنی عبد الله بن السائب** کہا ہے جیسا کہ کتاب فضل الصلاۃ علی النبی میں ہے اور عبداللہ بن السائب اور زاذان سے امام مسلم نے روایت لی ہے اور امام ابن معین نے ان دونوں کو ثقہ کہا ہے پس یہ سند صحیح ہے۔

تو اس عبارت سے ثابت ہوا کہ یہ اعتراض بالکل غلط اور عدم تتبع کا نتیجہ ہے بلکہ سراسر جہالت وحماقت ہے۔

دوسرا بڑا اعتراض جو اس حدیث شریف پر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اس کا ایک راوی زاذان ضعیف ہے۔ (ملاحظہ ہو توحید خالص ص ۱۱۷ از مسعود الدین عثمانی و آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۷ از شیر محمد دیوبندی مماتی)

یہ ٹھیک ہے کہ بعض محدثین نے اس راوی پر جرح کی ہے لیکن وہ ایسی جرح نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے یہ راوی متروک اور بالکل ضعیف گردانا جائے بلکہ اکثر جرحیں تو مبہم ہیں جو کہ مرجوح ہیں جبکہ اس کے معدلین جارحین سے زیادہ ثقہ اور معتبر ہیں۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: **ثقه.** (الکاشف ۱: ۲۴۶)

امام عجلی فرماتے ہیں: **ثقه.** (تاریخ ثقات ص ۱۶۳)

ثقہ ہے۔

امام ابن عدی فرماتے ہیں: **و احادیثه لابأس بها اذا روی عنه ثقة: و انما رماه من رماه بكثرة كلامه.** (الکامل ۳: ۱۰۹۱)

اس کی احادیث میں کوئی حرج نہیں (صحیح ہیں) جب اس سے راوی ثقہ ہو اور اس میں صرف اس کے کثرت کلام کی وجہ سے کلام کیا ہے۔

اور امام یحیی بن معین نے فرمایا: **ثقة لا تسئل عن مثل هولاء.**

(تہذیب الکمال ۲۵۲)

یہ ایسا ثقہ ہے کہ اس جیسوں کے بارے میں سوال ہی نہ کرو۔

امام ابن سعد نے کہا کہ: **كان ثقة كثير الحديث** ثقہ اور کثیر الحدیث ہے۔

(تہذیب التہذیب ۳: ۳۰۳)

امام خطیب بغدادی نے فرمایا کہ ثقہ ہے۔ (تاریخ بغداد ۸: ۴۸۷)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے:

وزاذان من الثقات ، روی عن اكابر الصحابة كعمر وغيره و روی له مسلم فی صحيحه قال يحيی بن معين: ثقه . وقال حميد بن هلال و قد سئل عنه : هو ثقة لا تسأل عن مثل هولاء. (کتاب الروح ص ۸۰ المسألۃ السادسۃ)

زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے۔ یہ بڑے بڑے صحابہ کرام جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ اس سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔ امام یحیی بن معین نے فرمایا ثقہ ہے۔ حمید بن بلال نے کہا ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسوں کے بارے میں سوال نہ کر۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کو امام حاکم نے: **لیس بالمتین** کہا ہے اور جرح مفسر ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اگر یہ جرح مفسر ہے تو غیر مقلدین کیا فرمائیں گے اس مسئلہ میں کہ فاتحہ خلف

الامام کے بارے میں وہابیہ کی مؤید حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مسلم شریف میں :من صلی صلاۃ فلم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج خداج خداج غیر تمام. میں راوی علاء بن عبدالرحمٰن پر بھی یہی جرح ہے تو کیا وہ اس حدیث کو چھوڑنے پر راضی ہوں گے؟

اور اسی طرح فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں مرکزی راوی مکحول شامی پر بھی یہ جرح ہے تو کیا وہ بھی مردود ہوگا؟

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے یہ جرح نقل کی ہے۔

”سلمہ بن کہیل نے کہا ابوالبختری کو میں اس سے اچھا سمجھتا ہوں۔“

(توحید خالص دوسری قسط ص ۱۵)

عثمانی نے اس سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زاذان ضعیف راوی ہے۔ حالانکہ یہ جرح تو ہے ہی نہیں کیونکہ ابوالبختری سعید بن فیروز الطائی ثقہ اور ثبت راوی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:” (تہذیب الکمال ۷:۲۷۹)

حدیث نمبر ۱۷:

و اخبرنا ابو الحسین بن بشران و ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ الحرقی قالا انبأ حمزۃ بن محمد بن العباس ثنا احمد بن الولید ثنا ابو احمد الزبیری ثنا اسرائیل عنابی یحیی عن مجاھد عن ابن عباس قال لیس احدمن امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی علیہ صلاۃ الا وھی تبلغہ ، یقول لہ الملک فلان یصلی علیک کذا وکذا صلاۃ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا جو فرد بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ ایک فرشتہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ فلاں آدمی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس طرح درود شریف پڑھتا ہے۔

تخریج حدیث:

مسند اسحاق بن راہویہ لا امام اسحاق بن راہویہ بحوالہ القول البدیع للسخاوی، ۱۵۳ الباب الرابع

طبقات الشافعیۃ الکبری امام عبدالوہاب السبکی، ۱:۱۶۹

یہ روایت بظاہر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ ایسے الفاظ محض اجتہاد سے نہیں کہے جاسکتے اور یہ اصول ہے کہ جب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے الفاظ فرمائے جو اجتہادی نہ ہوں تو وہ روایت مرفوع شمار ہوگی۔

تو اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ انور کے پاس کھڑا رہتا ہے۔ جب بھی کوئی آدمی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس آدمی کا درود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

اس حدیث شریف کا ایک معروف شاہد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ہے۔

یا عمار ان اللہ تعالیٰ اعطی ملکا من الملائکۃ اسماع الخلائق کلھا فھو قائم عند قبری الی ان تقوم الساعۃ فلیس احد یصلی علی صلاۃ و فی روایۃ البزار. فلا یصلی علی احد الی یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہ واسم ابیہ. ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک.

اے عمار اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے تمام مخلوق کی بات سن لینے کی طاقت عطا فرمائی ہے قیامت تک وہ میری قبر منورہ پر کھڑا ہے جو کوئی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے یہ فرشتہ مجھ کو وہ درود پہنچا دیتا ہے۔ اور بزار کی روایت میں ہے کہ جو کوئی مجھ پر قیامت تک کے لئے درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس آدمی کا نام اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ (یہ عرض کرتے ہوئے) کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے مجھے پہنچا دیتا ہے۔

تخریج حدیث:

۱۔ مسندالبزار امام بزار ۴:۴۷ (کشف الاستار) باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۔ التاریخ الکبیر امام بخاری، ۶:۴۱۶

۳۔ الکامل امام ابن عدی، ۵:۱۷۴۷

۴۔ القندفی ذکر علماء سمرقند، امام عمر بن محمد النسفی، ۵۵۰

۵۔ الضعفاء الکبیر للامام عقیلی، ۳:۲۴۹

۶۔ کتاب العظمۃ امام ابوالشیخ الاصبہانی، ۲:۷۶۳، باب ذکر الملائکۃ المؤکلین فی السموٰت والارضین ص ۲۵ دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۴ء

۷۔ کتاب المعجم لابی سعید احمد ابن الاعرابی ۱:۲۶۰

۸۔ الترغیب والترہیب امام ابوالقاسم الاصبہانی قوام السنۃ، ۲:۳۱۹ (الترغیب فی الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۹۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ لتاج الدین السبکی، ۱:۱۶۹

۱۰۔ المعجم الکبیر امام طبرانی (بحوالہ القول البدیع ص ۱۱۲)

۱۱۔ تاریخ دمشق امام ابن عساکر " " "

۱۲۔ مسند امام حارث (بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث ۲:۹۶۳ برقم

۱۳۔ کتاب الصلوۃ ابن ابی عاصم ص ۴۳ برقم (۵۱)

۱۴۔ امالی لابن الجراح القول البدیع ص ۱۱۲ للامام سخاوی

۱۵۔ احکام ابوعلی الحسن بن نصر الطوسی " " "

۱۶۔ الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم، ۶:۲۹۶ باب الحاء

اور بعض روایات میں الفاظ زیادہ ہیں۔

یا احمد فلان بن فلان یصلی علیک یسمیہ باسمہ واسم ابیہ فیصلی

اللہ علیہ مکانہا عشراً.

فرشتہ عرض کرتا یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم فلاں بیٹا فلاں کا اس کا نام اور اس کے باپ کا نام لے کر کہتا ہے کہ اس نے آپ پر درود پڑھا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس شخص پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (کتاب المعجم لابن الاعرابی ۱:۲۰۶)

۱۷۔ اور بعض روایات میں عشرا کی جگہ یہ الفاظ ہیں:

ان اللہ یصلی علی ذلک العبد عشر ین بکل صلاۃ. (عقیلی ۳:۲۴۹)

کہ اس بندہ پر اللہ تعالیٰ ہر درود شریف کے بدلے بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

تو اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایک فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کی آوازیں سننے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ جب ایک فرشتہ مدینہ شریف میں روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کھڑا ہو کر ساری کائنات کی آوازیں سن سکتا ہے اور یہ شرک نہیں تو پھر پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سماعت کے بارے میں شک کرنا اور اس کو شرک کہنا کہاں کی مسلمانی ہے۔

حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای قوۃ یقتدر بہا علی سماع ما ینطق بہ کل مخلوق من انس و جن و غیرھما. (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۲:۴۸۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ انسان اور جن اور اس کے سوا تمام مخلوق الٰہی کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اس کو سنتا ہے۔

حضرت علامہ العزیزی تحریر فرماتے ہیں: فی ای موضع کان.

یعنی چاہے وہ آواز کہیں کی بھی ہو۔ (دور ونزدیک کسی جگہ کی قید نہیں ہے)

امام العزیزی ہی فرماتے ہیں: قال الشیخ حدیث حسن.

کہ یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت علامہ زرقانی مالکی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای قوۃ یقتدر بھا علی سماع ما ینطق بہ کل مخلوق من انس و جن وغیرھما. (زرقانی شرح المواہب۵:۳۳۶)

یعنی اس کواتنی قوت دی گئی ہے کہ وہ کائنات کی جملہ مخلوق کے جو منہ سے نکلتا ہے جن و انس وغیرہما سے وہ اسے سننے کی قدرت رکھتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے تحریر کیا ہے:

و قد صح عنہ ان اللہ و کل بقبرہ ملائکۃ یبلغون عن امتہ السلام.

(کتاب الروح ۳۷ المسألۃ السادسۃ اعادۃ الروح للمیت فی القبر)

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر پر فرشتے موکل فرمائے ہیں جو کہ آپ کی امت کا سلام آپ کو پہنچاتے ہیں۔

تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دور ونزدیک سے سننا اور ہر مخلوق کی آواز سننا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی عطا اور مہربانی کے ساتھ اسکی مخلوق میں سے جسے وہ چاہے یہ طاقت عنایت فرمادے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء.**

تو یہاں سے ان لوگوں کی جہالت بھی آشکار ہوتی ہے کہ جو فوراً ایسے معاملات پر شرک کا فتوی جڑ کر خود گمراہی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

یہ قوت سماعت ایک ایسے فرشتے کی ہے جو کہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام اور امتی ہے جب یہ امتی کا حال ہے آقا کا کیا حال ہوگا؟

چاہیں تو اشاروں سے اپنے کایا ہی پلٹ دیں دنیا کی
یہ تو شان ہے خدمت گاروں کی سردار کا عالم کیا ہوگا

اس مبارک فرشتے جو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر مؤکل ہے کے نام کے بارے میں بعض کتابوں میں ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

الملک المؤکل بقبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذی اعطی اسماع الخلائق و قیل اسماؤھم اسمہ مطروس.

(الکنز المدفون المشحون للسیوطی ۳۶۶)

وہ فرشتہ جو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر موکل ہے جس کو تمام مخلوق کی آواز سننے کی طاقت عنایت فرمائی گئی ہے کہا گیا ہے کہ فرشتوں کے نام ہیں اور اس موکل فرشتہ کا نام مطروس (علیہ السلام) ہے۔

جبکہ اس کے برعکس حضرت علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور حضرت علامہ شمس الدین سخاوی نے ابن بشکوال کے حوالہ سے اس مبارک فرشتہ کا نام ''منطر وس'' نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: الصلات والبشر ۱۰۳ اور القول البدیع ۱۱۶۔

ممکن ہے کہ علامہ سیوطی کی کتاب میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے میم کے بعد نون چھوٹ گیا ہو یا اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اعتراض:

اس حدیث شریف پر ایک تو اعتراض یہ کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت علامہ امام ذہبی نے کیا ہے: **تفرد بہ اسماعیل بن ابراھیم اسنادا ومتنا.** (میزان الاعتدال ۱:۲۱۳)

کہ اس روایت میں نعیم بن ضمضم سے اسماعیل بن ابراہیم روایت کرنے میں متفرد ہے۔ (اور وہ ہے بھی ضعیف)

جواب:

حیرت ہے کہ امام ذہبی جیسا متبحر عالم دین فرما رہا ہے کہ اس حدیث میں اسماعیل بن ابراہیم متفرد ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے متابع امام بزار کی سند میں:

ابواحمد اور امام سفیان بن عینیہ ہیں۔

اور ابن الاعرابی کی سند میں اس کا متابع ابوخالد القرشی یعنی عبد العزیز بن ابان ہے

اور امام عقیلی کی سند میں اس کا متابع علی بن القاسم کنزی ہے۔

اور امام ابوالشیخ ابن حبان کی سند میں اس کا متابع قبیصہ بن عقبہ ہے۔

جب اس کے اتنے متابع موجود ہیں تو پھر یہ اعتراض بالکل بے کار ہے کہ اس میں اسماعیل بن ابراہیم متفرد ہے۔

دوسرا اعتراض:

اس روایت کی سند میں نعیم بن ضمضم ہے جس کے بارے میں امام ذہبی نے لکھا ہے:

ضعفه بعضهم. (میزان الاعتدال ۴:۲۷۰)

اس کو بعض نے ضعیف کہا ہے۔

جواب: سوال یہ ہے کہ وہ بعض کون ہیں کہ جنہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے جب تک جارح کا پتہ نہ ہو جرح بیکار ہے۔

حضرت امام علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: وما عرفت الی الآن من ضعفه.

(لسان المیزان ۶:۱۶۹)

میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ اس کو ضعیف کہنے والا کون ہے۔

تیسرا اعتراض:

اس روایت میں عمران بن حمیری ہے جس کے بارے میں امام منذری فرماتے ہیں: لا یعرف. (الترغیب والترہیب ۲:۵۰۰)

یعنی یہ مجہول ہے کون ہے پتہ نہیں ہے۔

جواب:

یہ راوی مجہول نہیں بلکہ ثقہ ہے جیسا کہ امام سخاوی فرماتے ہیں: بل هو معروف.

(القول البدیع ۱۱۲)

یعنی یہ مجہول نہیں بلکہ معروف ہے۔

امام ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ملاحظہ فرمائیں: کتاب الثقات

۵:۲۲۳۔

مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری نے لکھا ہے: فان المحدثین قد اعتدوا بثقات ابن حبان و صرحوا بانه یرتفع الجهالة عمن قیل انه مجهول بتوثیقه.

(ابکار المنن فی تقیید آثار السنن ص ۱۳۹ باب فی القرأۃ خلف الامام)

بیشک محدثین نے ابن حبان کی ثقات پر اعتماد کیا ہے اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ ابن حبان کا کتاب الثقات میں ذکر کرنا راوی کو جہالت سے نکال دیتا ہے (یعنی اس راوی سے جہالت اٹھ جاتی ہے)

اور پھر اس حدیث کے شواہد بھی موجود ہیں لہذا یہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن یا صحیح حدیث ہے:

شاہد نمبر ۱:

قال الدیلمی انباء ناوالدی انبأنا ابوالفضل الکرابیسی انبأنا ابو العباس بن ترکان حدثنا موسیٰ بن سعید حدثنا احمد بن حماد بن سفیان حدثنی محمد بن عبد الله بن صالح المروزی، حدثنا بکر بن خراش عن قطر بن خلیفة عن ابی الطفیل عن ابی بکر الصدیق قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اکثروا الصلاة علی فان الله و کل بی ملکا عند قبری فاذا صلی علی رجل من امتی قال لی ذلک الملک یا محمد ان فلان بن فلان صلی علیک الساعة.

(الدیلمی مسند الفردوس بحوالہ کنز العمال ۱:۴۱۴، زرقانی ۵:۳۳۵، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ۱:۲۸۴، کتاب المناقب)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر فرمایا ہے پس جب میری امت میں سے کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں نے اس گھڑی آپ پر درود پڑھا ہے۔

شاہد نمبر۲:

عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من صلی علی صلاۃ صلی اللہ علیہ عشرا بھا ملک موکل حتی یبلغنیھا.

(المعجم الکبیر للطبرانی ۸ برقم ۷۶۱۱، القول البدیع ۱۱۳، جلا الافہام ۴۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اور ایک فرشتہ مقرر ہے جو کہ مجھے وہ درود شریف پہنچا دیتا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ حدیث شریف اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۱۸:

اخبرنا علی بن محمد بن بشران أنبأ ابو جعفر الرازی ثنا عیسی بن عبد اللہ الطیالسی ثنا العلاء بن عمر والحنفی ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیاً ابلغتہ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھا میں اس کو خود سنتا ہوں اور جس نے قبر سے دور پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

ابو عبد الرحمن ھذا ھو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیہ نظر و قد مضی ما یوکدہ.

ابوعبدالرحمٰن وہ محمد بن مروان سدی ہے میرے نزدیک اس میں نظر ہے۔ (ضعیف ہے) مگر اس حدیث کی تائید گذشتہ احادیث سے ہوتی ہے۔

تخریج حدیث:

الترغیب والترہیب للامام ابی القاسم الاصبہانی ،۲:۳۱۷ باب الترغیب فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

طبقات الشافعیۃ الکبری للامام تاج الدین السبکی ،۱:۸۷

شعب الایمان للامام بیہقی ،۲:۲۱۸ باب فی تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلالہ و توقیرہ۔

رسائل القشیر یہ للامام ابی القاسم القشیری ،۱۷

تاریخ بغداد امام ابوبکر الخطیب البغدادی ۳:۲۹۲

اس روایت سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریب سے پڑھنے والے کا درود شریف تو خود بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں لیکن دور سے خود نہیں سنتے بلکہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ اور اگر آپ خود سماعت فرماتے ہوتے تو یہ نہ فرماتے کہ جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

تو پہلے نمبر پر تو یہ کہ یہ حدیث موضوع ہے لہٰذا اس کو صحیح روایات کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ہے۔ ابوعبدالرحمٰن محمد بن مروان السدی جو کہ نہایت ہی ضعیف بلکہ متہم بالکذب ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

ترکوہ و اتھمہ بعضھم قال البخاری: سکتوا عنہ و ھو مولی الخطابیین لا یکتب حدیثہ البتۃ و قال ابن معین لیس بثقۃ. وقال احمد: ادرکتہ قد کبر فترکتہ قال نصر بن مزاھم و ھو متھم و قال ابن عدی الضعف علی روایتہ بین. (میزان الاعتدال ۴:۳۳)

محدثین نے اسے ترک کر دیا اور بعض نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے، بخاری نے کہا "سکتوا عنہ" اور "مولی خطابیین" ہے۔ اس سے ہرگز حدیث نہیں لکھی جائے گی۔

ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔امام احمد نے فرمایا میں نے اس کو پایا کہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا میں نے اس کو ترک کر دیا۔نصر بن مزاہم نے اس کو متہم بالکذب کیا امام ابن عدی نے کہا کہ اس کی روایات پر ضعف ظاہر ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں: عن ابن نصیر یقول محمد بن مروان الکلبی کذاب لا اصل بمحفوظ و لایتابعه الا من هو دونه. (الضعفاء الکبیر۴:۱۳۶،۱۳۷)

ابن نصیر نے کہا کہ یہ کذاب ہے(امام عقیلی نے فرمایا) کہ اس کی اس حدیث کی جو کہ امام اعمش سے ہے کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ محفوظ نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی متابع ہے مگر وہ اس سے بھی گیا گزرا ہے۔

حضرت امام علامہ مزی فرماتے ہیں:

قال عبدالسلام بن عاصم عن جریر بن عبدالحمید: کذاب و قال عباس الدوری والغلابی عن یحیی بن معین لیس بثقة و قال محمد بن عبد الله بن نمیر لیس بشی: وقال یعقوب بن سفیان الفارسی: ضعیف غیر ثقة و قال صالح بن محمد البغدادی الحافظ کان ضعیفا و کان یضع الحدیث ایضا و قال ابو حاتم ذاهب الحدیث متروک الحدیث لایکتب حدیثه البتة و قال البخاری لایکتب حدیثه البتة و قال النسائی : متروک الحدیث و قال فی موضع آخر لیس بثقة و لا یکتب حدیثه. (تہذیب الکمال ۱۷:۲۰۷)

جریر بن عبدالحمید نے کہا کذاب ہے۔امام یحیی بن معین نے کہا ثقہ نہیں ہے (ضعیف ہے)۔محمد بن عبداللہ بن نمیر نے کہا: یہ لیس بشی (کچھ بھی نہیں) ہے۔یعقوب بن سفیان نے کہا ثقہ نہیں بلکہ ضعیف ہے۔صالح بن محمد البغد ادی نے کہا ضعیف ہے اور حدیث وضع بھی کرتا (گھڑ لیتا) تھا۔امام ابو حاتم نے کہا کہ یہ ذاہب الحدیث ہے۔متروک الحدیث ہے اس سے حدیث ہرگز نہ لکھی جائے۔امام بخاری نے کہا اس سے حدیث ہرگز نہ لکھی جائے۔امام نسائی نے فرمایا: متروک الحدیث ہے اور دوسری جگہ فرمایا یہ ثقہ نہیں۔اس سے حدیث نہ لکھی جائے گی۔

امام محمد بن حبان فرماتے ہیں:

کان ممن یروی الموضوعات عن الاثبات لا یحل کتابة حدیثه الاعلی جهة الاعتبار و لا الاحتجاج به بحال من الاحوال.

(کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین،۲:۲۸۶)

یہ ثقات راویوں سے موضوعات روایت کرتا ہے اس سے حدیث لکھنی جائز نہیں ہے مگر اعتبار کے طور پر جہاں تک اس سے احتجاج کا معاملہ ہے تو وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

و قال یحیی : لیس بثقة وقال مرة لیس بشیء و قال ابراهیم کذاب و قال السعدی: ذاهب و قال النسائی و ابو حاتم الرازی والازدی متروک الحدیث . قال الدار قطنی ضعیف.

(کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۳:۹۸)

یحیی بن معین نے کہا کہ ثقہ نہیں اور ایک جگہ فرمایا: لیس بشی ء، ابراہیم نے کہا کذاب ہے، سعدی نے کہا: ذاہب الحدیث ہے۔امام نسائی ابو حاتم رازی اور امام ازدی نے کہا متروک الحدیث، امام داقطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔

امام برہان حلبی فرماتے ہیں:

قال صالح بن محمد ضعیف یضع.

(الکشف الحثیث عن رمی بوضع الحدیث للحلبی ۲۴۷)

صالح بن محمد نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے اور احادیث وضع کرتا ہے۔

اور اسی طرح دیگر بے شمار محدثین نے اس راوی پر بڑی سخت جرحیں کی ہیں اور کسی ایک بھی معتبر محدث سے اس کی تعدیل مروی نہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس راوی کی یہ روایت نہ صرف ضعیف ہے بلکہ موضوع جیسا کہ

علامہ ابن ہادی نے کہا:

هـذا الـحـديـث مـوضـوع على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليس له اصل و لم يحدث به ابوهريرة و لا ابو صالح و لا الاعمش و محمد بن مروان السدى متهم بالكذب و الوضع. (الصارم المنکی، ۲۸۳)

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وضع کی گئی ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور نہ ہی اس کو حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا اور نہ ابو صالح نے اور نہ ہی اعمش نے اور محمد بن مروان السدی متہم بالکذب اور متہم بالوضع ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ راویت موضوع ہے۔اس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دور سے سننے کا انکار کرنا سراسر جہالت وحماقت ہے۔

دوسری علت:

اس روایت میں محمد بن مروان کے ساتھ ساتھ اس سے روایت کرنے والا راوی العلاء بن عمرو الحنفی بھی متکلم فیہ ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر وعلامہ ذہبی فرماتے ہیں:

العلاء بن عمرو الحنفى الكوفى متروك و قال ابن حبان لا يجوز الاحتجاج به بحال . و قال الازدى لايكتب حديثه و قال النسائى ضعيف . وقال العقيلى بعد تخريجه منكر ضعيف المتن لا اصل له.

(لسان المیز ان ۴:۱۸۵،۱۹۸۶ میزان الاعتدال ۳:۱۰۳)

متروک ہے اور ابن حبان نے کہا کہ کسی حال میں بھی اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا ۔ازدی نے کہا کہ اس سے حدیث نہیں لکھی جائے گی۔امام نسائی نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے اور امام عقیلی نے اس کی ایک حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور ضعیف المتن ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تیسری علت: یہ حدیث منکر ہے۔

یہ حدیث چونکہ صحیح احادیث کی مخالف ہے جو کہ ابھی آگے آرہی ہیں اور اس میں دوراوی زبردست ضعیف ہیں لہٰذا اصول حدیث کے تحت منکر روایت ہے اور منکر روایت سے استدلال جائز نہیں ہے۔

چوتھی علت:

اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگر چہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔

حضرت علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

سـليـمـان بـن مهـران الاعـمش محدث الكوفة و قارئها و كان يدلس وصفه بذلك الكرابيسى والنسائى والدار قطنى وغيرهم.

(طبقات المدلسین ۳، ۱۴۳ر النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲:۶۴۰، المرتبۃ الثالثۃ النور الثانی عشر، معرفۃ التدلیس)

مدلس کا عنعنہ بالاتفاق مردود ہے۔

قاضی عبدالوہاب ''الملخص'' میں فرماتے ہیں: التـدلس جرح و ان من ثبت انه كـان يـدلـس لا يقبل حديثه مطلقا. (النکت علی الکتاب بن الصلاح ۲:۶۳۲، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ۱:۱۸۴)

تدلیس جرح ہے اور جس سے ثابت ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت مطلقا قبول نہیں کی جائیگی۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

فقلنا لا نقبل من مدلس حديثا حتى يقول: حدثنى او سمعت.

(الرسالۃ فی اصول الفقہ للشافعی ۳۸۰ فقرہ، ۱۰۳۵)

پس ہم کہتے ہیں کہ ہم مدلس کی روایت قبول نہیں کرتے مگر جب وہ حـدثـنـی یا سمعت کے لفظ بولے۔

حضرت امام نووی تحریر فرماتے ہیں:

والمدلس اذا قال: عن، لا یحتج به ولو کان عدلا ضابطا.

(المجموع شرح المهذب٣:١٠٧،٥:١٢٣،١٥٨)

اور مدلس جب ''عن'' کے ساتھ روایت کرے تو وہ قابل حجت نہیں ہوگا اگرچہ عادل و ضابط ہی کیوں نہ ہو۔

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

الا ان یکون الرجل معروفا بالتدلیس ، فلا یقبل حدیثه حتی یقول: حدثنا او سمعت فهذا ما لا اعلم فیه ایضا خلافا.

(مقدمة التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید:١٣)

ایسا راوی جو کہ صفت تدلیس کے ساتھ معروف ہو اس کی حدیث ہرگز قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ "حدثنا" یا "سمعت" نہ کہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ اس میں بھی مجھے کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔

تو ثابت ہوا کہ مدلس کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی اور مذکورہ بالا حدیث کا مدار چونکہ امام سلیمان بن مہران الاعمش پر ہے جو کہ مدلس ہیں اور وہ روایت بھی ''عن'' کے ساتھ کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

امام ابن رجب حنبلی نقل فرماتے ہیں:

وقال الشاذ کونی : من اراد التدین بالحدیث فلا یأخذ عن الاعمش ولا عن قتادة الا ما قالا "سمعناه".

(شرح العلل الترمذی،١:٣٥٣ باب السادس ان لا یکون مدلسا)

امام شاذکونی نے فرمایا کہ جو شخص تدین بالحدیث چاہتا ہے تو وہ امام اعمش اور قتادہ سے روایت نہ لے جبکہ وہ سمعنا (ہم نے سنا) کے لفظ نہ بولیں۔

محمد بن مروان السدی الصغیر کا متابع:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ ابوالشیخ کی سند میں محمد بن مروان السدی کا متابع ابومعاویہ ہے جو کہ ثقہ ہے جیسا کہ حضرت امام ابوالحسن علی بن محمد بن الکنانی فرماتے ہیں:

و تابع السدی عن الاعمش فیه ابو معاویة اخرجه ابو الشیخ قلت سنده جید کما نقله السخاوی عن شیخه الحافظ ابن حجر . (تنزیہ الشریعۃ،١:٣٣٥ کتاب المناقب والمثالیب الفصل الثانی)

اس میں سدی کا امام اعمش سے تابع ابومعاویہ ہے اس سند کا ابوالشیخ نے اخراج کیا ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی سند جید ہے جیسا کہ سخاوی نے اپنے شیخ ابن حجر سے نقل فرمایا ہے۔

ابوالشیخ کی روایت اس طرح ہے:

حدثنا عبدالرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابو معاویة حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه. قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی من بعیداعلمته.

(جلاء الافہام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الانام لابن القیم،١٩)

ابومعاویہ اعمش سے وہ ابوصالح سے اور وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر کے قریب مجھ پر درود پڑھے میں اسے خود سنتا ہوں اور جب درود دور سے پڑھتا ہو تو اس کا مجھے علم دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے: وهذاالحدیث غریب جداً.

یہ بہت ہی غریب حدیث ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس کو شاید اس لئے غریب جدا کہا ہے کہ اس میں ایک راوی (عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج) مجہول الحال ہے۔

اور چونکہ اس سند میں امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ''عن'' سے روایت کی۔ وہ چونکہ مدلس ہیں لہٰذا یہ روایت نا قابل قبول ہے۔

حضرات انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور عنائیت وعطا سے دور ونزدیک سے سنتے اور دیکھتے ہیں جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں قرآن پاک میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

حَتّٰی اِذَآ اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یَّاَیُّھَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ وَھُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنۡ قَوۡلِھَا.

(النمل: ۱۸، ۱۹)

یہاں تک کہ حضرت سلیمان چیونٹیوں کی وادی پر آئے ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو حضرت سلیمان اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنسے۔

حضرت سلیمان نے چیونٹی کی یہ آواز تین میل سے سن لی تھی جیسا کہ تفاسیر کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر معالم التنزیل	للامام بغوی	۴۱۱:۳
" روح المعانی	للامام آلوسی بغدادی	۱۷۶:۱۰
" روح البیان	للامام اسماعیل حقی	۳۳۴:۶
" الکشاف	للزمخشری	۳۳۵:۳
" حیاۃ الحیوان الکبری	للامام الدمیری	۳۷۸:۲
تفسیر جلالین	للامام سیوطی	۳۱۸
" جمل		۳۰۶:۳
" مظہری		۱۰۴:۷
" مدارک		۳۸۰:۳

تو قرآن کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام دور

یہ روایت منکر ہے:

چونکہ یہ روایت ان صحیح روایات کے خلاف ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درود وسلام چاہے کہیں بھی کوئی پڑھے اس کی آواز سن لیتا ہوں لہذا یہ حدیث منکر ٹھہرے گی جیسا کہ محدثین نے اصول بیان فرمایا۔

امام ابو یحیٰی زکریا بن محمد الانصاری (م ۹۲۶ھ) فرماتے ہیں: والمنکر ما خالف فیه المستور او الضعیف. (فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی ص ۱۷۵)

منکر وہ روایت ہے جس میں مستور یا ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے۔

حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

ان الشاذ راویه ثقة، او صدوق غیر ضابط والمنکر راویه ضعیف بسوء حفظه او جهالته او نحو ذلک و کذا فرق فی شرح النخبة بینهما لکن مقتصراً فی کل منهما علی قسم المخالفة فقال فی الشاذ انه مارواه المقبول مخالفا لمن هو اولی منه. و فی المنکر انه ماروا ه الضعیف مخالفاً والمقابل للمنکر هو المعروف. (فتح المغیث، بشرح الفیۃ الحدیث، ۱:۲۰۲)

شاذ وہ روایت ہے کہ جس کا راوی ثقہ یا صدوق غیر ضابط ہو اور منکر وہ ہے جس کا راوی ضعیف ہو سوء حفظ یا جہالت یا اس جیسی کسی اور علت کی وجہ سے اور جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر میں ان دونوں میں مخالفت کی شق لگائی گئی ہے۔ شاذ میں فرمایا کہ مقبول راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے اور منکر وہ ہے کہ ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے اور منکر کے مقابل روایت معروف کہلاتی ہے۔

تو چونکہ اس روایت میں محمد بن مروان السدی ضعیف بلکہ کذاب ہے جبکہ اس کے متابع والی روایت میں عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج مجہول راوی ہے جبکہ اس کے مخالف روایت میں کوئی بھی راوی نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ روایت منکر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دور ونزدیک سے درود وسلام کا سماعت فرمانا:

سے آوازیں سماعت فرماتے ہیں۔اور اگر یہ کہا جائے کہ تین میل دور سے سننے والی تفسیری روایت کو ہم نہیں مانتے تو ہم کہیں گے کہ نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں،لیکن اتنا تو ہر کوئی مانے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سنی تھی اگر تین میل سے نہیں سنی تھی تو قریب سے ہی مان لیا جائے تو بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام عام لوگوں سے زیادہ سماعت کے مالک ہیں۔اسی طرح حضرات انبیائے کرام دور کی اشیاء بھی دیکھتے ہیں جو کہ عام اشخاص نہیں دیکھ سکتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بصارت:

عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "لما کلم اللہ موسیٰ کان یبصر دبیب النمل علی الصفا فی لیلۃ الظلماء من مسیرۃ عشرۃ فراسخ. (المعجم الصغیر للامام الطبرانی ۱:۶۲)

(فردوس الاخبار للامام دیلمی ۳:۴۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام فرمایا تو حضرت موسیٰ اندھیری رات میں صاف پتھر پر دس فرسخ کے فاصلہ سے چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔

علامہ دمیری فرماتے ہیں:

وروی الدار قطنی والطبرانی فی معجم الاوسط عن ابی ھریرۃ.

(حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۲:۳۷۶)

اور دارقطنی اور طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

و لما کانت ھذہ القوۃ حصلت للکلیم بالتجلی فحصولھا للنبی صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الاسراء. (نسیم الریاض شرح الشفا ۱:۳۸۱)

جب یہ قوت بصارت کلیم کو اللہ کی تجلی کے ساتھ حاصل ہے تو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے معراج کے بعد اس کا کیا حال ہوگا۔

اعتراض:

امام طبرانی فرماتے ہیں:**تفرد بہ ھانی بن یحیی.** اس میں ہانی بن یحیی متفرد ہے۔

جواب:

اگر ہانی بن یحیی متفرد بھی ہوتا تو کوئی بات نہ تھی کیونکہ وہ ثقہ راوی ہے جیسا کہ امام ابن حبان نے اس کو "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے۔(۹:۲۴۷) لیکن یاد رہے کہ اس حدیث میں ہانی بن یحیی متفرد نہیں ہے بلکہ اس کا ثقہ تابع امام قاضی عیاض کی روایت (کتاب الشفا ۱:۴۳) میں "ہمام" ہے۔

امام ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وھو ابن یحیی بن دینار العودی قال الحلبی وغیرہ.

(شرح شفا ملا علی قاری ۱:۳۸۰،ہامش علی نسیم الریاض)

کہ امام حلبی نے کہا کہ یہ ہمام بن یحیی بن دینار عودی ہے۔

اور امام خفاجی فرماتے ہیں:

ھو ھمام بن الحارث النخعی الکوفی. (نسیم الریاض ۱:۳۸۰)

کہ یہ ہمام بن الحارث النخعی کوفی ہے۔

ان دونوں راویوں میں سے چاہے کوئی ایک راوی بھی ہو کیونکہ دونوں ثقہ ہیں۔لہذا یہ اعتراض اٹھ گیا کہ اس میں ہانی متفرد ہے۔

اعتراض نمبر ۲:

اس میں ایک راوی حسن بن ابی جعفر جفری ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب:

اگرچہ اس پر بعض محدثین کا کلام ہے لیکن کسی نے اس کو کذاب نہیں کہا کہ اس کی احادیث موضوع ہوں کیونکہ

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

وھو عندی ممن لا یتعمد الکذب. (میزان الاعتدال ١:٤٨٢)

میرے نزدیک وہ جھوٹ نہیں بولتا۔

اور امام عبدالرحمٰن مہدی نے اس پر جرح سے رجوع فرمالیا تھا۔آپ فرماتے ہیں:

تفکرت فیه اذا کان یوم القیامة قام متعلق بی و قال : رب سل عبدالرحمن فبم اسقط عدالتی؟ و ماکن لی حجة عند ربی. فرأیت ان احدّث عنه. (میزان الاعتدال ١:٤٨٣)

میں نے غور وفکر کیا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ شخص کھڑا ہوکر میرے متعلق کہے گا کہ اے رب عبدالرحمٰن سے پوچھ کہ اس نے کیوں میری عدالت ساقط کی تو میرے پاس اس پر جرح کی کوئی دلیل نہیں ہوگی۔پس میں نے دیکھا کہ اس سے روایت لینی چاہیے۔

اگر اس راوی کی روایت ضعیف بھی ثابت ہوجائے تب بھی کوئی جرح نہیں کیونکہ یہ فضیلت ہے اور فضائل میں ضعیف حدیث بالاتفاق قبول ہے۔

جب دیگر انبیائے کرام کی سماعت وبصارت کا یہ حال ہے تو سب نبیوں کے امام وسردار حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سماعت وبصارت کا کیا حال ہوگا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بصارت:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ قد رفع لی الدنیا فأنا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامة کانما انظر الی کفی ھذه.

بیشک اللہ عزوجل نے ساری دنیا میرے سامنے کردی ہے تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں

جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

١۔ (کتاب الفتن والملاحم بن حماد ١:١)

٢۔ (المعجم الکبیر للطبرانی کذا فی کنز العمال ١١:٤٢٠)

٣۔ (حلیۃ الاولیاء للامام ابونعیم ٦:١٠١)

٤۔ (الترغیب والترہیب للامام الحافظ ابی القاسم اسماعیل الاصبہانی ٢:٢١١)

تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائنات کو ملاحظہ فرمارہے ہیں اور ملاحظہ بھی حقیقتاً ہے نہ کہ مجازاً۔جیسا کہ اسی حدیث کی شرح میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

اشارة الی انه نظر حقیقة دفع به احتمال انه ارید بالنظر العلم.

(زرقانی شرح مواہب ٧:٢٠٥)

اس میں اشارہ ہے کہ آپ اس کو حقیقتاً دیکھ رہے ہیں اور اس سے یہ احتمال دفع (دور) ہوجاتا ہے کہ اس سے آپ کا ارادہ علمی نظر کا تھا۔

اور یہی حال آپ کی سماعت کا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے دور و نزدیک سے سنتے ہیں۔جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انی اریٰ ما لا ترون و اسمع ما لا تسمعون و فی روایة و انی اسمع لاطیط السمآء.

میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے اور ایک روایت میں ہے: میں اس وقت آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں۔

١۔ مسند احمد (عن ابی ذر) امام احمد بن حنبل ٥:١٧٣

٢۔ المستدرک امام حاکم ٢:٥١٠،٤:٥٤٤،٤:٥٧٩

٣۔ السنن للامام ابن ماجہ، ٣٠٩، ابواب الزہد باب الحزن والبکاء

٤۔ الجامع للامام الترمذی، ٢:٥٧ ابواب الزہد

۵۔ کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی ۳:۹۸۲

۶۔ مشکل الآثار (عن حکیم بن حزام) للامام طحاوی ۳:۴۴

۷۔ شعب الایمان (عن ابی ذر) للامام بیہقی ۱:۴۸۴

۸۔ دلائل النبوۃ امام ابونعیم الاصبہانی ۱:۴۴۲

۹۔ فردوس الاخبار للامام الدیلمی ۱:۱۰۰

۱۰۔ حلیۃ الاولیاء للامام ابونعیم ۲:۲۳۶

۱۱۔ شرح السنۃ للامام بغوی ۱۴:۳۶۹

۱۲۔ معجم الکبیر للطبرانی ۳:۲۰۱، برقم ۳۱۲۲

۱۳۔ کنزالعمال امام علاؤالدین المتقی بن حسام الدین الہندی ۱۰:۳۶۴، حدیث نمبر ۲۹۸۲۹، ۲۹۸۳۸

تو اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ سنتے ہیں جو عام لوگ نہیں سن سکتے اور آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو کہ عام لوگ نہیں دیکھ سکتے اور یہی عقیدہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

نبی یری ما لایری الناس حوله. ویتلو کتاب اللہ فی کل مشهد.

و ان قال فی یوم مقالة غائب. فتصد یقها فی الیوم او فی ضحی الغد.

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اردگرد وہ کچھ دیکھتے ہیں کہ لوگ نہیں دیکھتے اور ہر حاضری کی جگہ اللہ کی کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں۔

(اور اگر وہ کسی دن غیب کی بات فرمادیں تو اس کی تصدیق اسی دن یا اگلے دن دوپہر تک ہوجائے گی)

تخریج:

۱۔ مستدرک امام حاکم ۳:۱۰

۲۔ دلائل النبوۃ امام بیہقی ۱:۲۸۰

۳۔ دلائل النبوۃ امام ابونعیم ۱:۳۴۰

۴۔ المعجم الکبیر امام طبرانی ۴:۵۰، ۵۱

۵۔ الاحادیث الطّوال امام طبرانی ۲۵:۲۲۷ حدیث نمبر ۳۰ ملحق با المعجم الکبیر

۶۔ الشریعۃ امام ابوبکر محمد بن الحسین آلآری، ۴۶۷

۷۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للشیخ الاسلام ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور اللالکائی ۴:۷۸۰

۸۔ منال الطالب فی شرح الطّوال الغرائب مجدالدین مبارک بن محمد ابن الاثیر ۱:۱۷۴

۹۔ المجمع الزوائد امام نورالدین الہیثمی ۶:۵۸

۱۰۔ تہذیب تاریخ دمشق امام ابن عساکر، ۱:۳۲۸

۱۱۔ زرقانی علی المواہب امام زرقانی المالکی ۱:۳۴۳

۱۲۔ طبقات ابن سعد للامام محمد بن سعد ۱:۲۳۲ باسانید اخری

۱۳۔ الروض الانف للامام سہیلی ۲:۸

۱۴۔ الوفا باحوال المصطفی امام ابن جوزی ۲۴۵

۱۵۔ عیون الاثر امام ابن سیدالناس ۱۹۰

۱۶۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۳:۱۹۳

۱۷۔ الاستیعاب ابن عبدالبر مالکی ۴:۴۶۸

۱۸۔ مختصر سیرت الرسول عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۷۲

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دور و نزدیک سے سنتے اور دیکھتے ہیں۔ جب عام کلام آپ سن لیتے ہیں تو درود شریف بدرجۂ اولی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن سکتے ہیں۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے:

قال الطبرانی حدثنا یحیی بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم

عن خالد بن زيد عن سعيد بن ابى هلال عن ابى الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : اكثروا الصلاة على يوم الجمعة فانه يوم مشهود تشهده الملئكة ، ليس من عبد يصلى على الابلغنى صوته حيث كان. قلنا: و بعد وفاتك؟ قال: و بعد وفاتى ، ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبيآء. (اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، جلاء الافہام،٦٣)

(الجوہر المنظم لابن حجر مکی،٢٥، حجۃ اللہ علی العالمین ١:١٣٧ القول البدیع ص٣٢١)

بسند مذکور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر روز جمعہ زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے۔ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ پر درود شریف نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ ہم نے عرض کیا آپ کے وصال کے بعد؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے وصال کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر عاشق صادق جب بھی درود وسلام پڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی آواز سنتے ہیں۔ اس صحیح حدیث شریف میں کمزور عقیدہ و ایمان والے لوگوں نے کمزوریاں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ روایت من گھڑت روایت ہے۔

اس روایت پر اب تک جو اعتراضات ہمارے سامنے آئے ان میں سے اکثر کے جوابات تو علمائے اہل سنت نے دے دیئے ہیں اور کچھ مختصراً ہم عرض کرتے ہیں۔

اس صحیح حدیث شریف پر غالباً سب سے پہلے جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی نے عجیب قسم کا کلام کیا جس کے بارے میں موجودہ دور کے دیوبندیوں کے امام اور شیخ الحدیث جناب مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس حدیث پر حضرت تھانوی نے بوادر النوادر ٢٧٢ میں علمی بحث کی ہے جس سے

مؤلف مذکور (علامہ سعیدی صاحب مدظلہ العالی) خاصے برہم ہوئے ہیں۔ (اخفاء الذکر،٤٢)

اب اس علمی بحث کی جب جناب حضرت علامہ غلام رسول صاحب سعیدی نے دھجیاں اڑائیں اور معترض کی ''علمیت'' کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑا تو وہی شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت تھانوی انسان ہیں اور خطأً ونسیان انسان کے خمیر میں ودیعت کیا گیا ہے اور معصوم صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے لیکن جس انداز سے مؤلف مذکور نے ان پر گرفت کی ہے وہ درست نہیں۔ (اخفاء الذکر،٤٣)

اس عبارت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ سعیدی کی پکڑ برمحل اور مضبوط ہے جس سے جناب گکھڑی صاحب کو یہ ماننا پڑا کہ تھانوی بھول گئے اور ان کے اعتراضات مذکورہ حدیث شریف پر غلط اور بے کار ہیں۔

اس حدیث پر جناب تھانوی صاحب کے اعتراضات وشبہات:

اس سند میں ایک راوی یحیی بن ایوب بلانسب مذکور ہے جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہے جن کے باب میں ربما اخطأ لکھا ہے۔ یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں۔

اس کے جواب میں حضرات علمائے حق اہل سنت نے تھانوی صاحب کو جواب دیا کہ یہاں راوی بلانسب مذکور نہیں بلکہ اس کے ساتھ ''العلاف'' کی نسبت مذکور ہے۔ تو اس کے جواب میں جناب سرفراز گکھڑوی صاحب فرماتے ہیں:

''جلاء الافہام کے مصری نسخہ میں یحیی بن ایوب کے ساتھ ''العلاف'' کی نسبت موجود ہے۔ مگر مولانا تھانوی کا یہ کہنا کہ جو بلانسبت ہے اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ ان کے پیش نظر جو سند ہے اس میں یہ نسبت نہیں ہے ورنہ ایک دیانتدار اور ذہین آدمی ''العلاف'' کی نسبت دیکھ کر کبھی نہیں کہہ سکتا کہ غیر منسوب ہے۔ (اخفاء الذکر٤٣، طبع دوم)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی بھی دیانت دار اور ذہین آدمی اس طرح کا کلام نہیں کرسکتا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب واقعی دیانت دار اور ذہین تھے؟

ہرگز نہیں کیونکہ جناب گکھڑی صاحب کا احتمال تب درست ہوتا اگر تھانوی صاحب کو جب سائل نے یہ سند لکھ کر بھیجی تھی تو اس میں ''العلاف'' کی نسبت موجود نہ ہوتی۔ جب لکھی ہوئی سند میں یہ نسبت موجود ہے اور تھانوی صاحب کی کتاب میں بھی موجود ہے تو جان بوجھ کر جھوٹ بولنا کیا دیانت داری کے زمرے میں آتا ہے؟

اس صحیح حدیث پر جناب تھانوی صاحب نے جتنے اعتراضات وارد کئے حضرت غزالی دوراں مولانا احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اعتراضات کے دندان شکن جوابات دے کر ثابت فرمادیا ہے کہ یہ اعتراضات صرف اور صرف گستاخ ذہن کی پیداوار ہیں ملاحظہ فرمائیں: حیات النبی، ۶۱ تا ۶۷۔

تھانوی صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے۔

دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں۔ یہ بھی غیر منسوب ہیں۔ اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔ (بوادر النوادر ۲۰۵، ادارہ اسلامیات لاہور)

اس اعتراض کا جواب بھی حضرت علامہ کاظمی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے علمی اور تحقیقی اور جناب علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے محققانہ جواب عطا فرمایا۔ اس جواب کے جواب میں جناب سرفراز گکھڑوی صاحب نے لکھا:

''حضرت تھانوی کی عبارت میں جس ارسال کا ذکر ہے اس سے اصطلاحی مرسل مراد نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور (علامہ سعیدی) نے اپنی جہالت سے سمجھ کر لکھا ہے کہ اصول حدیث میں تصریح موجود ہے کہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک مرسل مطلقا مقبول ہوتی ہے..... الخ۔ لیکن یہاں ارسال سے اصطلاحی مرسل مراد نہیں، کیونکہ اصطلاحی مرسل وہ ہوتا ہے جس میں صحابی کا نام مذکور نہ ہو اور چونکہ **''اصحابہ کلھم عدول''** کا قاعدہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایک مسلم حقیقت ہے، اس لئے صحابی کا ذکر نہ ہونا مضر نہیں ہے۔ اور اس روایت میں حضرت ابوالدردا کا نام با قاعدہ موجود ہے لہذا یہ اصطلاحی مرسل نہیں ہے جس کو جمہور حجت کہتے

ہیں۔ یہاں لغوی ارسال مراد ہے وہ یہ کہ راوی، راویوں کے نام حذف کر دیتا ہے اور اڑا دیتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام کے نیچے تابعین میں کسی کا نام مذکور نہ ہو تو چونکہ ان میں ثقہ یا ضعیف ہونے کا احتمال ہوتا ہے اس لئے یہ روایت اصطلاحاً منقطع کہلاتی ہے اور ضعف کا سوال اس میں بدستور موجود ہوتا ہے۔ مؤلف مذکور (علامہ سعیدی) نے اصول حدیث کے فن سے بے خبری کی وجہ سے لفظ ارسال کو اصطلاحی مرسل پر چسپاں کر کے محض اپنے ماؤف دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ (اخفاء الذکر ۴۴، ۴۵)

قارئین کرام! ان حضرات کے ناموں کے ساتھ القابات دیکھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ شاید دنیا میں یہ ہی عالم ہیں اور متقدمین ومتاخرین میں اس کے پائے کا کوئی عالم ہے ہی نہیں۔

یہ ہیں علمائے دیوبند کے امام اہل سنت محدث اعظم پاکستان وغیرہ وغیرہ آپ ان کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور داد تحقیق دیں۔

بات ہو رہی تھی کہ راوی خالد بن زید غیر منسوب ہے۔ ان نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے۔

تو حضرت علامہ سعیدی مدظلہ العالی نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

''سبحان اللہ کیا ہی مدلل جرح ہے اگر خالد بن زید کی عادت ارسال ہے تو کیا حدیث مرسل حجت نہیں؟ اصول حدیث میں تصریح ہے کہ احناف و مالکیہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقا مقبول ہوتی ہے۔ اگر خالد عنعنہ کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے تو صحاح ستہ کی تمام معنعن احادیث سے ہاتھ اٹھالیں۔ تھانوی صاحب نے بے سند احتمالات بیان کئے ہیں۔ (ذکر بالجہر)

اب بات ہو رہی ہے ایک راوی کی اس میں ارسال کی عادت ہے اور اس نے یہ روایت عن کے ساتھ کی ہے۔ اصول حدیث کا طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ مرسل اور مدلس میں فرق ہوتا ہے۔ اگر مرسل راوی عن سے روایت کرے تو وہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک قبول ہوگی اور اس میں اگر امکان لقاء پایا جائے تو وہ روایت بالاتفاق مقبول تصور ہوگی اور مدلس راوی

جب ''عن'' کے ساتھ روایت کرے تو وہ بالاتفاق مردود ہوگی۔ بات راوی کی ہے اور جناب دیوبندی شیخ الحدیث صاحب نے بات روایت کی کردی کہ یہ روایت منقطع کہلائے گی کیونکہ یہ راوی راویوں کے نام حذف کردیتا ہے اور اڑا دیتا ہے۔

کیا ہم جناب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرسکتے ہیں کہ زید بن خالد نے کہاں راوی حذف کئے ہیں اور اڑا دیئے ہیں؟

اور اگر یہ ثابت ہو بھی تو کیا ثقہ راوی جب راوی کو گرادے گا تو کیا احناف کے نزدیک وہ روایت مردود ہوگی یا کہ مقبول؟

اگر صحابی کے نیچے کا راوی چھوڑ دیا جائے تو وہ روایت مرسل نہیں بلکہ آپ کے نزدیک منقطع ہوگی اور منقطع آپ کے نزدیک ضعیف ہے تو کیا امام ابراہیم نخعی نے جتنی روایات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے روایت کی ہیں وہ تمام منقطع ہوکر بے کار اور بے سروپا ہوکر ضعیف ٹھہریں گی؟

اور جناب نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ:

راقم اثیم کا خیال ہے کہ کتابت کی غلطی ہے۔ راوی اس سند میں خالد بن یزید ہے جو مصری ہے اور یہ سعید بن ہلال مصری سے روایت کرتا ہے اور یہ ثقہ راوی ہے۔

(ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب ۳:۱۲۹)

تو اس کا مطلب ہے کہ یہ روایت آپ کے نزدیک صحیح ہے اور ہاں آپ کے نزدیک اس روایت کے کسی بھی راوی پر کوئی قابل اعتماد اور مفسر جرح نہیں ہے۔ جناب تھانوی صاحب نے اصول حدیث کا پاس نہیں کیا اور غلط طریقے سے اس حدیث کو رد کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ بہرحال مذموم ہے۔

اسی طرح دیوبندی شیخ الحدیث جناب گکھڑی صاحب نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مگر اس سند کے غیر معتبر ہونے کی اصل وجہ اور ہی ہے جس کو مؤلف مذکور نہیں سمجھے اور ان کو اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ سعید بن ابی ہلال کی روایت حضرت ابوالدرداء

سے منقطع ہے۔ (اخفاء الذکر، ۴۵)

یعنی جناب گکھڑوی صاحب کے نزدیک بھی اس حدیث کے غیر معتبر ہونے کی وہ وجوہات نہیں ہیں جو کہ جناب تھانوی صاحب نے ذکر کی ہیں، غیر معتبر ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ روایت مرسل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے جیسا کہ گکھڑوی صاحب فرماتے ہیں:

''اس لئے ایسی منقطع اور بے سروپا روایت..................(اخفاء الذکر، ۴۵)

چونکہ مرسل روایت جناب گکھڑی صاحب کے نزدیک بھی حجت ہے اس لئے انہوں نے اس کو منقطع ثابت کرنے کی کوشش کی، لہٰذا اگر انہیں سے پوچھا جائے کہ مرسل اور منقطع میں کتنا فرق ہے تو آپ فرماتے ہیں:

فائدہ:

اگرچہ بعض محدثین نے مرسل اور منقطع میں اصطلاحی طور پر کچھ فرق کیا ہے لیکن علامہ جزائری لکھتے ہیں:

وقد اطلق المرسل على المنقطع من ائمة الحديث ابو زرعه و ابو حاتم و الدار قطني. (توجیہ النظر ۲۴۳)

حدیث منقطع پر مرسل کا اطلاق ان ائمہ حدیث نے کیا ہے امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور امام دارقطنی۔

مولف خیر الکلام نے حضرت مجاہد کے اثر کے بارے میں امام بیہقی کی کتاب 'القراءت' ص۲۷ کے حوالہ سے جو یہ لکھا ہے کہ یہ منقطع ہے اور منقطع ضعیف کی قسم ہوتی ہے (محصلہ ۳۵۳) محض طفل تسلی ہے کیونکہ مرسل فی نفسہ صحیح قول کی بنا پر حجت ہے اور حکم منقطع و مرسل ایک ہی ہے۔

(احسن الکلام ۱:۱۵۰،۱۵۱)

حضرت امام سخاوی ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: **ورجاله ثقات لكنه منقطع.** (القول البدیع ص۱۱۹)

کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے۔

اس کے جواب میں جناب گکھڑوی صاحب تحریر کرتے ہیں:

''اگرچہ روایت مرسل بھی (بعض محدثین کرام نے مرسل اور منقطع میں فرق کیا ہے لیکن امام سیوطی فرماتے ہیں کہ صحیح بات جس کی طرف فقہاء کرام، علامہ خطیب بغدادی، امام ابن عبدالبر اور دیگر محدثین کرام گئے ہیں یہ ہے کہ مرسل اور منقطع ایک ہی ہے۔ (محصلہ تدریب الراوی ۱۲۶، ۱۲۷) (تسکین الصدور، ۳۲۰، ۳۲۱)

جناب گکھڑوی صاحب ہی لکھتے ہیں:

''.........تو یہ روایت منقطع ہوگی لیکن وہ ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک حجت ہے۔'' (ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح ص ۳۷، طبع دوم)

جناب گکھڑوی صاحب کے نزدیک بھی جب مرسل اور منقطع میں فرق نہیں بلکہ ایک ہی ہے اور اگر فرق بھی ہو تو وہ حجت ہے تو پھر اس حدیث کہ جس میں پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات حقیقی اور سماعت درود جیسی فضیلت کا ذکر ہے، کو منقطع اور بے سروپا کہہ کر کیوں رد کر رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دل میں جو بغض رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے وہ قلم وزبان پر آہی گیا ہے۔

اگر یہ روایت منقطع اور مرسل بھی ہو تو بھی احناف اور مالکیہ کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے۔ ویسے تو اس کے متعارض کوئی صحیح متصل روایت نہیں ہے اور اگر ضعیف ہو بھی تو پھر اس حدیث کو ترجیح ہوگی۔

منقطع اور مرسل متصل سے قوی بھی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ

حضرت علامہ خطیب بغدادی امام میمونی سے نقل فرماتے ہیں:

قرأت على ابراهيم عمر البرمكی عن عبدالعزيز بن جعفر الحنبلی قال نا ابو بكر الخلال قال: اخبرنی الميمونی قال: تعجب الی ابو عبدالله يعنی احمد بن حنبل ممن يكتب الاسناد و يدع المنقطع ثم قال و ربما كان المنقطع اقوى اسناد و اكبر قلت بينه لی كيف ؟ قال تكتب الاسناد متصلا هو

ضعيف ويكون المنقطع اقوى اسناداً منه.

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، ۲: ۱۹۱)

امام میمونی نے فرمایا کہ مجھے امام احمد بن حنبل پر تعجب ہے کہ وہ اسناد تو لکھتے ہیں لیکن منقطع چھوڑ دیتے ہیں۔ فرمایا: بعض اوقات منقطع متصل سے زیادہ قوی اور سنداً بڑی ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی مجھے بیان کیجئے کہ کیسے فرمایا تو اسناد متصل لکھتا ہے لیکن وہ ضعیف ہوتی ہے اور منقطع اس سے زیادہ سند کے لحاظ سے قوی ہوتی ہے۔

اور منقطع اور مرسل چونکہ ایک ہی ہے اور مرسل کو رد کرنا تو دوسری صدی کے بعد کی بدعت ہے۔

امام ابوداؤد صاحب سنن فرماتے ہیں:

و اما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضىٰ مثل سفيان الثوری و مالك بن انس و الاوزاعی حتى جاء الشافعی فتكلم فيها وتابعه على ذلك احمد بن حنبل. (رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکہ فی وصف سننہ، ۲۴)

مراسیل تو ان کے ساتھ احتجاج کرتے تھے علمائے کرام تمام پچھلے بزرگ جیسے امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس، امام اوزاعی حتی کہ امام شافعی آئے تو انہوں نے مراسیل میں کلام کیا اور امام احمد بن حنبل نے ان کی اتباع کی۔

امام طبری فرماتے ہیں:

ان التابعين باسرهم اجمعوا على قبول المرسل و لم يأت عنهم انكاره ولا عن احد الائمة بعدهم الى رأس . المائتين كانه يعنی ان الشافعی اول من ابى من قبول المرسل. (مقدمۃ التمہید لابن عبدالبر مالکی، ۱: ۴)

تابعین سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ مرسل قابل حجت ہے تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک ائمہ میں سے کسی نے بھی مرسل کا انکار نہیں کیا گویا امام شافعی ہی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مرسل کے ساتھ احتجاج کرنے سے انکار کیا۔

لہٰذا آپ اس حدیث صحیح کو منقطع کہیں یا مرسل یہ ہر حالت میں صحیح اور قابل احتجاج ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس کا اظہار کر رہی ہے۔

اعتراض:

جناب اشرف علی تھانوی صاحب نے تحریر کیا:

''یہ تو مختصر کلام ہے سند میں، باقی رہا متن سو اولاً معارض ہے، دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود یہ حدیث ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام.

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من صلى عند قبري سمعته و من صلى علي نائياً ابلغته .

اور نسائی کی کتاب الجمعۃ میں بروایت اوس بن اوس یہ حدیث مروی ہے۔

فان صلاتكم معروضة علي. یہ سب حدیثیں صریح ہیں، عدم السماع عن بعید میں اور ظاہر کہ جلاء الافہام ان کتب کے برابر قوۃ میں نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اقوی کو ترجیح ہوگی۔''

(بوادر النوادر ا:۲۰۵)

جواب:

جہاں تک حدیث نسائی ودارمی، **ان لله ملئكة سياحين** کا تعلق ہے تو وہ ہرگز ہرگز ہماری مؤید حدیث کے معارض نہیں ہے اور اسی طرح حدیث اوس بن اوس **فان صلاتكم معروضة علي،** بھی ہماری مؤید حدیث کے ساتھ متعارض نہیں ہے۔

ان میں تو صرف اتنا مذکور ہے کہ سیر کرنے والے فرشتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور امت کا درود وسلام بارگاہ اقدس میں پیش ہوتا ہے۔ ملائکہ کے اس عرض وتبلیغ کو عدم سماع میں صریح کہنا ظلم صریح ہے۔

تھانوی صاحب کے اسی اشکال کا رد انہی کے ایک ہم مسلک عالم نے کیا ہے۔

جناب انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں:

واعلم ان حديث عرض الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يقوم دليلا على نفي علم الغيب و ان كانت المسألة فيه ان نسبة علمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علمه تعالىٰ كنسبة المتناهي بغير المتناهي لان المقصود يعرض الملئكة هو عرض تلك الكلمات بعينها في حضرته العالية علمها من قبل او لم يعلم كعرفيها عند رب العزة و رفع الاعمال اليه فان تلك الكلمات مما يحيا به وجه الرحمن فلا ينفي العرض العلم. فالعرض قد يكون للعلم و اخرى لمعان آخر فاعرف الفرق.

(فیض الباری علی صحیح البخاری، ۲:۳۰۲ باب کتاب الصلاۃ)

جاننا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پیش کرنے کی حدیث آپ کے علم غیب کی نفی پر دلیل نہیں بن سکتی اگرچہ علم غیب کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے، کیونکہ فرشتوں کی پیش کش کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے، کہ درود شریف کے کلمات بعینہا بارگاہ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو۔ بارگاہ رسالت میں کلمات درود کی پیش کش بالکل ایسی ہی ہے جیسے رب العزت کی بارگاہ میں جو کلمات طیبات پیش کئے جاتے ہیں اور اس کی بارگاہ الوہیت میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ساتھ ذات حق تعالیٰ جل مجدہ کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے یہ پیشکش علم کے منافی نہیں، لہٰذا کسی چیز کا پیش کرنا علم کے لئے بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات دوسرے معانی کے لئے بھی اس فرق کو خوب پہچان لیا جائے۔ انتہی

تو ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا احادیث کو حدیث طبرانی کے متعارض بتانا علوم اسلامیہ اور عظمت رسول سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ بلکہ یہ احادیث تو اس حدیث کی مؤید ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک

اور جہاں تک حدیث بیہقی کا تعلق ہے کہ میں قبر کے قریب سے سنتا ہوں اور دور سے مجھے درود شریف پہنچایا جاتا ہے تو سند کے لحاظ سے یہ حدیث ہرگز ہرگز ہماری مؤید حدیث کے برابر نہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ معارضہ کرنا صرف تھانوی صاحب جیسے ہی آدمی کا کام ہوسکتا ہے کسی عالم حقانی کا تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اور پھر تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ

جلاء الافہام ان کتب کے برابر قوۃ نہیں رکھتی لہذا اقوی کو ترجیح ہوگی۔

یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ یہاں معارضہ جلاء الافہام اور دیگر کتب حدیث کا نہیں بلکہ المعجم الکبیر ودارمی وغیرہ کا ہے اور دوسری بات یہ کہ بات کتب حدیث کی نہیں بلکہ سند حدیث کی ہے۔ ترجیح سند کو ہوگی نہ کہ کتاب کو۔

ہمارے علمائے احناف تو صحیحین کی احادیث کو غیر صحیحین کی احادیث پر ترجیح کے قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ ابن الہمام نے التحریر فی الاصول میں واضح کیا ہے۔

(اس سلسلہ میں فقیر کا پرمغز مقالہ ''تعارض بین الاحادیث'' مطالعہ کے قابل ہے)

اب اس صحیح حدیث شریف پر صرف ایک ہی اعتراض باقی رہ گیا ہے جو کہ تھانوی صاحب نے وارد کیا ہے؟

جناب تھانوی صاحب تحریر کرتے ہیں:

بعد تحریر جواب ہذا ابلا تو سط فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں صلوتہ ہے۔ کاتب کی غلطی سے لام رہ گیا ہے۔ امید ہے کہ اگر نسخہ متعددہ دیکھے جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کسی نسخہ میں ضرور اسی طرح نکل آئے گا۔ (بوادر النوادر)

سبحان اللہ! یہ ہے تحقیق کا نرالا انداز کہ اب تو الفاظ حدیث کے بارے میں بھی الہام ہونے لگے ہیں۔ دراصل جناب تھانوی صاحب نے جو اعتراضات اس حدیث شریف پر کئے تھے وہ ایسے بودے اور نکمے تھے کہ جناب تھانوی صاحب کو خود بھی علم تھا کہ ان اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لئے آخر میں اپنے الہام پر بنیاد رکھی کیونکہ الہام کا جواب الہام ہی ہوسکتا

ہے اور دوسروں کا الہام ان کے نزدیک ویسے ہی قابل قبول نہیں ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ علمائے دیوبند صاف لکھ دیتے کہ جناب تھانوی صاحب کی یہ بات قرین قیاس نہیں ہے بلکہ بالکل غلط ہے لیکن نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان تو بیان نہ ہو اور تھانوی صاحب کی عزت رہ جائے۔ اس بے تکی بات کو صحیح کرنے کے لئے جناب سرفراز گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت تھانوی نے یہ جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست اور صحیح ہے۔''

(اخفاء الذکر ۴۶)

فیاللعجب! جناب گکھڑوی صاحب کو چاہئے تھا کہ کسی صحیح نسخہ پر دلالت کرتے کہ اس میں صوتہ کی بجائے صلوتہ کے الفاظ موجود ہیں لیکن ایسا تو نہ کیا بلکہ ایک اور کتاب ''القول البدیع'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

امام سخاوی حضرت ابوالدرداء کی یہ روایت معجم کبیر للطبرانی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور اس میں بعینہا یہی الفاظ نقل کرتے ہیں۔

الا بلغتنی صلوته الحدیث، اور آخر میں لکھتے ہیں: قال العراقی ان اسناده لا یصح. (القول البدیع ص ۱۱۹) (اخفاء الذکر، ۴۷)

پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب سرفراز صاحب نے خود جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ بعینہا نہیں ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا کیونکہ جلاء الافہام کی حدیث میں لفظ ''بلغنی'' ہے۔ جبکہ ''القول البدیع'' میں ''بلغتنی'' ہے لہذا یہ بعینہا نہ ہوئے۔ اسی لئے عین ممکن ہے کہ یہ روایت ہی اور ہو۔

اور پھر جناب گکھڑوی صاحب کا حدیث طبرانی کے بارے میں کہنا کہ اور آخر میں لکھتے ہیں.. قال العراقی ان اسناده لا یصح، تو یہ بھی بہت بڑا جھوٹ ہے۔

کیونکہ علامہ سخاوی نے یہ الفاظ حدیث طبرانی کے بارے میں نقل نہیں فرمائے۔ امام سخاوی کی اصل عبارت پڑھیں اور اس شیخ الحدیث کی دیانت کی داد دیں۔

وکذا رواہ النمیری بلفظ قلنا یا رسول اللہ کیف تبلغک صلاتنا اذا تضمنتک الارض قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء و قال العراقی ان اسنادہ لایصح. (القول البدیع،۱۵۹)

اور جیسا کہ نمیری نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارا درود آپ تک کیسے پہنچے گا؟ جبکہ آپ زمین میں مل چکے ہوں گے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کھائے۔عراقی نے کہا کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

امام حافظ عراقی کے الفاظ ہیں نمیری کی روایت کے بارے میں لیکن جناب گکھڑوی صاحب نے فرمایا کہ یہ طبرانی کی روایت کے بارے میں ہیں۔سچ ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

''بحمداللہ یہ مسئلہ کہ القول البدیع میں صلوتہ کے لفظ ہیں یہ بھی حل ہو گیا اور ''القول البدیع'' کے نسخہ میں کتابت کی غلطی تھی ورنہ اس میں بھی لفظ صوتہ ہی تھا۔جیسا کہ اب جو نسخہ محمد عوامہ کی تحقیق کے ساتھ ''موسسۃ الریان بیروت ۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء الطبعۃ الاولی۔شائع ہوا ہے اس میں صوتہ کے ہی لفظ ہیں لہذا دیوبندیوں کے محدث کی یہ فریب کاری بھی ختم ہو گئی،ملاحظہ فرمائیں:''القول البدیع ص ۳۲۱ طبع جدید'' خادم مناظر اسلام قاری محمد ارشد مسعود عفی عنہ)

دل نے جس راہ لگایا تو اسی راہ چلا ☆☆ وادی عشق میں گمراہ کو رہبر سمجھا!

کیا صوتہ کتابت کی غلطی ہے؟

جہاں تک جلاء الافہام کا تعلق ہے تو اس میں ''صوتہ'' ہی ہے، ''صلوتہ'' ہرگز ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی کسی نسخہ میں یہ الفاظ ہیں۔اگر ہوتے تو اپنے حکیم الامت کی بات درست ثابت کرنے کے لئے اب تک دیوبندی حضرات وہ نسخہ ضرور پیش کردیتے۔

ہم نے جلاء الافہام کے متعدد نسخے دیکھے ہیں تمام میں صوتہ ہی ہے کسی ایک میں

بھی صلوتہ کا لفظ نہیں اور نہ ہی کسی نے اختلاف نسخ کا اشارہ کیا ہے۔

۱۔ مصری نسخہ کہ جس کی تصحیح فضیلۃ الشیخ طٰہٰ یوسف شاہین نے فرمائی ہے جو کہ علمائے ازہر شریف میں سے ہیں اور یہ صفر ۱۳۸۸ھ میں طبع ہوا ہے۔

۲۔ ہندوستانی مطبوعہ نسخہ۔یہ نسخہ اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔مترجم نے لکھا ہے: بحمداللہ تبارک و تعالیٰ اس ترجمے کی تسوید و تحریر سے جو پانچ شعبان روز پنج شنبہ کو شروع کی تھی تیرہ ذی قعدہ روز چہار شنبہ ۱۳۴۷ھ کو فراغ حاصل ہوا۔

(شاکر حسین غفرلہ،سہوان قاضی محلّہ)

۳۔ ہندوستانی نسخہ مطبوعہ یہ نسخہ مشہور غیر مقلد وہابی نجدی عالم مولوی سلیمان منصور پوری کے ترجمہ و تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔اگر کسی نسخہ میں ''صلوتہ'' کے الفاظ ہوتے تو یہ ضرور صوتہ کی بجائے صلوتہ نقل کرتا۔ (کیونکہ پکا نجدی وہابی تھا)

۴۔ مصری نسخہ جس کی تصحیح و تحقیق مشہور نجدی عالم محمد حامد الفقی نے کی ہے اور یہ نسخہ ''ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ لصاحبہا و مدیرہا محمد منیر الدین دمشقی سے شائع ہوا ہے۔(صحح و علق علیہ ۱۳۵۷ھ)

یہ یاد رہے کہ اس نسخہ کا محقق اور مصحح نامور نجدی عالم ہے اور جبکہ اس کا ناشر محمد منیر دمشقی کٹر نجدی ذہنیت کا حامل ہے لہذا اگر کسی بھی قلمی یا مطبوعہ نسخہ میں صوتہ کی بجائے صلوتہ کے الفاظ ہوتے تو یہ ضرور نقل کرتے۔اصل کتاب میں یہ الفاظ تو کجا ان میں سے کسی محقق و ناشر نے حاشیہ میں اختلاف نسخہ جات کا ذکر تک بھی نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب تھانوی صاحب کے قلب پر جو القا ہوا وہ شیطانی وسوسہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

اور اگر بالفرض محال جلاء الافہام کے نسخہ میں صلوتہ کا لفظ مل بھی جائے تو وہ کتابت کی غلطی تصور ہوگا،کیونکہ المعجم الکبیر للطبرانی سے لفظ صوتہ نقل کرنے میں علامہ ابن القیم اکیلے نہیں بلکہ دیگر محدثین نے یہ لفظ ایسے ہی المعجم الکبیر سے نقل فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام الحافظ شمس الدین محمد بن ابوبکر بن عبداللہ معروف بن ناصر الدین دمشقی (م ۸۴۲ھ) اپنی کتاب ''صلوۃ کئیب بوفاۃ الحبیب'' میں فرماتے ہیں:

و روی الطبرانی عن ابی الدرداء قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : اکثروا الصلوة علی یوم الجمعة فانه یوم مشهود تشهده الملئکة لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان. (حجۃ اللہ علی العالمین،۷۱۳ للعلامہ نبہانی)

طبرانی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر بروز جمعہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں کوئی شخص بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔

حضرت امام محمد بن یوسف صالح شامی (م۹۴۲ھ) فرماتے ہیں:و رواه الطبرانی بلفظ لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان ورجالهما ثقات.

(سبل الہدیٰ والرشاد،۱۲:۳۵۸)

اور طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کوئی بندہ بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ان دونوں کے رواۃ ثقہ ہیں۔

اوراسی طرح حضرت علامہ ابن حجر ہیتمی مکی (م۹۸۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

و فی اخری للطبرانی لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته.

(الجوہر المنظم طبع مصر۲۱)

اور دوسری روایت جو کہ طبرانی کی ہے (میں الفاظ اس طرح ہیں) کوئی شخص بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔

جناب علامہ موسیٰ محمد علی صاحب فرماتے ہیں:

و عن خالد بن زید عن سعید بن ابی هلال عن ابی الدرداء قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : اکثروا الصلاة علی یوم الجمعة .... لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان. (حقیقۃ التوسل ووسیلۃ علی ضوء

الکتاب والسنۃ طبع عالم الکتب بیروت طبع دوم ۱۹۸۵ھ)

خالد بن زید سے روایت ہے کہ وہ سعید بن ابی ہلال سے وہ حضرت ابوالدردا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود پڑھا کرو......کوئی شخص بھی درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے وہ کہیں بھی ہو۔

حضرت مولانا محمد نور اللہ قادری چشتی حیدرآبادی فرماتے ہیں:

چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔

کمافی الطبرانی لیس من عبد یصلی علی الابلغنی صوته ... ذکره ابن حجر المکی فی الجوهر المنظم.

(انوار احمدی ص۷۶ مصدقہ جناب حضرت امداد اللہ مہاجر مکی)

جیسا کہ طبرانی میں ہے کہ اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔اس کو طبرانی روایت کیا اور ابن حجر مکی نے ''الجوہر المنظم''میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ یہ الفاظ صحیح اور ثابت ہیں اور محدثین نے ان کا انکار نہیں کیا بلکہ اس صحیح حدیث کی تائید میں دیگر احادیث روایت فرمائی ہیں۔

حدیث طبرانی کے شواہد

حدیث نمبر۲:

عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : یقول ان الله تعالیٰ وعدنی اذا مت ان یسمعنی صلاة من صلی و انا فی المدینة و امتی فی مشارق الارض و مغاربها و قال یا ابا امامة ان الله تعالیٰ یجعل الدنیا کلها فی قبری وجمیع ماخلق الله اسمعه وانظر الیه. (درۃ الناصحین،۲۲۵)

حضرت سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں

نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ جب میرا وصال ہوگا تو مجھ پر درود پڑھنے والے کا درود وہ مجھے سنائے گا۔ حالانکہ میں مدینہ منورہ میں ہونگا اور میری امت زمین کے مشرق و مغرب میں ہوگی اور فرمایا: اے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو میرے روضہ شریف میں کر دیگا اور میں تمام مخلوق خداوندی کی آواز سنونگا اور اسے ملاحظہ فرماؤنگا۔

تو اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر امتی کا درود وسلام سماعت فرماتے ہیں چاہے وہ شخص زمین کے مشرق و مغرب جہاں کہیں بھی ہو۔ اگر ایک فرشتہ ساری مخلوق کی آواز سن سکتا ہے تو پھر پیارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سماعت کا کیا حال ہوگا؟

حدیث نمبر ۳:

حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اصحابی واخوانی صلوا علی فی کل یوم اثنین والجمعة بعد وفاتی اسمع منکم بلا واسطة .

(انیس الجلیس ص ۲۲۲، بحوالہ مقام رسول لشیخ الحدیث محمد منظور احمد دامت برکاتہم العالیہ)

میرے اصحاب اور (تواضعاً فرمایا) میرے بھائیو! مجھ پر ہر پیر اور جمعہ کے روز درود پڑھا کرو۔ میری وفات کے بعد میں بلا واسطہ تمہارا درود سنتا ہوں۔

حدیث نمبر ۴:

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثروا من الصلاة علی یوم الجمعة و لیلة الجمعة فان فی سائر الایام تبلغنی الملئکة صلاتکم الا لیلة الجمعة و یوم الجمعة فانی اسمع صلاة من یصلی علی باذنی.

(نزہۃ المجالس للعلامہ عبدالرحمٰن الصفوری، ۲:۱۱۲ طبع قدیم مصر)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر یوم جمعہ اور جمعرات کو زیادہ درود

شریف پڑھا کرو کیونکہ دیگر تمام دنوں میں تمہارا درود مجھ تک فرشتے پہنچاتے ہیں مگر جمعہ کی رات اور دن کو میں تمہارا درود اپنے کانوں سے سنتا ہوں۔

حدیث نمبر ۵:

قطب وقت ولی کامل عاشق رسول حضرت علامہ محمد بن سلیمان جزولی سید حسنی شاذلی نقل فرماتے ہیں:

وقیل لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارأیت صلوة المصلین علیک ممن غاب عنک ومن یأتی بعدک ما حالھما عنک فقال اسمع صلاة اھل محبتی واعرفھم وتعرض علی صلاة غیرھم عرضا.

(دلائل الخیرات شریف ۳۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایئے جو کہ آپ سے دور ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں اور وہ لوگ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے بعد آئیں گے ان لوگوں کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک کیا حال ہے؟ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل محبت (عشاق) کا درود تو میں خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں اور غیر محبت والوں کا درود مجھے فرشتے پہنچاتے ہیں۔

الحمد للہ علی ذلک ۔اس حدیث شریف سے خود سننے اور فرشتوں کے پہنچانے والی احادیث میں تطبیق بھی ہوگئی یعنی کچھ لوگوں کا درود شریف تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتے پیش کرتے ہیں لیکن عشاق لوگوں کا درود شریف آپ بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں، وہ لوگ چاہے دنیا کے کسی خطے میں بھی ہوں۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت علامہ محمد مہدی بن احمد فاسی (م ۱۰۹۳ھ) فرماتے ہیں:

فقال اسمع یعنی بلاواسطة (صلوة اھل محبتی)الذی یصلون علی

محبة لی وشوقا و تعظیما وظاهرًا سواء صلی علیه المحب له عند قبر او نائیا عنه. (مطالع المسرات بجلا دلائل الخیرات ص ۸۱)

(میں سنتا ہوں) یعنی بلا واسطہ اہل محبت کا درود شریف یعنی جو مجھ پر محبت اور ذوق و شوق کے ساتھ میری تعظیم وعظمت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پڑھتے ہیں چاہے وہ عاشق قبر کے قریب پڑھے یا آپ کی قبر منورہ سے دور دراز کے علاقے میں۔

الحمدللہ! یہ چار احادیث حدیث طبرانی کی شواہد ہیں اور اس کی تائید کرتے ہوئے ثابت کر رہی ہیں کہ حدیث طبرانی بالکل صحیح ہے۔ اور ان احادیث پر کسی بھی مستند عالم دین نے اعتراض نہیں کیا بالخصوص دلائل الخیرات شریف تو صدیوں سے علماء اولیاء کی حرز جان ہے۔ کسی ایک نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں حدیث من گھڑت ہے اور علمائے دیوبند بھی اس کی اجازت دیتے اور لیتے رہے ہیں تو انہوں نے بھی اس اجازت میں کوئی شرط نہیں رکھی اور پھر یہ کتاب تو بالاتفاق بارگاہ نبوت کی مقبول کتاب ہے۔ جیسا کہ کتب میں موجود ہے۔

اور مشہور دیوبندی شیخ الحدیث انور شاہ کشمیری صاحب نے علمائے نجد کا رد کرتے ہوئے دلائل الخیرات شریف کی تعریف کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:"

(ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۲۹، ص ۲۳۰)

اعتراض:

یہ احادیث بلا اسناد ہیں لہذا قابل حجت نہیں ہیں۔

جواب:

یہ احادیث چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر کر رہی ہیں اور بطور تائید پیش کی گئی ہیں اور موضوع بھی نہیں جبکہ منکرین شان نبوت کے امام نے تو لکھا ہے کہ فضائل میں تائیداً موضوع حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

جناب مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب تقویۃ الایمان نے لکھا ہے: والموضوع لایثبت شیاء من الاحکام نعم یوخذ فی الفضائل ما ثبت فضله بغیره تائیداً و

تفصیلاً. (اصول فقہ، ۱۸ طبع الصدف پبلشر کراچی)

اور موضوع حدیث سے احکام میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں فضائل میں اس کو (حجت) پکڑا جائے گا جو فضیلت کہ اس کے غیر کسی اور دلیل سے ثابت ہو چکی ہو تو اس کو تائیداً یا تفصیلاً۔

ان احادیث کو چونکہ تلقی بالقبول حاصل ہے اس لئے اگر ان کی کوئی سند معتبر نہ بھی ہمارے علم میں ہو تب بھی یہ اصولاً قابل قبول ہوں گی، کیونکہ کسی حدیث کو تلقی بالقبول کا درجہ اگر حاصل ہو جائے تو وہ مقبول ہے اگرچہ اس کی سند صحیح نہ بھی مل سکے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله. (التعقبات علی الموضوعات، ۱۲)

بہت سارے علما نے بیان فرمایا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل اہل علم کا قول ہے، اگرچہ اس حدیث کی کوئی سند نہ ہو کہ جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جناب مولانا عبدالحئی لکھنوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قال السیوطی شرح "نظم الدرر" المسمی "البحر الذی زخر" المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح فیما ذکره طائفة من العلماء منهم ابن عبدالبر.

او اشتهر عندائمة الحدیث بغیر نکیر فیما ذکره الاستاذ ابو اسحاق الاسفرائنی وابن فورک او وافق آیة من القرآن او بعض اصول الشریعة.

(الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، ۲۲۹، طبع ثانیہ مصر)

امام جلال الدین سیوطی نے "شرح نظم الدرر" المسمی "البحر الذی زخر" میں بیان فرمایا کہ مقبول حدیث وہ ہے کہ جس کو علما نے قبول کیا ہوا اگرچہ اس کی سند صحیح نہ بھی ہو۔ یہ علماء کی ایک جماعت نے بیان فرمایا جن میں سے امام ابن عبدالبر وغیرہ ہیں یا وہ حدیث ائمہ حدیث کے

نزدیک بغیر نکیر کے مشہور ہو اس کو استاذ ابو اسحاق الاسفرائنی اور ابن فورک نے ذکر کیا ہے۔ یا وہ حدیث قرآن کی کسی آیت کے یا اصول شریعت میں کسی کے موافق ہو۔

حضرت امام سیوطی مزید فرماتے ہیں: قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذاتلقاه الناس بالقبول و ان لم يكن له اسناد صحيح. (تدریب الراوی ۱:۶۷)

اس حدیث میں علماء کی جماعت کے قبول کا قول ہے اور اس کے معنی پر لوگوں کا اجماع ہے جو کہ اس میں سند سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔

حضرت امام احمد فرماتے ہیں: و قد حدثنا ابو بكر المروزى رحمه الله قال سألت ابا عبد الله عن الاحاديث التى تردها الجهمية فى الصفات والرؤية والاسراء و قصة العرش؟ فصححهاابو عبد الله و قال: قد تلقتها العلماء بالقبول نسلم الاخبار كما جاء ت.

(السنۃ للخلال ۱:۲۴۶، ۲۴۷، وطبقات الحنابلۃ ۱:۳۲، ۳۳ لابن ابی یعلی حنبلی)

امام ابو بکر المروزی نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان احادیث کے بارے میں پوچھا کہ جن کو جہمیہ نہیں مانتے یعنی احادیث صفات باری تعالیٰ اس کا دیدار معراج اور عرش معلٰی کے بارے میں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کی تصحیح کی اور فرمایا کہ ان حادیث کو علماء کا تلقی بالقبول حاصل ہے لہذا ہم ان کو مانتے ہیں جیسا کی وارد ہوئی ہیں۔

حضرت امام سیوطی و علامہ عبدالحئی لکھنوی اور علامہ ابن عبدالبر وغیرہم نے جو حدیث کی صحت کے اصول بتلائے ہیں وہ تمام ان احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی علماء نے ان احادیث کو بغیر نکیر کے نقل فرمایا۔

اور پھر یہ قرآن کی آیت کے بھی موافق ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔

جب ان حادیث میں قبول کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں تو پھر ان کو قبول کرنا چاہئے جبکہ یہ احادیث ہیں بھی باب فضائل میں اور فضائل میں تو ضعیف حدیث بھی بالا جماع مقبول ہے جیسا کہ باحوالہ گذر چکا ہے۔

اس کے باوجود جو شخص ان احادیث کو من گھڑت اور نا قابل قبول کہہ کر ٹھکراتا ہے تو وہ حقیقت میں پیارے آقا سید انس و جن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کا منکر ہے اور جو چیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت میں ثابت ہو اس کا انکار نہ کرے گا مگر گستاخ اور بدبخت۔

حضرت امام ابو بکر احمد بن ہارون بن یزید خلال (م ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

قال ابو العباس هارون بن العباس الهاشمى ..... ومن رد فضل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فهو عندى زنديق لايستتاب و يقتل لان الله تعالىٰ عز وجل قد فضله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الانبياء عليهم السلام .

(السنۃ لابن خلال ۱:۲۳۷ طبع دار الرایہ الریاض)

حضرت امام ابو العباس ہارون بن عباس ہاشمی (م ۲۷۰ھ و کان ثقۃ تاریخ بغداد ۱۴:۲۷) نے فرمایا کہ جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی فضیلت کا انکار کرے وہ میرے نزدیک ایسا زندیق ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر فضیلت عطا فرمائی۔

اور آپ مزید فرماتے ہیں:

فالعجب العجب ان النصارى تضحك بنا انا نسلم الفضائل كلها لعيسى عليه السلام تشبه الربوبية . انه كان يحيى الموتى وحده ويبرئ الاكمه والابرص فهذه تكون الا فيه فسلمنا ذلك لعيسى بالرضا والتصديق بكتاب الله عز وجل انكر هذا المسلوب فضيلة لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نحن نفخر على الامم كلها ان نبينا افضل الانبيآء. (السنۃ ۱:۲۴۰)

اور تعجب در تعجب ہے کہ (گستاخان رسول کی وجہ سے) عیسائی ہم پر ہنستے ہیں کہ ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تمام ایسے فضائل تسلیم کرتے ہیں جو بظاہر اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ مردوں کو زندہ کرتے کوڑھی اور برص والے کو تندرست کرتے

تھے۔ یہ اوصاف تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ ہم نے یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تصدیق اور رضا کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلیم کئے ہیں۔ یہ محروم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ہمیں تمام امتوں پر فخر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

و یتولد من هذاالجواب آخر و هو ان تکون الروح کناية عن السمع و یکون المراد ان الله تعالیٰ یرد علیه سمعه الخارق للعادة بحیث یسمع المسلم و ان بعد قطرة.

(الحاوی للفتاوی سیوطی ٢:٥٣،انباءالاذکیاءبحیاۃ الانبیاء ص٤٢ دارالحدیث قاہرہ)

اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ روح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کی سماعت خارق عادت کو لوٹا دیتا ہے اس طرح کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے والے کا (درود) سلام سنتے ہیں خواہ وہ کتنی دور ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام محمد بن عثمان میرغنی صاحب فرماتے ہیں:

انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یسمعک و یراک و لو کنت بعیداً فانه یسمع بالله و یری به فلا یخفی علیه قریب و لا بعید.

(سعادۃ الدارین للامام نبہانی ص ٥٠٨)

یعنی درود وسلام پڑھنے والے تو جان لے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیرے درود پڑھنے کو سنتے اور تجھے دیکھتے ہیں تو اگرچہ (مدینہ منورہ) سے دور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی طاقت سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں لہذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نہ تو کوئی قریب کی چیز پوشیدہ ہے اور نہ ہی دور کی۔

حضرت علامہ امام علی نور الدین حلبی اپنے رسالہ (تعریف اہل الاسلام والایمان) میں فرماتے ہیں:

ورد فی صحیح الاخبار ان الله تبارک و تعالیٰ وکل ملکا بقبر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یبلغه الصلاۃ والسلام من المصلی والمسلم علیه وانه لیلة الجمعة و یومها یسمع ذلک بنفسه و یردبکل حال.

(جواہر البحار ٢:٢١ للامام نبہانی)

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف پر مقرر فرما رکھا ہے جو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صلاۃ وسلام پہنچاتا ہے اور جمعہ کے دن اور رات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور ہر حال جواب دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بدانکہ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم می بیند و می شنود کلام ترا زیرا کہ وی متصف است بصفات اللہ تعالیٰ دیکے از صفات الٰہی آں است کہ انا جلیس من ذکرنی پیغمبر را صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نصیب وافر است ازیں صفت تکملہ۔ (مدارج النبوت جلد دوم)

جاننا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھے دیکھتے اور تیرا کلام سنتے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا ہم نشیں ہوں جو میرا ذکر کرے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس صفت سے وافر حصہ ملا ہے۔

عاشق صادق و ولی کامل حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

و یوید سماع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سلام من یسلم علیه من بعید و قریب مشروعیة السلام علیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی التشهد فی الصلاۃ بصیغة الخطاب اذ یقول المصلی ، السلام علیک ایها النبی و رحمة الله وبرکاته فلو لم یکن صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حیا یسمع جمیع المصلین اینما کانوا باسماع الله له ذلک لما کان لهذا الخطاب معنی.

(شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الحق ص ۲۸۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر اس شخص کے سلام کو جو آپ پر دور و قریب سے سننے پر تائید کرتا ہے وہ نماز کے تشہد میں سلام کا جواز ہے کہ وہ صیغہ خطاب ہے جبکہ نمازی کہتا ہے **السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ.** پس اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ نہیں اور (اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے) تمام نمازیوں سے چاہے وہ کہیں بھی ہوں درود وسلام نہیں سنتے تو اس خطاب کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتا۔

حضرت امام علامہ زین الدین ابو بکر بن الحسین بن عمر مراغی (م ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں:

اعلم ان کتب السنۃ متضمنۃ لاحادیث دالۃ علی ان روح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ترد علیہ و انہ یسمع و یرد علیھم السلام.

(تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الھجرۃ ص ۱۱۶)

جاننا چاہئے کہ کتب حدیث ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کی روح لوٹا دی گئی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درود وسلام خود سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

حضرت امام الحرمین فرماتے ہیں:

شہرستانی در غایۃ المرام از امام الحرمین نقل می کند کہ گفت پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ است صلاۃ وسلام یکے بروے میفرستند استماع میکنند۔ (جذب القلوب ص ۲۱۰)

امام شہرستانی نے اپنی کتاب غایت المرام میں امام الحرمین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جو لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں، آپ اسے سنتے ہیں۔

حضرت مولانا انوار اللہ حیدر آبادی فرماتے ہیں:

ان روایات سے یہ بات ثابت کہ ایک فرشتہ تمام روئے زمین کے درود سنتا ہے اور

خدمت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرض کرتا ہے اور اس کو ویسی ہی سماعت دی گئی ہے جیسے ان فرشتوں کو دی گئی ہے جو اس کام پر مقرر ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کریں جن کا حال ابھی معلوم ہوا۔ جب اتنی حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہے اور آن واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں۔

تو اب اہل ایمان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا۔ اس لئے کہ مبنی شک وانکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفت لازم آتا ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام میں یہ صفت موجود ہے تو چاہئے کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بطریق اولیٰ اور بدرجہ اتم ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمادی۔ (انوار احمدی ۷۵، طبع فیصل آباد)

امام العارفین حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی فرماتے ہیں:

''درود کے پاک آداب سے یہ ہے کہ درود پاک پڑھتے وقت یہ خیال رکھے کہ آپ حاضر ہیں اور سن رہے ہیں۔'' (مقاصد السالکین ص ۵۶)

قطب وقت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری فرماتے ہیں:

''رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص محبت سے درود شریف پڑھے اس کو میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں.......

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حیَّ و زندہ ہونا قبر شریف اور استماع حالت حیات و ممات میں اور واقف ہونا احوال زائرین سے بلکہ تمام امت کے احوال خیر وشر کا پیش ہونا حضور میں خصوصاً جمعہ کے دن درود شریف اہل محبت کا، سمع شریف سے سننا اور جو روضۂ انور پر حاضر ہوکر سلام عرض کرے اس کا جواب دینا ثابت ہے۔ (ملفوظات امیر ملت ص ۷۵)

ولی کامل حضرت میاں محمد بخش عارف کھڑی شریف فرماتے ہیں:

موڑ دیوے رب روح اسانوں کہیا شاہ عالی
روح مراد ایتھے شنوائی خرق عادت دے والی

جوشنوائی دنیا اتے خرق عادت دی ہے سی
دوروں نزدیکوں سنن گل کرے کوئی کیسی
کر انصاف توئیں اے منکر اندر سنن نبی دے
عرشوں تحت ثری تک سندے اندر بند بعیدے
پہلی حالت نالوں اوسدی ہے ہم پچھلی بہتر
قبر اندر کیوں سندا نائیں سب نبیاں دا مہتر

(ہدایت المسلمین میاں محمد بخش ص ٦٢)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی قوت سماعت عطا فرمائی ہے کہ آپ اپنے امتیوں کا درود وسلام بالواسطہ اور بلا واسطہ ہر طریقے سے سماعت فرماتے ہیں اور اس میں استحالہ بھی کوئی نہیں یہ طاقت تو آپ کے وسیلہ وصدقہ سے آپ کے کئی غلاموں کو عطا فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ ایک فرشتہ کو ساری مخلوق کی آوازیں سننے کی طاقت عنایت فرمائی گئی ہے۔ اس حدیث کی تحقیق وتخریج پہلے صفحات میں گذر چکی ہے۔ اور ایک حدیث قدسی میں وارد ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب و ما تقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا و ان سألتی لاعطینہ ....

(صحیح بخاری ٢: ٩٦٣، نوادر الاصول ص ٧١، ١١٥)

بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے ولی کی دشمنی کی میں نے اس سے اعلان جنگ کر دیا اور جن چیزوں کے ذریعہ بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے ان میں سے سب سے

زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔

اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

و کذلک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت لہ سمعا و بصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعا لہ سمع القریب والبعید و اذا صار ذلک النور بصرا لہ رای القریب والبعید و اذا صار ذلک النور یدا لہ قدر علی التصرف فی الصعب والسہل والبعید والقریب۔

(تفسیر کبیر، زیر آیت ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم)

جب بندہ نیکیوں پر مواظبت کرتا ہے تو وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت لہ سمعا و بصرا فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کے کان بن جاتا ہے تو وہ شخص دور ونزدیک سے سنتا ہے اور جب یہی نور اس کی آنکھیں ہو گیا تو وہ دور ونزدیک سے دیکھتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو یہ ولی مشکل اور آسان دور ونزدیک میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

حضرت امام شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

و ذکروا ان من القوم من یسمع فی اللہ وللہ وباللہ من اللہ جل وعلا و لایسمع بالسمع الانسانی بل یسمع بالسمع الربانی کما فی الحدیث القدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ................انتہی۔

(تفسیر روح المعانی پ ٢٥: ١٠٢)

عارفین (اولیاء) نے ذکر کیا کہ قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ میں اللہ کے لئے اللہ کے ساتھ اللہ سے سنتے ہیں وہ انسانی سماعت سے نہیں سنتے بلکہ ربانی سماعت سے سنتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ جن سے سنتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام اولیائے کرام وامتیوں کی یہ شان ہے تو آقا دوجہاں امام الانبیاء والمرسلمین محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوت سماعت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوت بصارت کی کیا شان اقدس ہوگی۔

حضرت فاروق اعظم کا دور سے دیکھ کر آواز پہنچانا اور حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور سے آواز سننا:

عن ابن عمر ان عمر بعث جيشا وامر عليهم رجلا يدعى سارية فبينما عمر رضى الله تعالىٰ عنه يخطب فجعل يصيح يا سارية الجبل. فقدم رسول من الجيش فقال يا امير المومنين لقينا عدونا فهزمونا فاذا صائح يصيح يا سارية الجبل فاسندنا ظهورنا الى الجبل فهزمهم الله فقلنا لعمر كنت تصيح بذلك.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر امیر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی آدمی کو بنایا ایک مرتبہ حضرت عمر نے خطبہ دیتے ہوئے پکارا اے ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑ کی طرف ہوجا (تین مرتبہ فرمایا) لشکر سے ایک پیغام لانے والا آیا اور کہا اے میر المومنین ہم دشمن سے ملے پس ہم شکست کے قریب تھے کہ ایک پکارنے والے نے پکارا اے ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑ کی طرف ہوجا۔ پس ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی طرف کر لی پس دشمن کو شکست ہوگئی۔ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ آپ نے یہ آواز دی تھی۔

تخریج حدیث:

۱۔ دلائل النبوۃ لفظہ لہ — لاامام بیہقی ۶:۳۷۰

۲۔ دلائل النبوۃ — لاامام لابی نعیم — ۲:۵۷۹،۲:۵۸۱
۳۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ — لاامام لالکائی — ۷:۱۳۳۰،۱۳۳۱
۴۔ کرامات اولیاء اللہ — " — ۱۲۸، برقم ۶۷
۵۔ کرامات اولیاء — ابن الاعرابی = بحوالہ تخریج الاربعین السلمیۃ فی التصوف
۶۔ فوائد — الدیر عاقولی = التصوف۔ للسخاوی ۴۴
۷۔ الاربعین — ابوعبدالرحمٰن السلمی مع تخریج للسخاوی ۴۴
۸۔ الطبقات الکبری
۹۔ تاریخ الامم والملوک — لاامام طبری ۳:۲۵۴
۱۰۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی — ۲:۱۶۶
۱۱۔ طبقات الشافعیۃ الکبری — تاج الدین السبکی ۲:۳۲۴ طبع جدید ص ۳۶۵
۱۲۔ کتاب الاعتقاد — امام بیہقی — ۲۰۳
۱۳۔ تہذیب الاثار — عبدالملک بن محمد الخرکوشی ۷، ۴۷، ص ۳۶۲

امام زرکشی فرماتے ہیں:

و قد افرد الحافظ قطب الدين عبدالكريم الحلبى لهذا الحديث جزءاً ووثق رجال هذه الطريق (اللآلئ المنثورہ فی الاحادیث المشہورۃ ص ۱۶۷) حافظ قطب الدین عبدالکریم حلبی نے اس حدیث کے طرق پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور اس سند کے تمام راویوں کی توثیق کی ہے۔

امام حافظ سخاوی فرماتے ہیں: **و هو اسناد حسن.**

(تخریج احادیث السلمیۃ فی التصوف للسخاوی ص ۴۵، والمقاصد الحسنۃ ص ۷۳۷)

اور وہ سند حسن ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

قلت وللقصة طرق منها ما روی ابن مردوية من طريق ميمون بن مهران عن ابن عمر عن ابيه .... و منها ما اخرج الواقد ی عن اسامة بن زيد بن اسلم عن ابيه .... و منها ما اخرج الواقدی عن اسامة بن زيد بن اسلم عن ابيه ...... و منها ما روی سيف عن ابی عثمان و ابی عمرو بن العلاء. (تخریج احادیث السلمیۃ فی التصوف ص ۴۷،۴۸)

میں کہتا ہوں کہ اس قصہ کے کئی طرق ہیں۔ ان میں سے ایک طریق وہ جس کو ابن مردویہ نے میمون بن مہران عن ابن عمر عن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے اور ایک وہ جس کو واقدی نے اسامہ بن زید بن اسلم عن ابیہ کی سند سے بیان فرمایا اور وہ جس کو سیف نے عثمان اور ابو عمرو بن العلاء کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت امام شامی فرماتے ہیں:

والاثر عن امير المومنين عمر رضی الله تعالیٰ عنه صحيح انه قال يا سارية. (اجلبۃ الغوث فی رسائل ابن عابدین ۲:۲۷۹)

اور حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ اثر صحیح سند سے ثابت کہ آپ نے فرمایا: يا ساريه الجبل.

صدیق الحسن بھوپالوی غیر مقلد نے تحریر کیا ہے:

''چنانچہ لوگ اب تک اس غار کو معظم جان کر تبرک حاصل کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں قصہ ساریہ کو بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اور لالکائی نے شرح السنۃ میں اور دیر عاقولی نے فوائد میں اور ابن الاعرابی نے کرامات اولیاء میں اور خطیب نے رواۃ مالک عن نافع عن ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ الفاظ کا کچھ فرق ہے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے کہ اسنادہ حسن.

(تکریم المؤمنین بتقویم مناقب خلفاء الراشدین ص ۶۱)

مولوی احمد حسن دہلوی غیر مقلد نے لکھا ہے:

اخرجه ايضاً ابو عبد الرحمن السلمی فی الاربعين و ابن الاعرابی فی کرامات اولياء و ابو نعيم فی الدلائل واللالکائی فی السنة وابن عساکر فی مسنده (و حسن الالبانی اسناده) و قال الحافظ ابن حجر فی الاصابة (۲:۳) اسناده حسن (وقال الحافظ ابن کثير هذا اسناده جيد حسن) (البداية ۷:۱۳۱) و اخرجه ايضا الخطيب فی رواة مالک و ابن عساکر فی مسنده وابن مردويه بنحوه ....

(تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ ۴:۱۹۳، باب الکرامات حوالہ)

اس کو ابو عبدالرحمٰن سلمی نے اربعین اور ابن اعرابی نے کرامات اولیاء ابو نعیم نے دلائل و لالکائی نے سنہ اور ابن عساکر نے مسند میں روایت کیا (البانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے) اور حافظ ابن حجر نے اصابہ ۲:۳ میں اس کی سند کو حسن کہا اور حافظ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ ۷:۱۳۱'' میں کہا کہ اس کی سند پختہ اور حسن ہے اور اس کو خطیب نے رواۃ مالک اور ابن عساکر نے بھی اپنی مسند میں اور ابن مرویہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

لاحمدحسن دهلوی و ابی سعيد محمد شرف الدين دهلوی مع الاستدراکات حافظ صلاح الدين يوسف و حافظ نعيم الحق نعيم کلهم . من غير المقلدين.

جس پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کی یہ شان ہے تو اس کی اپنی کیا شان مبارک ہوگی۔ لیکن نہ جانے منکرین شان رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا بیماری ہے کہ ہر عظمت وشان والی چیز میں ان کو کچھ نہ کچھ عیب کیوں نظر آتے ہیں۔

ارے تجھ کو کھائے تپ سقر
تیرے دل میں کس سے بخار ہے

حدیث نمبر۱۹:

و اخبرنا ابو عبد الله الحافظ نا ابو عبد الله الصفا انا ابو بكر بن ابى الدنيا حدثنى سويد بن سعيد حدثنى ابن ابى الرجال عن سليمان بن سحيم قال: رأيت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى النوم قلت يا رسول الله ! هؤلاء الذين يأتون فيسلمون عليك اتفقه سلامهم قال: نعم وارد عليهم.

حضرت سلیمان بن سحیم (تابعی، ثقہ) نے فرمایا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ کیا آپ ان کا سلام سنتے اور سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! ہم ان کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

تخریج حدیث:

شعب الایمان لفظ لہ	امام بیہقی	۴۹۱:۳
تہذیب تاریخ دمشق	ابن عساکر	۳۶۵:۳
احیاء العلوم	امام غزالی	۵۲۲:۴
کتاب العاقبہ	عبدالحق اشبیلی	۱۱۹
الشفا	قاضی عیاض	۶۴:۲
مرشد الزوار قبور الابرار	موفق الدین بن عثمان (م ۶۵۱)	۳۶:۱

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں اور صلاۃ وسلام سنتے اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ اور کئی خوش بخت حضرات آپ کے جواب کو سماعت بھی فرماتے ہیں۔

اس کی شاہد کئی احادیث ہیں جن میں سے کچھ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

حدیث نمبر۱:

حدثنا احمد بن عيسىٰ حدثنا ابن وهب عن ابى صخر ان سعيداً المقبرى اخبره انه سمع ابا هريرة يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: والذى نفس ابى القاسم بيده لينزلن عيسى بن مريم اماما مقسطا وحكماً عدلاً و ليصلحن ذات البين وليذهبن الشحناء و ليعرضن عليه المال فلا يقبله احد. ثم لئن قام على قبرى فقال يا محمد لاجيبنه.

(مسند ابی یعلیٰ بتحقیق الاثری ۱۰۱:۶ موسسۃ علوم القرآن ۶۲۴۲:۱۱ دار المامون للتراث بیروت)

بسند مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان ہے۔ البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام امام منصف اور حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے۔ یقیناً صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ لوگوں کے آپس میں معاملات درست فرمائیں گے اور لوگوں کی ایک دوسرے سے دشمنیاں ختم کر دیں گے اور مال پیش کریں گے تو کوئی اس کو نہ لے گا۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے۔ یا محمد تو میں ضرور بالضرور ان کو جواب دونگا۔

اور مستدرک حاکم کے الفاظ اس طرح ہیں: و ليأتين قبرى حتى يسلم على ولاردن عليه. (مستدرک ۵۹۵:۲)

وہ میری قبر پر حاضر ہو کر مجھے سلام عرض کریں گے تو میں یقیناً ان کو جواب دونگا۔

امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام ذہبی نے فرمایا صحیح ہے۔

امام ابوبکر ہیثمی فرماتے ہیں:

رواه ابويعلى ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد)

اس کو امام ابویعلی نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح بخاری ۲۱۱:۸ باب ذکر الانبیاء کے راوی ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

قلت: ھو فی الصحیح بغیر ھذا السیاق. (العلی فی زوائد ابی یعلی ۴:۱۳۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت صحیح بخاری ۱:۴۹۰ میں ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

المقصد امام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف پر یہ باب باندھا حیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قبرہ۔

(المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ ۴:۲۳،۴:۳۴۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں باحیات ہیں۔

جہاں اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاۃ فی القبر ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے حج یا عمرہ کرنے والے شخص کو روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہوکر حاضر کے صیغے سے صلاۃ وسلام پیش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سنت انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم ہے اور حج وعمرہ کے بعد مدینہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر نیت کر کے جانا جائز ہی نہیں بلکہ انبیائے کرام کا مبارک طریقہ ہے۔

اعتراض:

اس حدیث شریف پر منکرین شان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

مسند احمد میں لیا تین قبری حتی یسلم علی و لاردن علیہ .... کے الفاظ ہی نہیں اور مستدرک حاکم میں یہ الفاظ ہیں۔ مگر حاکم کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ (محمد بن اسحاق پر مؤلف نے طویل جرح کی ہے)........ اور باقی حدیث کی کتاب میں یہ الفاظ صحیح سند کے ساتھ کہیں نہیں ملتے۔ اور کیا عجب ہے کہ یہ محمد بن اسحاق کے دجل وکذب کا ہی کرشمہ ہو۔

(از شیر محمد آئینہ تسکین الصدور، ۱۳۴)

جواب:

قارئین محترم! یہ ہے ان حضرات کی تحقیق اور دیانت۔ اصل میں جو شخص انبیائے کرام کا گستاخ ہو تو اسے اچھی و بری، پاک و ناپاک اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ جہاں فضیلت مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی روایت دیکھی، فوراً اس کو رد کرنے پر تل گئے اور اپنی قسمت و قبر کی طرح صفحات سیاہ کرنے شروع کر دیئے۔ مولوی مذکور نے اس رویت کے صرف ایک راوی محمد بن اسحاق پر جرح چار صفحات میں نقل کی ہے۔ حالانکہ اس میں محمد بن اسحاق متفرد نہیں ہے ہم نے مانا کہ کہ محمد بن اسحاق ضعیف بلکہ زبردست ضعیف ہے لیکن کہاں؟ احکام میں حلال وحرام میں، فضائل اور تاریخ میں یہ راوی امام اور اتنا ہی ثقہ ہے جتنا کہ احکام میں کمزور ہے اور یہ حدیث شریف تو باب فضائل میں سے ہے لہٰذا یہاں اگر یہ متفرد بھی ہوتا تو قابل قبول تھا جبکہ ہماری پیش کردہ روایت مسند ابی یعلی کی سند میں تو یہ راوی سرے سے ہے ہی نہیں۔

اور مسند ابی یعلی کی سند کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں جیسا کہ امام ہیثمی کے حوالہ سے گذرا۔ اس سند کا پہلا راوی احمد بن موسی ہے۔ اس سے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔

دوسرا راوی ابن وہب یعنی عبداللہ بن وہب بن مسلم ہے۔ جو کہ زبردست ثقہ راوی ہے۔ اس سے بھی حضرات شیخین نے صحیحین میں روایت لی ہے۔

تیسرا راوی ابو صخر یعنی حمید بن زیاد

اس سے امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے جبکہ امام احمد، یحیی بن معین، ابن عدی وغیرہ نے اس کی توثیق فرمائی ہے۔

(تہذیب الکمال ۵:۲۴۳،۲۴۴)

چوتھا راوی، سعید بن ابی سعید المقبری۔ یہ صحیحین کا مرکزی راوی ہے۔ اور زبردست ثقہ ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القبر کی زبردست دلیل ہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے ....لا مذہبوں کے ذہبئ زمان زبیر علی زئی نے لکھا اس کی سند حسن ہے اس کے تمام راوی جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔(ماہنامہ محدث ص ۳۳، ماہ جولائی ۱۹۹۵ء) (خادم مناظر اسلام قاری محمد ارشد مسعود عفی عنہ)

حدیث نمبر ۲:

روضہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اذان و اقامت کی آواز آنا:

عن سعید بن المسیب قال : لقد رأیتنی لیالی الحرة و ما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیری و ما یاتی وقت صلاة الا سمعت الاذان من القبر ثم اتقدم فاقیم واصلی وان زمرا فیقولون : انظروا الی الشیخ المجنون. (دلائل النبوۃ لابن نعیم ۲:۵٦۷) لفظ لہ)

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ایام حرہ کی راتوں میں میں نے خود کو یوں پایا کہ مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی نہ ہوتا تھا اور جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو مجھے قبر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اذان کی آواز آتی تو میں آگے بڑھ کر اقامت کہتا اور نماز پڑھ لیتا جبکہ اہل شام مسجد میں گروہ در گروہ آتے اور کہتے کہ اس پاگل بوڑھے کو دیکھو۔

الفصل الثامن والعشرون، زبیر بن بکار فی اخبار المدینۃ بحوالہ سبل الہدی والرشاد للشامی ۱۲: ۳۵۷

کرامات اولیاء اللہ۔ امام لالکائی ۹: ۱۸۳، سنن الدارمی۔ امام دارمی ۱: ۴۳، طبقات الکبریٰ لابن سعد ۵: ۱۳۲، باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

یہ صحیح اثر بتا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں۔ اور پانچوں وقت اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں جیسا کہ حضرات فقہاء و محدثین نے فرمایا ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں:

لحیاته فی قبره یصلی فیه باذان و اقامة .(زرقانی شرح المواہب ۸:۱٦۹)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور اذان و

اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

و هو حیی فی قبره یصلی فیه بأذان و اقامة و كذلك الانبياء.

(کشف الغمہ عن جمیع الامۃ ۱:٦۷ کتاب النکاح)

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔ ایسے ہی دیگر انبیائے کرام بھی ادا فرماتے ہیں۔

اس اثر پر بھی منکرین و معاندین نے چند اعتراضات کئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

مسعود الدین عثمانی نے کہا:

ایک نا قابل اعتبار روایت بیان کی جاتی ہے کہ ''واقعہ الحرۃ'' کے زمانہ جو ذوالحجہ ٦۳ھ میں پیش آیا۔ تین رات دن مسجد نبوی میں نہ تو اذان دی جا سکی نہ اقامت ہوئی۔ لیکن سعید بن مسیّب نے مسجد نہیں چھوڑی۔ وہ نماز کا وقت قبر نبوی سے آنے والی ایک دبی دبائی آواز سے معلوم کر لیتے۔ (رواہ الدارمی، مشکوۃ ۵۴۵)

سند یوں ہے: **اخبرنا مروان بن محمد عن سعید بن عبدالعزیز** (عن سعید بن المسیب)

اور یہ دونوں نا قابل اعتبار ہیں۔

سعید بن عبدالعزیز کا سعید بن مسیّب سے سماع ثابت نہیں۔ اس لئے یہ روایت منقطع ہے اور مروان بن محمد کو حزم نے ضعیف کہا اور عقیلی کہتے ہیں کہ وہ گروہ مرجیہ میں سے تھا۔

(میزان الاعتدال ۳:۱٦۳)(یہ قبریں یہ آستانے ص ۲۱)

جواب:

معترض مذکور نے اس صحیح روایت کو نا قابل اعتبار ثابت کرنے کے لئے دو اعتراض کئے ہیں جو کہ بالکل غلط اور معترض مذکور کی جہالت اور علم حدیث سے ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ا۔ مروان بن محمد اور سعید بن عبدالعزیز دونوں نا قابل اعتبار ہیں ، کیوں؟ سعید بن عبدالعزیز کا سعید بن مسیّب سے سماع ثابت نہیں۔

اور یہ بات صحیح بھی ہو تو اس سے راوی نا قابل اعتبار کیسے ہوا؟ یہ قانون کس نے کہاں تحریر فرمایا ہے؟ عثمانی کا کوئی گمراہ مرید اس کا جواب دے گا......؟ ہمیں انتظار رہے گا۔

حالانکہ یہ بات ہی غلط ہے۔ جناب سعید بن عبدالعزیز جو کہ زبردست ثقہ امام ہے اس کی حضرت سعید بن مسیّب سے ملاقات کا قوی امکان موجود ہے، لہذا یہ روایت منقطع نہیں بلکہ متصل ہے، کیونکہ حضرت سعید بن مسیّب کی وفات بقول واقدی ۹۴ھ اور بقول ابونعیم ۹۳ھ (تہذیب الکمال ۷:۳۰۳) اور امام یحیی بن معین کے قول کے مطابق ان کی وفات ۱۰۰ھ ہے۔

(تہذیب التہذیب ۴:۸۶)

جبکہ سعید بن عبدالعزیز کی ولادت حسن بن بکار بن بلال کے قول کے مطابق ۸۳ھ ہے، لہذا کم از کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ سترہ سال کا عرصہ ہے، کیا اتنے سالوں میں آدمی دوسرے سے ملاقات نہیں کر سکتا؟

اور سند کے اتصال کے لئے امکان لقا ہی کافی ہے جیسا کہ اصول کی کتب میں تفصیل موجود ہے۔ لہذا یہ روایت منقطع و مرسل نہیں بلکہ متصل ہے۔

دوسرا اعتراض کہ مروان بن محمد کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے اور عقیلی کہتے ہیں کہ وہ گروہ مرجیہ میں سے تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ مروان بن محمد زبردست ثقہ اور ثبت ہے۔ اور جہاں تک اس کا مرجی ہونا ہے تو جب تک اپنے عقیدہ کے بارے میں روایت نہ کرے اس وقت تک جرح ہی تصور نہیں ہوگی۔ امام ابوحاتم اور صالح بن محمد الحافظ نے فرمایا ثقہ ہے۔

امام عبداللہ بن یحیی بن معاویہ الہاشمی نے فرمایا میں نے تین طبقات پائے ان میں سے ایک سعید بن عبدالعزیز کا اور اس طبقہ میں میں نے مروان بن محمد سے زیادہ خاشع شخص نہیں دیکھا۔ امام سلیمان الدرانی نے کہا کہ میں نے کوئی شامی مروان بن محمد سے افضل نہیں دیکھا۔ ان

سے کہا گیا کہ اس کا شیخ سعید بن عبدالعزیز اور یحیی بن حمزہ بھی نہیں تو انہوں نے فرمایا وہ بھی نہیں۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا۔

امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام احمد نے فرمایا تمہارے پاس تین محدث ہیں: مروان بن محمد، ولید بن مسلم اور ابو مسہر۔

ابن معین نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ دارقطنی نے کہا ثقہ ہے۔

(تہذیب الکمال ۱۸:۱۹،۲۰)

جب محدثین کے اتنی کثیر تعداد بالاتفاق اس کی توثیق فرما رہی ہے تو پھر ابن حزم کا اس کو ضعیف کہنا اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا ویسے بھی ابن حزم کا رد کیا گیا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وضعفه ابو محمد بن حزم خطأ لانا لا نعلم له سلفا فی تضعيفه.

(تہذیب التہذیب ۱۰:۹۶)

اس کو ضعیف کہنا ابن حزم کی غلطی ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ ابن حزم سے پہلے بھی کسی نے اس کو ضعیف کہا ہو۔

لہذا عثمانی کا اس کو ضعیف قرار دے کرنا قابل اعتبار کہنا اپنے ایمان کو ہی نا قابل اعتبار کرنے کے مترادف ہے۔

محمد حسین نیلوی مماتی نے اعتراض کیا ہے:

اس میں ایک راوی سعید بن عبدالعزیز جو ثقہ امام ہے۔ **لكنه اختلط فی آخر عمره** (تقریب) لیکن اس کی آخر عمر میں حافظہ خلط ملط ہو گیا تھا۔ (ندائے حق ۱:۳۷۴)

معلوم ہوتا ہے کہ جناب نیلوی صاحب کو مختلط کی روایت کے قبول اور عدم قبول کے اصول کا ہی علم نہیں ورنہ ایسی ادھوری اور بے تکی بات ہرگز نہ تحریر کرتے۔

مختلط کی روایت کے قبول اور عدم قبول کا اصول امام بن صلاح فرماتے ہیں:

والحكم أنه يقبل حديث من اخذ عنهم قبل الاختلاط و لا يقبل

حدیث من اخذ عنهم بعدالاختلاط أو أشكل امره فلم يدر هل اخذ عنه قبل الاختلاط أو بعده. (مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقیید والایضاح ۴۴۲)

ان (مختلطین) میں حکم یہ ہے کہ ان کی احادیث اختلاط سے پہلے روایت لینے والوں سے قبول کی جائے گی اور جن راویوں نے ان سے اختلاط کے بعد روایت لی یا ایسے راوی کہ جن کے بارے میں یہ امر مشکل ہو کہ انہوں نے اختلاط سے پہلے روایت لی یا بعد میں تو ایسے راویوں سے روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ اصول امام ابن حبان نے بھی بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین ۲:۱۲۹۵، ترجمہ محمد بن فضل)

تو ثابت ہوا کہ ہر مختلط کی روایت ہر حالت میں مردود نہیں ہوگی بلکہ جب ان سے روایت کرنے والا راوی اگر اختلاط سے پہلے روایت کرنے والا ہے تو روایت مقبول اور صحیح ہوگی۔

اور یہاں اس روایت میں سعید بن عبدالعزیز سے راوی، مروان بن محمد ہے جو کہ اس سے قبل الاختلاط روایت کرتا ہے۔

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں: **و اعلم أن من كان من هذا القبيل محتجا بروايته في الصحيحين او احدهما فانا نعرف على الجملة ان ذلك مما تميز كان ماخوذا عنه قبل الاختلاط.** (مقدمہ ابن الصلاح مع شرح ۴۶۶)

اور اس قبیل کے راوی جن سے صحیحین یا ان میں کسی ایک میں راویت لی گئی ہے تو ہم پہنچانیں کہ اس سے روایت کرنے والے نے اختلاط سے پہلے روایت لی ہے۔

اور مروان بن محمد کی روایت سعید بن عبدالعزیز سے صحیح مسلم میں موجود ہے لہذا ثابت ہوا کہ مروان بن محمد نے سعید بن عبدالعزیز سے ان کے مختلط ہونے سے پہلے روایت لی ہے۔

سعید بن عبدالعزیز کے متابع:

اور پھر جناب نیلوی وعثمانی اور ان کے حواریوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس روایت میں

سعید بن عبدالعزیز متفرد بھی نہیں ہے۔ اگر چہ وہ متفرد ہونے کے باوجود بھی اتنا ثقہ ہے کہ اس کی روایت صحیح ہے۔ یہاں تو اس کے ثقہ متابع موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اخبرنا الوليد بن عطاء بن الأغر المكى قال: اخبرنا عبدالحميد بن سليمان عن ابى حازم قال: سمعت سعيد بن المسيب يقول.

(طبقات الکبریٰ لابن سعد ۵:۱۳۲، کرامات اولیاء اللہ للامام لالکائی ۹:۱۸۳)

اخبرنا محمد بن عمر قال: حدثني طلحة بن محمد بن سعيد عن ابيه قال: كان سعيد بن المسيب ايام الحرة في المسجد ....

(طبقات الکبریٰ لابن سعد ۵:۱۳۲)

پہلی سند میں سعید بن عبدالعزیز کا متابع ابوحازم سلمہ بن دینار ہے جو کہ صحیحین کا زبردست ثقہ راوی ہے۔ نہ تو اس کے بارے میں جرح ہے کہ یہ مختلط ہو گئے تھے اور نہ ہی ان کی سعید بن مسیّب سے ملاقات پر اعتراض ہے۔ جبکہ دوسری سند میں سعید بن عبدالعزیز کا متابع محمد بن سعید ہے جو کہ حضرت سعید بن المسیب کا بیٹا ہے اور یہ بھی ثقہ ہے۔

جب یہ روایت سند ومتن کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے تو اس کو ماننا ہی مسلمانی ہے۔ لیکن ایک نام نہاد (غیر مقلد) اہل حدیث کی بھی سنئے کہ وہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔

واقعہ حرہ میں سعید بن المسیب کا مسجد نبوی میں اذان سننا مدعا کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے۔ سعید بن المسیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز نہیں پہچانتے تھے ممکن ہے یہ آواز کسی پاکباز جن یا فرشتہ کی ہو۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی کیسے ثابت ہوئی۔ (تحریک آزدی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدید مساعی ص ۴۱۶، از مولوی اسمٰعیل سلفی)

استغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ، یہ ہے ان لوگوں کا گندہ عقیدہ قبر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی پاک باز جن یا فرشتہ تو نہیں بولا البتہ اس مولوی مذکور کی زبان وقلم پر ضرور کسی خبیث جن یا ابلیس کا قبضہ ہے۔ آج تک کسی راسخ العقیدہ مسلمان نے یہ قول نہیں کیا سوائے ابن تیمیہ یا اس کی ذریت کے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تو ارشاد فرمایا کہ میری قبر پر فرشتہ ہے جو مجھے تمہارا (امت کا) درود وسلام پہنچاتا ہے۔ یہ کسی حدیث شریف میں نہیں کہ جن یا فرشتہ میری قبر میں اذان دیا کریگا۔ اگر کوئی ایسی حدیث ہے تو اس کا حوالہ سلفی صاحب کے حواریوں کی طرف سے آنا چاہئے۔

اور اگر نہیں تو وہ اپنی دیگر گستاخیوں کے ساتھ ساتھ اس گستاخی کی سزا بھی بھگت رہا ہوگا۔ اب اس کے حواریوں کو ہی اپنی گستاخانہ ذہنیت سے توبہ کر لینی چاہئے، یہ تو وہ بارگاہ ہے کہ جس کے بارے میں کسی نے کہا:

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے

اور ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

شاہد نمبر ٣:

عن ابن بشار قال حججت فی بعض السنین فجئت المدینة فتقدمت الی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فسلمت علیہ فسمعت من داخل الحجرة و علیک السلام.

(ابن النجار بحوالہ سبل الہدی والدشار ١٢: ٣٥٧، شفاء السقام ١٥، جذب القلوب ١٩٩)

حضرت امام ابراہیم بن بشار فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا تو مدینہ شریف حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی طرف گیا اور سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔

شاہد نمبر ۴:

ابن نجار روایت کرتے ہیں:

اخبرنی ابو محمد داود بن علی بن محمد بن ھبة اللہ بن المسلمة قال: انبأ ابو الفرج المبارک بن عبد اللہ بن محمد بن النقور قال حکی لی

شیخنا ابو نصر عبد الواحد عبدالملک بن محمد بن ابی سعد الصوفی الکرجی قال: حججت علی الانفراد و قصدت المدینة صلوات اللہ علی ساکنها قبل الحج لزیارة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والحج بعد ذلک لا حظی بزیارة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجلست عند الحجرة فبینا أنا جالس اذ دخل الشیخ ابو بکر الدیاربکری و وقف ، بازاء وجه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقال: السلام علیک یا رسول اللہ ، فسمعت صوتا من الحجرة و علیک السلام یا ابا بکر فقلت للشیخ ابی نصر الکرجی مستثبتاً: یا سیدی: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد علیہ : فقال سمعت من داخل الحجرة: وعلیک السلام یا ابا بکر و سمعه من حاضر.

(ذیل تاریخ بغداد ابن نجار ١٦: ٢٥۴، ٢٥٥)

بسند مذکور حضرت امام عبد الواحد بن عبدالملک بن محمد بن نقود الکرجی قطب وقت فرماتے ہیں کہ میں نے اکیلے حج کیا اور حج سے پہلے مدینہ طیبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضری دی۔ پس میں مدینہ داخل ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی (قبر منورہ) کی زیارت کی اور حجرہ پاک کے قریب بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے کے دوران ہی شیخ ابوبکر دیار بکری حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ تو میں نے حجرہ شریف سے آواز سنی وعلیک السلام اے ابوبکر، راوی کہتا ہے میں نے شیخ ابونصر الکرجی سے پوچھا اے میرے آقا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سلام کا جواب سنا تو انہوں نے فرمایا میں نے اور اس وقت جتنے لوگ حاضر تھے سب نے حجرہ سے سنا السلام علیک یا ابا بکر.

ایسے بیشمار واقعات ہیں کہ بعض اولیائے کرام علیہم الرحمہ نے جواب سنا، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں صلوۃ وسلام سنتے ہیں اور

جواب بھی دیتے ہیں۔ انبیائے کرام کی قبور پر جا کر ان سے سوال کرنا یہ سنت انبیاء اور ان حضرات کا قبور سے جواب دینا یہ بھی حضرات انبیائے کرام کی سنت ہے۔

حیاۃ اور کلام فی القبر کا عجیب واقعہ:

حدثنا ابن فضیل عن سلیمان التیمی عن سفیان عن ابی اسحاق عن عمارۃ بن عبد عن علی قال: انطلق موسیٰ و ھارون علیھم السلام و انطلق شبر و شبیر. فانتھوا الی جبل فیه سریر فنام علیه ھارون فقبض روحه فرجع موسیٰ الی قومه فقالوا انت قتلته حسدا علی . خلقه قال: کیف اقتله و معی ابناؤه قال فاختاروا سبعین رجلا قال فاختاروا من کل سبط عشرۃ. قال و ذلک قوله و اختار موسی قومه سبعین رجلا فانتھوا الیه فقالوا من قتلک یا ھارون؟ قال: ما قتلنی احد ، ولکن توفانی الله.

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱:۵۲۹) ۵۳۰، کتاب الفضائل تاریخ طبری ۱:۲۲۴، ۲۲۵ تفسیر ابن جریر ۹:۵۱)

بسند مذکور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون اور شبر و شبیر تشریف لے گئے۔ حتی کہ وہ ایک پہاڑ پر پہنچے۔ وہاں ایک تخت تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام اس پر آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور ان کی روح قبض ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام تو نے حضرت ہارون علیہ السلام پر حسد کرتے ہوئے ان کو قتل کر دیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں اس کو کیسے قتل کر سکتا ہوں جبکہ اس کے دونوں بیٹے میرے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا کہ ستر آدمی منتخب کرو، فرمایا ہر گروہ سے دس آدمی لو اور اللہ کے اس قول "واختار موسیٰ قومه سبعین رجلا" کا اسی طرف اشارہ ہے حتی کہ وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو (قبر سے) آواز دیتے ہوئے کہا اے ہارون علیہ السلام تجھ کو کس نے قتل کیا ہے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے (قبر سے) آواز دی اور فرمایا مجھے کسی نے بھی قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وفات دی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بظاہر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ

یہ اصول ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔

تفسیر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام حاکم فرماتے ہیں:

وتفسیر الصحابی عندھما مسند. (مستدرک امام حاکم ۱:۲۲۳، ۲۸۵)

اور صحابی کی تفسیر امام بخاری اور مسلم کے نزدیک مسند (مرفوع) ہوتی ہے۔

معرفۃ علوم الحدیث للامام حاکم، ۲۰

الاحادیث المختارہ: ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی ۲:۶۳

توجیہ النظر الی اصول الاثر۔ طاہر بن صالح احمد الجزائری ۱۶۵

ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق۔ امام نووی ۱:۱۶۴

اس حدیث شریف سے کئی مسائل حل ہوئے۔

یہ کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور پر حاضر ہو کر حاضر کے صیغہ سے پکارنا۔

ان کو زندہ تصور کرتے ہوئے خطاب کرنا، انبیاء کا قبور مقدسہ میں آواز سننا، سوالوں کا جواب دینا کہ تمام حاضرین ان جوابات کو سن سکیں۔

نیت کر کے گھر سے قبر کی طرف جانا:

یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرات انبیائے کرام سنتے، جانتے اور جواب دیتے ہیں، یہ شرک نہیں بلکہ نبیوں کا پاک عقیدہ ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ منکرین حیات انبیاء و سماع فی القبور کے عقائد بالکل غلط اور عقائد انبیاء و صحابہ سے بالکل متضاد و متصادم ہیں۔

حدیث نمبر ۲۰:

وما یدل علی حیاتھم ما اخبرنا ابوعبد الله محمد بن عبدالله الحافظ اخبرنی ابو محمد المزنی ثنا علی بن محمد بن عیسی ثنا ابو الیمان أنبأ شعیب عن الزھری قال اخبرنی ابو سلمة بن عبد الرحمن وسعید بن المسیب

ان اباھریرة قال: استب رجل من المسلمین و رجل من الیھود فقال المسلم : والذی اصطفی محمدا علی العالمین فاقسم بقسم فقال الیھودی: والذی اصطفیٰ موسی علی العالمین فرفع المسلم عند ذلک یدہ فلطم الیھودی فذھب الیھودی الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فاخبرہ بالذی کان من امرہ و امر المسلم فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم : لا تخیرونی علی موسیٰ فان الناس یصعقون فاکون اول من یفیق فاذا موسیٰ باطش بجانب العرش فلا ادری اکان ممن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ عز وجل.

(رواہ البخاری فی الصحیح عن ابی الیمان ورواہ مسلم عن عبداللہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ عن ابی الیمان)

بسند مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کی آپس میں تلخ کلامی ہوگئی۔مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی اور یہودی بولا کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔اس پر مسلمان نے یہودی کو زوردار طمانچہ مار دیا،یہودی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنا اور مسلمان کا باہم ماجرہ سنایا،تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ (صور اسرفیل کی) کڑک سے بیہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا۔ اچانک میں دیکھونگا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایا پکڑے ہونگے۔میں از خود نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے ہونگے اور مجھ سے پہلے انہیں ہوش آجائے گا۔یا پھر ان میں سے ہوں گے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

تخریج حدیث:

بخاری شریف ۱:۳۲۵،۲:۱۱۷ط

مسلم شریف ۲:۲۶۷

ابوداؤد شریف ۴:۲۸۶

مسند امام احمد ۲:۲۶۴،۳:۳۳

مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱:۵۱۱

مسند ابی یعلی عن ابی سعید ۱۱:۵۲۰ (طرف الآخر منہ)

السنن الکبریٰ للنسائی ۴:۴۱۸

شرح السنة للامام بغوی ۱۵:۱۰۵،تا۱۵:۱۰۷

المعجم الاوسط امام طبرانی ۱:۱۹۰،عن ابی سعید طرف منہ

یہ حدیث شریف بھی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات پر واضح دلیل ہے۔

شارح حیاۃ الانبیاء حضرت علامہ محمد بن خانجی بوسنوی فرماتے ہیں:

وجه احتجاج البیھقی بھذین الحدیثین علی حیاة الانبیاء بعد وفاتھم ان الصعق ھو الغشی او الموت وھذا لا یقبله الا من کان فی ذلک الوقت حیا حتی لا یکون تحصیل حاصل فموسی علیه السلام لا یخلوہ الحال اما ان یکون صعق او لم یصعق بل حوسب بصعقة یوم الطور فعلی کلا الحالین فیه دلالة علی حیاته و سائر الانبیاء مثله فی ذلک. (شرح حیاۃ الانبیاء للبوسنوی،۲۰)

حضرت امام بیہقی کے ان دونوں حدیثوں سے حیات الانبیاء پر استدلال کی وجہ یہ ہے کہ صعقہ غشی کو کہتے ہیں یا موت کو،اور یہ اسی پر آسکتی ہے جو کہ اس وقت زندہ ہوتا کہ تحصیل حاصل لازم نہ آئے۔چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غشی آئے گی یا پھر غشی بھی طاری نہ ہوگی بلکہ کوہ طور کی غشی سے ہی ان کا محاسبہ ہو چکا ہے۔پس ان دونوں حالتوں میں آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے زندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت امام علی بن برہان الدین حلبی شافعی فرماتے ہیں:

وفیه ان ھذا یقتضی ان الانبیاء علیھم الصلوة والسلام یفزعون لانھم احیاء. (انسان العیون ۳:۳۰۴)

اس حدیث شریف میں یہ (فزع) اس بات کا مقتضی ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام پر فزع طاری ہوگا کیونکہ وہ زندہ ہیں۔

علامہ ابن قیم نے تحریر کیا:

فاما صعق غير الانبياء فموت ، اما صعق الانبياء فلا ظهر انه غشية.

(کتاب الروح، ۵۸ المسألۃ الرابعۃ)

صعقہ غیر انبیاء کے لئے تو موت ہے لیکن انبیاء کے لئے صعقہ کا معنی غشی ہے۔

حضرت امام بدالدین عینی فرماتے ہیں:

الموت ليس بعدم انما هو انتقال من دار الى دار فاذا كان هذا للشهداء كان الانبياء بذلك احق و اولى مع انه صح صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء عليهم الصلاة و السلام.

(عمدہ القاری ۲:۲۵)

موت عدم محض کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے ۔ جب یہ شہداء کے لئے ثابت ہے تو انبیائے کرام تو اس کے زیادہ حق دار اور اولیٰ ہیں۔

حضرت امام شمس الدین ابو بکر قرطبی فرماتے ہیں:

فاما صعق غير الانبياء فموت و اما صعق الانبياء فالاظهر انه غشية فاذا نفخ فى الصور نفخة البعث من مات حيى و من غشى عليه افاق.

(التذکرۃ فی احوال الموتی الآخرۃ ۱۷۹)

غیر انبیاء کے لئے تو صعقہ موت ہوگی لیکن حضرات انبیائے کرام کے لئے غشی ہوگی پس جب صور میں پھونکا جائے گا تو مردے زندہ ہوجائیں گے اور سب بیہوش ہوش میں آجائیں گے۔

حضرت امام حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

و علىٰ هذا حمل طائفة من العلماء منهم البيهقى و ابو العباس القرطبى

: قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى قوله تعالىٰ ونفخ فى الصور فصعق من فى السمٰوات و من فى الارض الا من شاء الله ، ثم نفخ فيه اخرى (الزمر ۲۰، پارہ نمبر ۲۴) فاكون انا اول من يبعث فاذا موسىٰ آخذ بالعرش (الحديث .... ولان حياة الانبياء اكمل من حياة الشهداء بلا ريب فشملهم حكم الاحياء ايضا ويصعقون مع الاحياء حينئذ لكن صعقة غشيى لا صعقة موت.

(احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور ۲۵، حدیث نمبر ۴۲۷)

اور علماء کی ایک جماعت کہ جن میں سے امام بیہقی اور امام قرطبی ہیں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے فرمان (**و نفخ فى الصور ....**) کے فرمان کو حیاۃ الانبیاء پر محمول فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا، میں سب سے پہلے اٹھونگا۔ اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کی حیات شہداء کی حیات سے بلا شک و شبہ اکمل ہے، لہذا وہ بھی زندہ کے حکم میں شامل ہیں۔ اور زندوں کے ساتھ ان پر صعقہ ہوگا۔ لیکن وہ غشی کی حالت ہوگی نہ کہ موت کی۔

جہاں ان دونوں احادیث (۲۰، ۲۱) سے حیاۃ الانبیاء فی قبورہم ثابت ہوتی ہے وہاں ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عاشق رسول اپنے پیارے آقا کے بارے میں کوئی ایسی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عشق کو ملاحظہ فرمائیں کہ ایک یہودی صرف اتنا کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہاں پر فضیلت دی تو مسلمان عاشق صادق صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ یہودی ہے اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی شان بیان کرے۔ لیکن صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا بھی سننا گوارہ نہیں کرتے۔ یہی عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ محبّ کو محبوب کے بارے میں غیرت مند ہونا چاہئے۔

ادھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ غیرت دینی وعشق رسول ہے کہ یہودی کے منہ سے صرف اتنی سی بات سن کر طیش میں آجاتے ہیں اور ادھر آج کل کے نام نہاد مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ شیطان وملک الموت کی طاقت وعلم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد بتلا رہے ہیں اور اس پر مناظرے کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ محبت ودفاع صحابہ کا نعرہ بھی لگا رہے ہیں۔ فیاللعجب

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، یا حضرات انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو تو یہ آپ کا فرمانا تواضع کے طور پر ہے۔

حضرت امام ابن الخلال امام احمد سے روایت کرتے ہیں:

وذهب فيه الى ان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انما اراد التواضع به. (السنۃ لابن الخلال ا:۱۹۲، باب الفضائل نبینا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اس میں وہ (امام احمد وغیرہ) اس طرف گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اضعا فرمایا ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

انه قاله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على طريق التواضع و نفى الكبر والعجب. (شفاء شریف ا:۱۴۲، ۱۴۳)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بطور تواضع اور تکبر وغرور کی نفی کے طور پر فرمایا۔

حدیث نمبر ۲۱:

و فى الحديث الثابت عن الاعرج عن ابى هريرة عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انه قال:

لا تفضلوا بين انبياء الله تعالىٰ فانه ينفخ فى الصور ليصعق من فى السمٰوات و من فى الارض الا من يشاء الله ثم نفخ فيه اخرى فاكون اول من بعث فاذا موسىٰ آخذ بالعرش فلا ادرى احوسب بصعقة يوم الطور ام بعث قبلى.

اور صحیح وثابت حدیث میں ہے جو کہ اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو باہم دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ اس لئے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی ہر جان پر غشی طاری ہوجائے گی سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ فرمائے گا۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا اچانک (میں دیکھونگا) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہونگے۔ میں نہیں کہتا کہ کیا طور کی بے ہوشی ہی ان کو کفایت کرے گی یا وہ مجھ سے پہلے اٹھائے جائیں گے۔

امام بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

انه قاله تواضعا ونفيا للكبر والعجب.

(عمدہ القاری ۲:۲۵۱ کتاب الخصومات)

آپ نے یہ تواضعا اور تکبر اور غرور کی نفی کے طور پر فرمایا۔

حضرات محدثین کرام کی عبارات سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تواضعا فرمایا تھا۔ یا پھر اس تفضیل سے مراد وہ تفضیل ہے کہ جس سے دوسرے نبی علیہ السلام کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الا لایفضل بینھم تفضیلا یو دی الی تنقص بعضھم. (الشفاء ۱:۱۴۳)

خبردار انبیائے کرام کے درمیان ایک دوسرے پر ایسی فضیلت نہ دو کہ ان میں سے بعض کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔

اس سلسلہ میں حضرات علمائے کرام نے مزید کئی اقوال درج فرمائے ہیں، ملاحظہ فرمائیں: ''الشفاء للقاضی ۱۴۲، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ۱۲:۲۵۱ وغیرہما۔

سب سے اعلیٰ واولیٰ ہمارا نبی

سب سے بالا ووالا ہمارا نبی

ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں اور ایسی تفضیل منع نہیں ہے جیسا کہ

حضرت قاضی عیاض ہی فرماتے ہیں:

منع التفضیل فی حق النبوة والرسالة فان الانبیاء فیھا علی حد واحد اذ ھی شئی واحد لا یتفاضل و انما التفاضل فی زیادة الاحوال والخصوص والکرامات والرتب والالطاف و اما النبوة فی نفسھا فلا تتفاضل وانما التفاضل بامور اخر زائدة علیھا و لذلک منھم رسل و منھم اولو عزم من الرسل و منھم من رفع مکانا علیا و منھم من اوتی الحکم صبیا و اوتی بعضھم الزبور. و بعضھم البینات و منھم من کلم اللہ و رفع بعضھم درجات. قال اللہ تعالیٰ و لقد فضلنا بعض النبیین علی بعض الآیة و قال: تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض ،الآیة.

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱:۱۴۳، فصل فی تفضیلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

جس تفضیل سے منع کیا گیا ہے وہ نفس نبوت ورسالت میں تفضیل ہے کیونکہ حضرات انبیائے کرام اس وصف میں ایک جیسے ہیں اور اس میں باہم تفاضل نہیں ہے۔ بیشک تفاضل

احوال وخصائص وکرامات مراتب والطاف وغیرہ میں ہوتا ہے اور نفس نبوت میں کوئی تفاضل نہیں بلکہ تفاضل دیگر امور کی وجہ سے ہے جو کہ اس پر زائد ہے۔ لہذا اسی لئے ان میں سے کوئی رسول ہے اور کوئی رسولوں میں سے اولوالعزم اور کوئی وہ جن کو بلند مقام پر اٹھایا گیا اور کسی کو بچپنے میں نبوت دی گئی اور کسی کو زبور دی گئی اور بعض کو روشن معجزات دیئے اور کسی کے ساتھ کلام فرمایا اور کسی کو سب پر درجوں بلندی عطا فرمائی گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تحقیق ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی اور فرمایا یہ رسول ہیں ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی۔

(الآیۃ)

تو اس سے معلوم ہوا کہ درجات ومعجزات کے لحاظ سے حضرات انبیائے کرام مختلف مراتب رکھتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء اور فرشتوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اس مسئلہ پر حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی نے مستقل تصنیف تحریر فرمائی ہے جس کا مبارک نام ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' ہے یہاں موقع کی مناسبت سے مختصراً اس مسئلہ پر عرض کیا جاتا ہے۔

افضلیت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن عظیم:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ: ۲۵۳)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے انہیں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

اس آیت کریمہ میں رفع بعضھم درجات سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام سے افضل واعلیٰ ہیں۔

اور پھر اس آیت کریمہ میں من کلم اللہ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں تو واضح ہو گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ پر بھی درجوں بلندی حاصل ہے۔

دوسری آیت مبارکہ:

عَسىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (الاسراء : ۷۹، بنی اسرائیل)

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد بیان کریں۔

مقام محمود جو کہ قیامت کے روز پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوگا کائنات میں سے کسی اور کو یہ سعادت میسر نہیں ہوگی۔

مقام محمود کیا ہے؟

مقام محمود سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ اس سے مراد شفاعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا۔ مقام محمود کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا شفاعت:

حتى تنتهى الشفاعة الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذلك يبعثه الله المقام المحمود. (بخاری، ۲:۲۸۶، کتاب التفسیر۔ ترمذی)

حتی کہ لوگ مقام شفاعت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

سئل عنها قال هى شفاعة. (تفسیر ابن جریر ۱۵:۹۸)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو فرمایا وہ شفاعت ہے۔

اور یہی قول حضرت سلیمان فارسی حضرت قتادہ حضرت عبداللہ بن عباس امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: "(تفسیر ابن جریر ۱۵:۹۷، ۹۸)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز قیامت عرش الٰہی پر جلوہ فرما ہونگے۔

زہے عزت واعتلائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد

۲۔ مقام محمود کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھایا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ان محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم القيامة بين يدى الرب عز وجل على كرسى الرب تبارك وتعالىٰ.

(السنۃ: لابی بکر الخلال ۱:۲۰۹، ۲۱۱ تفسیر ابن جریر ۱۵:۱۰۰)

بیشک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ کی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے۔

حضرت امام محمد بن احمد بن واصل فرماتے ہیں:

من رد حديث مجاهد فهو جهمى. (السنۃ ۱:۲۱۴)

جس نے حضرت مجاہد کی مذکورہ حدیث کو رد کیا وہ جہمی بدعتی ہے۔

حضرت امام ابو داؤد فرماتے ہیں:

من انكر هذا فهو عندنا متهم. (السنۃ ۱:۲۱۴)

جو اس سے انکار کرے وہ ہمارے نزدیک متہم ہے۔

امام احمد بن اصرم مزنی فرماتے ہیں:

من رد هذا فهو متهم على الله ورسوله و هو عندنا كافر و زعم ان من قال بهذا فهو ثنوى ، فقد زعم ان العلماء والتابعين ثنوية و من قال بهذا فهو زنديق يقتل. (السنۃ ۱:۲۶۱)

جو اس قول کو رد کرے وہ اللہ اور اس کے رسول پر بہتان باندھتا ہے اور وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اس کا گمان ہے کہ جو یہ قول کرتا ہے وہ ثنوی (گمراہ فرقہ) ہے اور اس کا گمان ہے علماء اور تابعین ثنوی تھے۔ اور جو ان بزرگوں کو یوں کہے وہ زندیق ہے لہذا اس کو قتل کیا جائے گا۔

محدثین کرام اور حدیث حضرت مجاہد:

قال ابوبکر بن حماد المقری من ذکر ت عنده هذه الاحادیث فسکت فهو متهم علی الاسلام فکیف من طعن فیها. و قال ابو جعفر الدقیقی من ردها فهو عندنا جهمی وحکم من رد هذا ان یتق ا وقال عباس الدوری لا یرد هذا الا متهم، وقال : اسحاق بن راهویة: الایمان بهذا الحدیث والتسلیم له: و قال اسحاق لابی علی القوهستانی من رد هذا الحدیث فهو جهمی و قال عبد الوهاب الوراق : للذی رد فضیلة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقعده علی العرش فهو متهم علی الاسلام و قال ابراهیم الاصبهانی : هذا الحدیث حدث به العلماء منذستین و مائة سنة و لا یرده الا اهل البدع. قال وسالت حمدان بن علی عن هذا الحدیث؟ فقال: کتبته منذ خمسین سنة و مارأیت احداً یرد ه الا اهل البدع وقال ابراهیم الحربی حدثنا هارون بن معروف. و ما ینکر هذا الا اهل البدع قال هارون بن معروف هذاحدث یسخن الله به اعین الزنا دقة قال: و سمعت محمد بن اسمعیل السلمی یقول: من توهم ان محمدا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یستوجب من الله عز وجل ماقال مجاهد فهو کافر بالله العظیم قال و سمعت ابا عبد الله الخفاف یقول سمعت محمد بن مصعب یعنی العابد یقول ، نعم یقعده علی العرش لیری الخلائق منزلته. (السنۃ لابن الخلال ا:۲۱۶، ۲۱۷، بسند صحیح)

حضرت امام ابوبکر بن حماد المقری نے فرمایا کہ جس کے پاس یہ احادیث بیان کی جائیں تو وہ خاموش رہے تو اس کے اسلام میں شک ہے تو جو ان احادیث پر طعن کرے اس کا کیا حال ہوگا۔ امام ابوجعفر دقیقی فرماتے ہیں جس نے یہ احادیث رد کیں وہ ہمارے نزدیک گمراہ جہمی ہے اور ان کے رد کرنے والے کو کہا جائے گا کہ ڈر۔ امام عباس الدوری فرماتے ہیں اس کو سوائے متہم شخص کے کوئی رد نہیں کرے گا۔ امام اسحاق بن راہویہ (امام بخاری کے استاد) فرماتے ہیں: اس حدیث پر ایمان لانا اور اس کو تسلیم کرنا چاہئے اور امام ابوعلی سینا قوہستانی نے فرمایا جس نے اس حدیث کو رد کیا وہ جہمی ہے، امام عبدالوہاب الوراق نے اس شخص کے لئے کہ جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرش پر جلوہ فرما ہونے کی فضیلت کو رد کیا فرمایا وہ متہم علی الاسلام ہے یعنی اس کے اسلام میں شک ہے۔ امام ابراہیم اصبہانی نے فرمایا اس حدیث کو علماء ایک سو ساٹھ سال سے بیان فرما رہے ہیں اور اس کو سوائے بدعتیوں کے کسی نے رد نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حمدان بن علی سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے اس کو پچاس سال سے لکھا ہے اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کو رد کرے سوائے اہل بدعت کے۔ امام ہارون بن معروف نے فرمایا اس کا سوائے اہل بدعت کے کوئی انکار نہیں کرے گا۔ انہوں نے ہی فرمایا اللہ تعالیٰ اس حدیث سے زنادقہ کی آنکھوں کو جلائے محمد بن اسمٰعیل اسلمی نے فرمایا جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو مجاہد نے کہا وہ اس کے حقدار نہیں ہیں تو وہ اللہ عظیم کے ساتھ کفر کرتا ہے، امام ابوعبداللہ الخفاف نے فرمایا: میں نے امام محمد بن مصعب العابد سے سنا انہوں نے فرمایا: ہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش پر تشریف فرما ہوں گے تاکہ مخلوق آپ کی قدر و منزلت کا نظارا کرے۔

حضرت امام ابوالعباس ہارون بن عباس ہاشمی (م ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں:

من رد حدیث مجاهد فهو عندی جهمی و من ردفضل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فهو عندی زندیق لا یستتاب و یقتل لان الله عز وجل قد فضله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی الانبیاء علیهم السلام و قد روی عن الله عز وجل قال : لا اذکر الا ذکرت معی، و یروی فی قوله (لعمرک) قال: بحیاتک ویروی انه قال: یا محمد لولاک ما خلقت آدم، فاحذروا .... فمن اراد هذا و من رد حدیث مجاهد فلا یکلم و لا یصلی علیه.

(السنۃ لابن الخلال ا:۲۳۷)

جس نے حضرت مجاہد کی حدیث رد کی وہ میرے نزدیک جہمی (گمراہ فرقہ) ہے اور

(چونکہ یہ نبی اکرم کی فضیلت ہے) جو کہ آپ کی فضیلت کو رد کرے یعنی انکار کرے وہ میرے نزدیک زندیق ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سے افضل بنایا ہے اور اللہ نے ارشاد فرمایا: جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں اے پیارے تیرا ذکر میرے ساتھ ہوگا۔ (حدیث قدسی) اور اللہ کے فرمان (''لعمرک'' سورۃ حشر: ۷۲) کے تحت روایت ہے کہ یہاں سے مراد آپ کی حیات ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر آپ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ فرماتا۔ پس حضرت مجاہد کی حدیث کو رد کرنے سے ڈرو اور بچو اور جس نے حضرت مجاہد کی حدیث کو رد کیا اس سے کلام نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق خداوندی سے افضل ہیں۔ یہ بلند رتبہ کسی اور کو ہرگز میسر نہیں ہوگا اور پھر کہاں عرش کے پائے کہ جن کو حضرت موسیٰ پکڑے ہوئے ہوں گے اور کہاں عرش پر جلوس فرمانا کہ ہمارے آقا مولا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل الخلق ہونا اور احادیث مبارکہ:

سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موضوع پر تجلی الیقین میں تقریباً ایک سو احادیث مبارکہ پیش فرمائی ہیں۔ ہم یہاں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند احادیث نقل کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا سید الناس یوم القیامۃ.

(و فی روایۃ) انا سید ولد آدم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں سب لوگوں کا سردار ہونگا۔

۱۔	بخاری		۱:۴۷۰ کتاب الانبیاء
۲۔	مسلم		۲:۲۴۵ کتاب الفضائل
۳۔	مسند امام احمد		۲:۴۳۵، ۵۴۰، ۱/۳، ۱۴۴
۴۔	ترمذی		۲:۳۰۲ کتاب المناقب
۵۔	مسند الامام عبداللہ بن مبارک	۶۲	
۶۔	معجم الاوسط	للطبرانی	۲:۲۷۹ عن انس بن مالک
۷۔	مسند ابی یعلی		۷:۲۸۱
۸۔	السنن	ابوداؤد	۲:۲۸۶ کتاب السنۃ
۹۔	السنن	امام ابن ماجہ	۲۱۹ کتاب الزہد
۱۰۔	شرح السنۃ	امام البغوی	۱۳:۲۰۴
۱۱۔	دلائل النبوۃ	امام ابونعیم ۱:۶۶	
۱۲۔	المصنف	ابن ابی شیبہ	۱۱:۴۷۷، ۱۴:۹۶
۱۳۔	صحیح	ابن حبان ۸:۱۳۰، ۸:۱۳۷	بتحقیق کمال یوسف
۱۴۔	المسند الصحیح	ابوعوانہ	۱:۱۷۱، ۱۷۴
۱۵۔	نوادر الاصول	الحکیم ترمذی	۲۸۴
۱۶۔	شرح اصول اعتقاد واہل السنۃ والجماعت	امام الالکائی ۴:۷۸۸ عن ابی سعید	
۱۷۔	کتاب الایمان	امام مندہ	۲:۸۴۷، ۸۵۰
۱۸۔	السنن الکبریٰ	امام بیہقی	۹:۴۱
۱۹۔	مکارم الاخلاق	امام خرائطی	۱:۵۵۹

(ابوسعید الخذری وعبداللہ بن سلام وابی ہریرہ)

و ھذا انما یصح علی ان اللہ جل ثناؤہ ردا لی الانبیاء علیھم السلام ارواحھم نفخ فی النفخۃ الاولیٰ صعقوا ثم لایکون ذلک موتا فی جمیع معاینہ

الا فی ذھاب الاستشعار فان کان موسیٰ علیہ السلام ممن استثنی اللہ عز وجل بقولہ : الا من شاء فانہ عز وجل لا یذھب باستشعارہ فی تلک الحالۃ و یحاسبہ بصعقۃ یوم الطور۔

اور یہ صحیح ہے اس لئے کہ اللہ جل شاء ہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام پران کی ارواح لوٹادی ہیں اوراب وہ اپنے پروردگار کے ہاں شہدا کی طرح زندہ ہیں۔ چنانچہ پہلی بارصور پھونکا جائے گا تو سب پرصعقہ (غشی) طاری ہوگا اور یہ کسی اعتبار سے موت نہ ہوگی بلکہ محض شعور کھوجانے کا نام ہوگا۔ اب اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان میں، **الا من شاء اللہ** سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس سے مستثنیٰ کیا ہے اور طور کی غشی میں ہی ان کا محاسبہ ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اب اس حالت میں ان کا شعور بھی نہ کھوجانے دے گا۔

اس صحیح حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کے آقا وسردار حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس طرح کی بیشمار روایات ہیں جن کا یہاں بیان کرنا سوائے طوالت کے اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ لہذا جس کو زیادہ تفصیل درکار ہو وہ ''تجلی الیقین'' کا مطالعہ کرے۔ انشاءاللہ ایماندار کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل باغ باغ ہوجائے گا۔

مصنف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام صعقہ کے وقت بھی باہوش وحواس ہوں گے۔

حضرت امام بیہقی ہی تحریر فرماتے ہیں:

والانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء و قد رأی نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جماعۃ منھم لیلۃ المعراج و أمر بالصلاۃ علیہ السلام علیہ و اخبرنا وخبرہ صدق أن صلاتنا معروضۃ علیہ و ان صلاتنا معروفۃ علیہ وان سلامنا یبلغہ وان

اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء و قد افردنا لاثبات حیاتھم کتابا فنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان مکتوبا عنداللہ عز وجل قبل ان یخلق نبیا و رسولا وھو بعد ماقبضہ نبی اللہ و رسولہ و صفیہ وخیرتہ من خلقہ۔

(الاعتقادوالھدایۃ الی سبیل الرشاد ص ۱۹۸، بیہقی)

اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی ارواح قبض کرنے کے بعد ان کے اجساد میں لوٹادی گئی ہیں پس وہ اپنے رب کے ہاں شہدا کی طرح زندہ ہیں اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات انبیائے کرام کو ملاحظہ فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہمیں خبر دی اور آپ کی خبر بالکل سچی ہے کہ ہمارا درود آپ پر پیش ہوتا ہے اور ہمارا سلام آپ کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسم زمین پر کھانے حرام کردیئے ہیں اور ہم نے حیات الانبیاء پر علیحدہ مستقل کتاب لکھی ہے، پس ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس صفت نبوت ورسالت سے پہلے بھی اللہ کے نبی اور رسول اور اس کے صفی اور اس کی ساری مخلوق سے افضل وبرتر ہیں۔

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ''**فھم احیاء عند ربھم کالشھداء**'' کہ وہ اپنے رب کے ہاں شہدا کی طرح زندہ ہیں سے یہ شائبہ نہ ہونا چاہئے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات مبارکہ شہدا کے مثل نہیں بلکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات ہرلحاظ سے شہداء سے کہیں زیادہ افضل واعلیٰ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

کلام ایں آئمہ اعلام اقتضائے اثبات دراحکام دنیا نیز می کند پس حیات ایشاں علیہم السلام اخص واکمل واتم از حیات شہدا باشد چنانچہ مذہب مختار ومنصور است نہ چنانچہ ظاہر کلام بیہقی دربعضے مواضع درانست کہ آن حیات مثل شہدا است بلکہ مراد وے تشبیہ است دراصل حیات ورفع استبعاد نہ درجمیع خصوصیات۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب)

ان اکابر علماء کے کلام کا مقتضی یہ ہے کہ احکام دنیا میں بھی حیات کو ثابت کیا جائے

(دنیاوی حقیقی زندگی ثابت کی جائے) لہذا حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات شہدا کی حیات سے اخص اور اکمل واتم ہے، یہی مذہب مختار ومنصور ہے نہ کہ جیسا کہ امام بیہقی کے کلام سے بعض مقامات پر ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کی حیات مثل حیات شہداء کے ہے بلکہ امام بیہقی کی مراد اصل حیات کی تشبیہ دینا ہے اور رفع استبعاد کرنا ہے نہ کہ جمیع خصوصیات میں ان کے برابر قرار دینا ہے۔

حضرت شیخ صاحب علیہ الرحمہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ شہدا کی حیات اور انبیاء کی حیات میں اتنا فرق ہے جتنا کہ انبیاء اور شہدا کے درجات میں فرق ہے اور جیسا کہ فرق انبیاء اور غیر انبیاء کا ہے ایسا ہی فرق ان کی حیاتوں میں ہے۔

حضرت امام حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

والصدیق هو دون النبی والشهید دونهما وهو اقل حیوة من الصدیق والصدیق اقل حیوة من النبی والصالح اقل حیوة من الشهید.

(نوادر الاصول للامام ترمذی ص ۴۲۹)

اور صدیق نبی سے کم درجہ میں ہوتا ہے اور شہید ان دونوں درجوں سے کم درجہ میں ہے۔ لہذا صدیق سے اس کی حیات بھی کم درجہ کی ہے اور صدیق کی حیات نبی کی حیات سے کم درجہ کی ہے اور ولی کی حیات شہید کی حیات سے کم درجہ کی ہے۔

جب شہید کی حیات صدیق سے کم درجہ کی ہے تو نبی کی حیات سے تو بدرجہ اولیٰ کم درجہ کی ہوگی اور شہید کی زندگی کا ثبوت تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

یعنی شہید کو مردہ کہنا منع ہے کیونکہ اس نے جان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی راہ میں قربان کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر ان کو زندگی عطا فرما دی اور مردہ کہنے سے منع فرما دیا گیا اگر مردہ کہنا بڑی عزت وکرامت کی بات ہوتی تو اس سے منع نہ فرمایا جاتا۔

اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ شہدا کو مردہ کہنے سے منع فرمایا گیا ہے لیکن حقیقت میں ہیں تو وہ مردہ کیونکہ ان کے جسموں کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ پھر ان کا جنازہ پڑھا گیا ان کو دفن کیا گیا، قبریں بنائی گئیں تو کیا یہ اعمال زندوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں؟ چلیں ہم ان کو مردہ نہیں کہتے لیکن ہیں تو مردہ ناں؟

تو اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (آل عمران: ۱۶۹)

اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مردہ گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔

شہید تو ہوتا ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ کتنے کلمہ گو منافق تھے جنگوں میں مقتول ہوئے کتنے یہودی اور عیسائی ہیں مسلمانوں کے مقابلے میں بلکہ بعض اوقات مشرکین کے مقابلہ میں قتل ہوئے کیا وہ شہید کہلائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی اختیار نہیں فرمائی تو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل آدمی شہید کہلاتا ہے اس کا مرتبہ یہ ہے تو اس پیارے محبوب کی حیاۃ فی القبر کا کیا کہنا جس کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ ان کو مردہ کہنا حرام ہے۔ اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو شہادت کا بھی رتبہ عطا فرمایا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور رتبہ شہادت:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر وہ فضیلت عطا فرمائی گئی جو کسی بھی نبی یا ولی کو عطا فرمائی گئی ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور چونکہ بہت سارے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہادت کا عظیم مرتبہ بھی دیا گیا ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی عطا فرمایا گیا ہے۔

امام حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

فمات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ھو رأس الشھداء.

(نوادرالاصول ص ۴۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدا کے سردار کی حیثیت سے وصال فرمایا۔

حضرت امام سبکی فرماتے ہیں:

قال العلماء فجمع اللہ له بذلک بین النبوۃ والشھادۃ و تکون الحیاۃ الثابتة للشھداء. (شفاء السقام ۱۹۰)

علما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت کا مرتبہ بھی عنایت فرمایا ہے اور بیشک شہدا کے لئے حیات (بالاتفاق) ثابت ہے۔

امام محدث عظیم حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

و روی فی الخبر ان الشھداء لا تاکلھن الارض و روی ان من اذن سبع سنین لم یدود فی قبرہ فاذا کان الشھید و الموذن قد امتنعا من الارض بحالتیھما فحالة الانبیاء والصدیقین والاولیاء علیھم السلام ارفع من ھذا واجل فانھم ھم الشھداء ایام الحیوۃ. (نوادرالاصول ص ۲۲۷)

ایک روایت میں ہے کہ شہداء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی اور روایت ہے کہ جس نے سات سال تک اذان دی اس کی قبر میں کیڑے نہیں ہوں گے، پس جب شہید اور موذن کی یہ شان ہے کہ زمین ان کی حالت کو تبدیل نہیں کرسکتی تو حضرات انبیائے کرام اور صدیقین اور اولیاء علیہم السلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کیا حالت ہوگی جو کہ ہر حال میں ان سے ارفع و اعلیٰ اور

زیادہ جلالت شان والے ہیں کیونکہ وہ تو ایام حیات میں ہی شہید ہیں۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں:

کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول فی مرضه الذی توفی فیه ما زال اجدالم الطعام الذی کنت بخیبر فھذا او ان وجدت انقطاع الابھری من ذلک السم.

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے آخری مرض میں فرماتے تھے میں اس لقمہ کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں جسے میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب اس زہر سے میری ابہری رگ کٹ رہی ہے۔

الصحیح الجامع: بخاری ۲:۶۳۷ کتاب المغازی فتح الباری ۸:۱۰۷

دلائل النبوۃ: بیہقی ۷:۱۷۲

المسند امام احمد ۶:۶۸ (عن ام بشر مختصراً)

مستدرک امام حاکم ۳:۵۸

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: **توفی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شھیدا.** (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۲:۲۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہادت کا مرتبہ مرحمت فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت ہے، آپ فرماتے ہیں:

لان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدۃ انه لم یقتل و ذلک بان اللہ جعله نبیا واتخذہ نبیاً و اتخذہ شھیدًا.

اگر میں نو مرتبہ قسم کھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شہادت کی ہے تو

یہ میرے نزدیک زیادہ عزیز کہ میں ایک مرتبہ قسم کھاؤں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید نہیں ہیں اور حقیقت الامر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر سرفراز فرمایا اور شہادت بھی عطا فرمائی۔

۱۔	مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	۱:۴۰۸
۲۔	دلائل النبوت	امام بیہقی	۷:۱۷۲
۳۔	المعجم الکبیر	امام طبرانی	۱۰:۱۳۴
۴۔	المستدرک علی الصحیحین	امام حاکم	۳:۵۸ط
۵۔	الطبقات الکبریٰ	ابن سعد	۱:۲۰۱
۶۔	مسند ابن یعلی	امام ابویعلی الموصلی	۹:۱۳۲ تحقیق حسین سلیم اسد

تو ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ شہید اعظم بھی ہیں اس لئے قرآن کے مطابق آپ کو اب مردہ کہنا حرام اور منع ہے اور جو لوگ منہ پھاڑ کر کہتے ہیں وہ قرآن کے منکر اور گستاخ رسول ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اثبات پر دیگر آیات قرآنیہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔

اور اے پیارے محبوب ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحم کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ غزالی زماں رازی دوراں احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بموجب آیۂ کریمہ تمام عالموں کے لئے رحمت ہیں اور جمیع ممکنات پر ان کی قابلیت کے موافق واسطہ فیض الٰہی ہیں اور اول مخلوقات پر تقسیم فرمانے والے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں اسی آیۂ کریمہ کے تحت مرقوم ہے:

و کونہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ للجمیع باعتبار انہ علیہ الصلوۃ والسلام واسطۃ الفیض الالٰھی علی الممکنات علی حسب القوابل

ولذا کان نورہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول المخلوقات ففی الخبر اول ما خلق اللہ تعالیٰ نور نبیک یا جابر و جاء اللہ تعالیٰ المعطی وانا القاسم.

(روح المعانی پ ۱۷، ص ۹۶)

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام عالموں کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے موافق فیض الٰہی کا واسطہ ہیں اور اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اول مخلوقات ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے اول ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر اور دوسری حدیث میں وارد ہے اللہ تعالیٰ معطی ہے اور میں تقسیم کرنے والا۔

آگے حضرت غزالی زماں فرماتے ہیں:

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ آیت کریمہ و ما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھارہ ہزار عالم کے ہر فرد کو فیض پہنچاتے رہے ہیں جس طرح اصل تمام شاخوں کو حیات بخشتی ہے اسی طرح تمام عالم ممکنات اور جملہ موجودات عالم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ اصل الاصول ہے اور ہر فرد ممکن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے فرع اور شاخ کا حکم رکھتا ہے۔

جس طرح درخت کی تمام شاخیں جڑ سے حیات نباتی حاصل کرتی ہیں اسی طرح عالم امکان کا ہر فرد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہر قسم کے فیوض و برکات اور حیات کا استفادہ کرتا ہے اور حضور علیہ السلام ہر فرد ممکن کو اس کے حسب حال واقعی عطا فرماتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عالم کے ہر ذرہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوجہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اس کے حسب حال فیض رسائی فرماتے ہیں۔

حضرت امام نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں: بر مثال شجرہ ایست تخم آں شجرہ روح پاک محمدی کہ (اول ما خلق اللہ نوری)۔ (مرصاد العباد ۲۲۹، از شیخ المشائخ نجم الدین کبریٰ)

اس دنیا کی مثال درخت کی ہے اور اس درخت کا تخم واصل روح پاک محمدی ہے کہ آپ

نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا۔

آیت نمبر ۴:

یٰۤاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبط اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْن۔

(الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کرو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارا اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

امام اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں:

و قد کرہ بعض العلماء رفع الصوت عند قبرہ علیہ السلام لانہ حیی فی قبرہ۔ (تفسیر روح البیان ۹:۶۶)

بعض علماء نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منورہ کے پاس آواز بلند کرنے کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں۔

امام بیہقی نقل فرماتے ہیں:

قال : ومنہ لا ترفع الاصوات عند قبرہ ولا یحاضر عندہ فی لھو و لا لغو و لا باطل ولا شی من امر الدنیا مما لا یلیق بجلال قدرہ و مکانتہ من اللہ عز وجل۔ (شعب الایمان ۲:۲۰۶ تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلالہ وتوقیرہ)

امام ابوالولید نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آداب میں سے ہے کہ آپ کی قبر شریف کے پاس آوازیں بلند نہ کی جائیں اور نہ ہی آپ کے سامنے لہو ولعب اور لغو میں مشغول ہوا ورنہ ہی کوئی ایسی دنیاوی چیز میں مبتلا ہو جو کہ آپ کی جلالت شان اور عظمت جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہے کے شایان شان نہ ہو۔

امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

سلیمان بن حرب قال سمعت حماد بن زید یقول فی قولہ تعالیٰ یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی قال اری رفع الصوت علیہ بعد موتہ کرفع الصوت علیہ فی حیاتہ۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ،۱:۱۹۶ باب ادب السماع)

امام سلیمان بن حرب فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد بن زید سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ ''اے ایمان والو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے آواز بلند نہ کرو،، کے بارے میں سنا آپ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آواز بلند کرنا منع ہے جیسا کہ آپ کی حیات ظاہری میں منع تھی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں:

و لا ترفع عندہ الاصوات کما ھو فی حیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (کشف الغمہ عن جمیع الامت ۱:۶۷)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند نہ کی جائے جیسا کہ آپ کی حیات ظاہرہ میں بلند کرنی منع تھی۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

وقال العلماء یکرہ رفع الصوت عند قبرہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کما کان یکرہ فی حیاتہ علیہ السلام لانہ محترم حیا وفی قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دائما۔

علماء نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنا ایسے ہی ناجائز ہے جیسا کہ آپ کی حیات ظاہرہ میں ناجائز تھی کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محترم ہیں اور قبر میں ہمیشہ زندہ ہیں۔

آیت نمبر ۵:

وَلَوْاَنَّھُمْ اِذْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُ اللہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ

لَوَجَدُوْا للّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا. (النساء:٦٤)

اور جب کبھی بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر اللہ سے معافی طلب کریں اور رسول اللہ بھی ان کے لئے استغفار فرمائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی فرماتے ہیں:

وجه الدلالة من هذه الآية مبنى على شئين احدهما ان نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيى كما يثبت ذلك فى بابه الثانى: ان اعمال امته معروضه عليه كما يثبت ذلك فى بابه.

اس آیت کریمہ سے وجہ استدلال دو چیزوں پر مبنی ہے۔نمبر۱: کہ بیشک ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ یہ اپنی جگہ ثابت شدہ ہے اور نمبر۲: یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں یہ بھی اپنے مقام پر ثابت ہے۔

آپ آگے فرماتے ہیں:

وبعد تقرير ان نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد موته عارف بمن يجيئ اليه سامع الصلوة ممن يصلى عليه وسلام من يسلم عليه و يرد عليه السلام فهذه حالة الحياة.

(سبل الهدىٰ والرشاد فى سيرة خير العباد ١٢ : ٣٨٠)

اس تقریر کے بعد ثابت ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفات کے بعد بھی ہر حاضر ہونے والے کو جانتے اور پہچانتے ہیں درود پڑھنے والے کا سلام سنتے ہیں اور اس کا جواب عطا فرماتے ہیں۔پس یہ زندہ ہونے کی نشانی وحالت ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی نے لکھا ہے:

یہی آیتیں سوا ایک تو ان میں سے یہ آیت ولو انهم اذ ظلموا .... کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کی امت اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو۔آپ

کا وجود ترتیب تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہوگا کہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ (آب حیات:٤٠)

آیت نمبر٦:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ. (زخرف: ٤٥١)

اور جو ہم نے رسول آپ سے پہلے بھیجے ان سے پوچھئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے خطاب اور رسول کرنے کا حکم کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں تو آپ سوال فرمائیں گے۔ اور معراج کی رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان تمام حضرات سے ملاقات اور گفتگو کا ثبوت صحیح احادیث میں ہے۔

علمائے دیوبند کے ابن حجر ثانی انور شاہ صاحب کشمیری نے تحریر کیا ہے:

يستدل به على حيوة الانبياء عليهم السلام

(مشکلات القرآن٢٣٤)

اس آیت کریمہ سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیاۃ پر استدلال کیا جاتا ہے۔

ان آیات کے علاوہ بھی بیشمار آیات ہیں جو کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔لیکن عقلمند را اشارہ کافی است کے مصداق ہم انہی پر اختصار کرتے ہیں اور کسی دوسری فرصت میں ان تمام آیات کے بارے میں تفصیل بیان کریں گے۔

و يقال ان الشهداء من جملة ما استثنى الله عز وجل بقوله الا من شاء الله. وروينا فيه خبراً مرفوعاً و هو مذكور مع سائر ما قيل فى كتاب البعث والنشور و بالله التوفيق.

اورعلمافرماتے ہیں کہ شہدابھی ان میں سے ہیں کہ جن کواللہ تعالیٰ نے الامن شاء کے قول کے ساتھ مستثنیٰ فرمایا ہے۔شہداء کے بارے میں ہم نے ایک مرفوع حدیث بمعہ دیگر مسائل کے کتاب البعث والنشور میں ذکرکردی ہے اوراللہ تعالیٰ سے ہی توفیق کی درخواست ہے۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان الامن شاء سے مراد ایک قول کے مطابق فرشتے اور ایک قول کے مطابق شہداء بھی ہیں۔

حضرت امام شمس الدین محمد بن ابوبکر قرطبی فرماتے ہیں:

اختلف العلماء فی المستثنی من هو فقیل الملٰئکة و قیل الانبیاء و قیل الشهداء و اختاره الحلیمی وقال و هو مروی عن ابن عباس ان الاستثناء لاجل الشهداء فان اللہ تعالیٰ یقول احیاء عند ربهم یرزقون.

(التذکرة فی احوال الموتی وامورالآخرة ١٦٧)

علماء کا اختلاف ہے کہ اس مستثنیٰ سے کون مراد ہے، کہا گیا کہ فرشتے اور یہ بھی کہا گیا ہے حضرات انبیائے کرام اور ایک قول شہداء کے بارے میں ہے اور امام حلیمی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہاں استثنا شہدا کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

قد ورد حدیث ابی هریرة بأنهم الشهداء و هوالصحیح علی ما یأتی و اسند النحاس فی کتاب معانی القرآن له. حدثنا الحسین ابن عمر الکوفی قال حدثنا هنا دبن اسری قال حدثنا وکیع عن عمارة ابن ابی حفصة عن حجر الهجری عن سعید بن جبیر فی قول اللہ عز وجل الا من شاء اللہ قال هم الشهداء هم ثنیة اللہ عز وجل متقلدوا السیوف حول العرش.

(التذکرہ:ص ١٦٧)

اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ یہاں مستثنیٰ شہدا ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ابھی آئے گا اور امام نحاس نے اپنی کتاب معانی القرآن میں اس کی ایک سند بیان کی ہے۔(بسند مذکور) حضرت سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ شہداء ہیں کہ جن کی شان اللہ نے بیان فرمائی ہے وہ تلواریں لٹکائے ہوئے عرش کے اردگرد رہیں گے۔

قال ابو هریرة یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فمن استثنی حین یقول ففزع من فی السمٰوات و من فی الارض الا من شاء اللہ قال اولئک الشهداء. (تفسیرابن جریر٢٤: ٣٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فزع کے وقت کس کو اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان میں مستثنیٰ قرار دیا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شہداء ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام تو الحمدللہ اس نفخ صور کے موقع پر زندہ رہیں گے ہی ان کے صدقہ میں حضرات شہدائے کرام اور ملائکہ عظام بھی نفخ صور کے وقت زندہ رہیں گے۔صرف ان میں سے بعض حضرات پر بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگی۔

الحمدللہ رب العالمین اس مختصر رسالہ کی شرح اختتام کو پہنچی لیکن جب یہاں پہنچا تو بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اب منکرین شان و حیات انبیاء کے دلائل کا رد بھی ہونا چاہئے چونکہ کتاب پہلے ہی ضخیم ہوچکی ہے اس لئے یہ طے پایا کہ منکرین حیات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ و السلام کے دلائل اوران کے جوابات کے لئے اس کتاب کا دوسرا حصہ مختص کیا جائے۔لہذاانشاء اللہ المولیٰ بوسیلۂ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بعد اس کتاب کا دوسرا حصہ عنقریب تحریر کیا جائے گا۔

٢٤رذی الحجہ ١٤١٦ھ بعد نماز ظہر ١٤رمئی ١٩٩٦ء بروز منگل

١٤راگست ١٩٩٨ء ابوظہبی مرکز اہلسنت